انوارِ مفتئ اعظم
100
RAZA ACADEMY-BOMBAY-3.

انوارِ مفتیِ اعظم

شہزادۂ امام احمد رضا

حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی علیہما الرحمہ

۱۳۱۰ھ ——— ۱۴۰۲ھ

کی حیات و خدمات پر

فکر انگیز مقالات کا دلکش مجموعہ

باھتمام

المجمع الاسلامی، مبارکپور

ناشر

رضا اکیڈمی بمبئی ۳

سلسلۂ اشاعت نمبر ۶۲

(۱) کتاب ــــــ انوارِ مفتی اعظم

(۲) ترتیب و نظر ثانی ــــــ مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی رکن المجمع الاسلامی، و استاذ جامعہ اشرفیہ

(۳) کتابت ــــــ ظفر الاسلام ادروی، مدرس دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ مئو،

(۴) اشاعت اوّل ــــــ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ / اکتوبر ۱۹۹۲ء

(۵) باہتمام ــــــ المجمع الاسلامی مبارکپور،

(۶) حسب فرمائش ــــــ جناب محمد سعید نوری

(۷) ناشر ــــــ رضا اکیڈمی، بمبئی ۳

(۸) صفحات ۳۰۴ تعداد اشاعت ہزار

ملنے کے پتے

(۱) رضا اکیڈمی، ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ ــــــ بمبئی ۳

(۲) المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ۲۷۶۴۰۳

(۳) مکتبہ قادریہ، دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ ۲۷۶۱۲۹

اصحاب قلم

عربی تقریر

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلّیًا،

دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور کے طلبہ ۲۵ صفر کو تقریبًا پندرہ سال سے "یوم رضا" کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر اس کا طریقہ وہ نہیں جو ہمارے ملک میں عام طور سے رائج ہے کہ خرچ اور نمائش زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور افادیت کم سے کم۔ سنا ہے کہ دسویں محرم کو ممبئی کے صرف ایک ایک محلہ بلکہ ایک ایک گلی میں کئی کئی لاکھ روپے محض سبیل اور شربت پر صرف ہو جاتے ہیں گیارہویں شریف کا موقع آیا تو لاکھوں روپے زردے پر خرچ ہو رہے ہیں۔ کسی بزرگ کی فاتحہ یا عرس کا اہتمام ہوا تو معمولی معمولی تقریبات میں کھانے پینے پر دس بیس ہزار یا لاکھ دو لاکھ خرچ کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ——— خیال یہ ہے کہ اس طرح جو ایصالِ ثواب ہوتا ہے وہ بزرگ کی روح کو ڈائرکٹ پہنچ جاتا ہے، ان کی خاص عنایت و توجہ ہوتی ہے اور اس سے مسلک کا بھی چرچا ہوتا ہے ——— مذکورہ طریقۂ ایصالِ ثواب کے جواز واستحباب میں کلام نہیں لیکن:

اگر ان حضرات سے کہا جائے یہی رقم ایصالِ ثواب کی نیت سے کسی ادارے کی تعمیر میں دے دیں، یا کسی ایسے ادارے کو دے دیں جو اسے نادار طلبہ کی تعلیم پر صرف کرے، یا تبلیغ دین کے لئے کتابوں کی تصنیف واشاعت میں لگائے یا اس سے کوئی ایسا ادارہ قائم ہو جو باطل کی ریشہ دوانیوں کا تحریری و تقریری طور پر ہمیشہ مقابلہ کرتا رہے، یا اس سے دوسرے دینی و ملی امور انجام پذیر ہوں، تو یہ بات جلدی کسی کے حلق سے نیچے نہیں اترتی ——— شاید اس کی وجہ

یہ ہے کہ اس طرح کے کاموں سے رقم والوں کی کوئی زیادہ شہرت ونمائش نہیں ہوتی اور تحسین وستائش کی مقدار بھی بہت کم ہاتھ آتی ہے، جبکہ اوّل الذکر کاموں سے خاصی شہرت اور واہ واہی ملتی ہے، ایک دھوم دھام اور چہل پہل مچ جاتی ہے جس سے تفریحی شوق وذوق کو بھی تسکین ملتی ہے ـــــــ تو حاصل یہ ہوا کہ کوئی جائز اور نفل کام نام ونمود کے جذبات سے ہم آہنگ ہے تو اس کے لئے سرمایہ پر سرمایہ بے دریغ لٹانا ایک معمولی بات ہے۔ اور دین وملت اور جماعت وقوم کا کوئی اہم سے اہم اور فرض سے بڑا فرض ہے۔ مگر اس میں اخلاص وبے نفسی، ریا ونمود سے دوری، اور ایک عظیم مقصد کے لئے پامردی وثابت قدمی کی ضرورت ہے تو ستائش ونمائش پسند طبیعتیں اس کے لئے آ[illegible]دہ نہیں ہوتیں، جب کہ حسنِ نیت اور اخلاص واستقامت کے بغیر نفل ہو یا فرض، خدا کے نزدیک کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتا، بلکہ وہاں تو ریا کو شرکِ خفی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ایسا عمل رب قدوس کے غضب وعتاب کا سبب بھی ہوسکتا ہے۔

صاحبِ ایمان کو ثوابِ آخرت اور رضائے مولیٰ کی طلب ہونی چاہیئے۔ اور سطحی جذبات وخواہشات سے بالاتر ہوکر حکمت ایمانی کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے کہ اس وقت دین وملت کے تقاضے کیا ہیں؟ ہمارے سرمایے کا عمدہ سے عمدہ اور افضل سے افضل مصرف کیا ہے؟ ربِّ قدیر اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خوشنودی کس عمل سے وابستہ ہے؟ دنیا کی پذیرائی اور قدر افزائی نہیں بلکہ آخرت کی سرخروئی اور سرفرازی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ ایمان کی روشنی اور روحانی ترقی وبلندی کیسے مل سکتی ہے؟ ـــــــ مومن کی نظر بھی اگر دنیا ہی تک محدود رہ گئی تو اس کی نظر اور غیر مومن کی نظر میں فرق کیا رہ جائے گا؟

یہ تمام ایام جو ہمارے معاشرے میں منائے جاتے ہیں اور ان پر جو سرمایہ صرف کیا جاتا ہے تھوڑی تبدیلی کے ساتھ ان کو بہت مفید اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے اگر ایصالِ ثواب کو کھانے پینے تک محدود رکھنے کے بجائے دینی وعلمی مصارف کی طرف

پھیر دیا جائے تو ایصالِ ثواب بھی ہو جائے اور دین وملت کے بڑے بڑے کام جو سرمایے کے بغیر ناتمام پڑے ہیں آسانی کے ساتھ ہوتے جائیں اور ملت کے مقدر کا ستارہ بلند سے بلند اور روشن سے روشن تر نظر آئے۔

دار العلوم اشرفیہ کے طلبہ نے یوم رضا کی تقریب کو زیادہ کارآمد اور مفید بنانے کے لئے یہ طریقہ اپنایا کہ اس موقع پر تقریری وتحریری مقابلے بھی رکھ دیے جس کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت سے متعلق مختلف عنوانات کا اعلان ہو جاتا ہے اور ہر عنوان پر طلبہ کو کافی مطالعہ کرنا پڑتا ہے جس سے ان کے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فضل وکمال سے آشنائی بھی۔ محنت ومطالعہ کے بعد مقالے تیار کرتے ہیں۔ ان مقالوں پر نمبر دیے جاتے ہیں، اور انعامات بھی تقسیم ہوتے ہیں، جس سے دوسرے تمام طلبہ میں بھی علمی و تحریری شوق بیدار ہوتا ہے اور وہ بھی کچھ کرنے کے لئے سوچتے ہیں۔ یہی حال تقریروں کا بھی ہے۔

پانچ سال سے ان طلبہ نے ۱۴ر محرم کی شب میں "یوم مفتی اعظم" کا اہتمام بھی شروع کیا۔ اور مفتی اعظم کی شخصیت کے مطالعہ، اور ان کی حیات وخدمات پر مقالہ وتقریر کی تیاری کا سلسلہ بھی چل پڑا۔

ان مقالات سے طلبہ کی مشق اور ان کی استعداد میں اضافہ مقصود ہوتا ہے مگر ان میں بہت سے مضامین ایسے بھی ہوتے ہیں جو متوسط قسم کے اہل قلم کے عمدہ مضامین کی صف میں رکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور ان سے دوسرے طلبہ اور عوام کو فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ان مضامین کی اشاعت طلبہ کے بس کی بات نہیں، اس لئے قیمتی ہونے کے باوجود وہ فائلوں کی زینت بنکر رہ جاتے ہیں، اور منتظم طلبہ کی بے توجہی سے ضائع بھی ہوتے ہیں۔

میرا خیال ہوا کہ اچھے مضامین کو کسی طرح منظر عام پر لایا جائے۔ اس کے لئے میں نے برادر گرامی مولانا یٰسین اختر مصباحی سے کہا کہ اب تک جو حجاز کے نمبر

آپ نے شائع کئے ان میں زیادہ تر مطبوعہ مضامین تھے۔ اِن طلبہ کے مضامین پر مشتمل ایک امام احمد رضا نمبر آپ نکالیں تو سبھی مضامین غیر مطبوعہ ہوں گے، ان طلبہ کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی، اور قارئین کے لئے نئی افادیت بھی ——
انہوں نے بخوشی اسے منظور کرلیا۔ اس سلسلے میں انہیں جامعہ نظامیہ لاہور سے بھی ایسے ہی بہت سے مضامین مولانا عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ، کے ذریعہ دستیاب ہوگئے اور انہوں نے نمبر کا اعلان بھی کردیا۔ مگر حجاز کے معمول کے شمارے بھی پابندی سے نکل نہیں پاتے۔ ایسے حالات میں ضخیم نمبر کی اشاعت کی توقع بہت کم نظر آتی ہے۔

یوم مفتی اعظم میں پیش آمدہ اچھے مضامین پر مشتمل ایک مجموعہ کی اشاعت کیلئے میں نے "رضا اکیڈمی بمبئی" کے متحرک وفعال سکریٹری جناب محمد سعید نوری سے مراسلت کی، انہوں نے یہ تجویز فوراً منظور کرلی۔ مگر ان دنوں وہ جشن صدسالہ یوم ولادت مفتی اعظم کی تیاریوں میں کافی مصروف تھے۔ اس لئے عملی پیش قدمی میں دیر ہوئی، مگر جشن صدسالہ سے پندرہ دن پہلے انہوں نے مدیر ماہنامہ "اشرفیہ" مولانا مبارک حسین مصباحی کے ذریعہ چار ہزار روپے بھیج دیئے کہ مضامین کی کتابت شروع کرادی جائے۔

اس کے بعد جشن صدسالہ کے موقع پر بمبئی میں خود حاضر ہوا، اس جشن کا ایک جز مفتی اعظم کی شخصیت پر سیمینار بھی تھا جو ۱۲ رجب ۱۲ھ مطابق ۱۸ جنوری ۹۲ء کو ظہر سے عصر تک منعقد ہوا۔ اس کے لئے مولانا قمرالحسن مصباحی استاذ دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی نے اہل قلم سے مراسلت بہت پہلے شروع کر رکھی تھی۔ اور تجویز یہ بھی کہ مضامین دو ماہ پہلے دفتر رضا اکیڈمی میں پہونچ جائیں تاکہ جشن سے پہلے ان کی کتابت وطباعت کا کام مکمل ہوجائے۔ اس کے مطابق زیادہ تر مضامین پہلے پہونچ گئے اور کتابت کے بعد وہ طباعت کے لئے پریس کے حوالے بھی ہوگئے—
چند مضامین ٹھیک سیمینار کے وقت موصول ہوئے اس لئے وہ تشنۂ اشاعت

رہ گئے مگر مولانا لیسین اختر مصباحی نے وہ سب حجاز میں اشاعت کے لئے سیمینار ہال ہی سے اپنے قبضے میں کرلئے اور دفتر تک ان کے پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ بعض مضامین حجاز میں شائع بھی ہوچکے ہیں۔

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ، مولانا عبدالحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ، اور راقم الحروف کے مضامین بھی تھے۔ ان کے لئے جناب محمد سعید نوری کی خواہش ہوئی کہ طلبہ اشرفیہ کے مضامین پر مشتمل جو مجموعہ شائع کرنا ہے اسی میں یہ بھی شامل ہوجائیں تو اچھا ہوگا۔

بمبئی سے واپسی کے بعد میں دارالعلوم اشرفیہ کے امتحان سالانہ کی تیاریوں میں منہمک ہوگیا۔ اور کوئی مضمون دیکھنے کی نوبت نہ آئی۔ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مقالات یوم مفتی اعظم کی فائل دیکھی اور جو مضامین زیادہ مفید اور اچھے نظر آئے انہیں منتخب کرلیا۔ پھر تعطیل میں اپنے گھر بھیرہ، ولید پور پہونچ کر سب پر نظر ثانی کی، اس کے بعد جدّ الممتار جلد ثانی کے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران کسی کاتب سے رابطہ نہ ہوسکا۔ ۹ / شوال ۱۲ھ کو مولانا ظفر الاسلام ادروی سے ملاقات ہوگئی۔ فوراً میں نے کتابت کے لئے سارے مضامین ان کے حوالے کردیے۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے کتابت شروع کردی اور مکمل کرکے پروف ریڈنگ کے لئے میرے پاس بھیج دیا۔

جشن صد سالہ میں ڈاکٹر شیخ جمال مناع کی ایک مختصر پُر مغز اور جامع تقریر عربی میں ہوئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے ترجمے کے ساتھ الگ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس کے لئے رضا اکیڈمی سے حاصل کردہ کیسٹ میں نے مولانا عارف اللہ مصباحی استاذ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ کے حوالہ کیا کہ آپ اس تقریر کو قلم بند کرکے اس کا اردو ترجمہ کردیں تو اسے شائع کردیا جائے انہوں نے بہت جلد یہ کام کردیا۔ مگر میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہ نظر ثانی کرسکا نہ الگ اشاعت عمل میں آئی۔ یہ مجموعہ کتابت کے آخری مرحلہ میں تھا تو خیال ہوا کہ فی الحال وہ تقریر و ترجمہ

بھی شریکِ اشاعت کر دیا جائے الگ اشاعت آئندہ کبھی ہو جائے گی۔

اس طرح اس مجموعہ میں آٹھ مضامین طلبۂ اشرفیہ کے ہیں جو ۱۴۱۲ھ کے یوم مفتی اعظم کے موقع پر لکھے گئے ایک بہت ہی اہم، وقیع اور قدرے مبسوط مضمون مخدوم گرامی حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ کا ہے۔ دو مضمون راقم الحروف کے ہیں۔ ایک مضمون مولانا عبدالحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ کا ہے۔ یہ چاروں مضامین جشن صد سالہ کے موقع پر ہونے والے سیمینار میں پیش ہوئے۔ آخر میں شیخ جمال مناع کی عربی تقریر اور پھر مولانا عارف اللہ کے قلم سے اس کا ترجمہ ہے، جس کا ابھی ذکر ہوا۔

مفتی اعظم قدس سرہ کا جامعہ اشرفیہ اور حافظ ملت شاہ عبدالعزیز مرادآبادی قدس سرہ سابق شیخ الحدیث و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ سے کیا تعلق تھا؟ اور اشرفیہ پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی نگاہ کرم کس طرح متوجہ تھی؟ اسے بتانے کے لیے جشن سے ایک سال قبل عزیز گرامی مولانا مبارک حسین رام پوری نے ایک مضمون لکھا تھا جو اشرفیہ کے ایک شمارے میں اداریے کی جگہ شائع ہوا۔ اس مضمون کو اس مجموعہ کے شروع میں خاص مناسبت کی وجہ سے شامل کر دیا ہے۔

اب یہ تین سو صفحات پر پھیلا ہوا تیرہ چودہ مضامین پر مشتمل ایک دلکش، وقیع، نظر افروز، اور دل نواز گلدستہ ہے، جو ہمارے نوجوان بھائی جناب محمد سعید نوری کی سعیِ مشکور سے منظر عام پر آ رہا ہے۔

میں مضامین کی تعریف کروں یا ان کا تعارف کراؤں اس سے بہتر یہ ہو گا کہ قارئین پڑھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ کیسی قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ تاہم اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ مضامین طلبہ میں "مفتی اعظم اور رد بدعات و منکرات" اپنے طرز کا پہلا مضمون ہے جس کے اقتباس و شواہد خود تصانیفِ مفتی اعظم سے لئے گئے ہیں، اور عنوان کا حق ادا کرنے کی جاندار کوشش کی گئی ہے۔ اس عنوان کے تحت مفتی اعظم کی شخصیت پر اب تک میرے علم میں کوئی بھی مضمون منظر عام پر نہ آیا۔ اسی طرح "کلامِ

نوری میں کلامِ رضا کا انعکاس" اس عنوان پر دو مضمون ہیں دونوں ہی میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ لکھنے والوں نے براہ راست حدائقِ بخشش اور سامانِ بخشش کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور اپنے عنوان کو مختلف جہتوں سے ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، خاص اس عنوان پر بھی کوئی مضمون اب تک شائع نہیں ہوا۔ اور شاید کسی نے لکھا بھی نہ ہو اسی طرح دیگر مضامین بھی وقیع اور مفید ہیں۔

جشن صد سالہ کے مضامین میں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ' کا مضمون ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت ممدوح کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی صحبت میں ایک طویل عرصہ گزارنے کا شرف حاصل ہے۔ اور خود ان کی جو علمی جلالت ہے وہ ان کی تصانیف اور فتاوے سے عیاں ہے۔ نزہتہ القاری شرح بخاری، اشرف السیر، اختلافات کا منصفانہ جائزہ، اسلام اور چاند کا سفر، مقالاتِ امجدی، اثباتِ ایصالِ ثواب، تحقیقات، اشک رواں، وغیرہ تصانیف کا مطالعہ کرنے والا شاید ہی کوئی ایسا حق پوش اور حاسد و متعصب شخص ہو جو حضرت ممدوح کی علمی عظمت اور تحقیقی کمال کے اعتراف میں بخل و عناد سے کام لے۔ ایسی قدر آور بلند و بالا ہستی کے رشحاتِ قلم کو اگر میں نے دستاویز کہا تو اس میں کوئی مبالغہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسے اس کی واقعی حیثیت کے اظہار میں کچھ کوتاہی کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اس دستاویز کو آپ خود پڑھیں اس کے ایک ایک لفظ پر غور کریں اور مفتی اعظم کی جلالت و عظمت کا اندازہ کریں۔ بغور پڑھنے کی بات اس لئے ہے کہ یہ کسی لفّاظ مقرر کی رنگین داستان نہیں بلکہ ایک عظیم فقیہ اور صاحب افتا کے ارشادات ہیں جن کے الفاظ معانی سے لبریز ہیں۔ ان پر غور کرنے ہی سے ان کی صحیح چاشنی اور پوری حلاوت حاصل ہو سکتی ہے۔

مولانا عبد الحق صاحب نے بھی ایک اہم موضوع لیا۔ "رسالہ الموت الاحمر" کا جائزہ جب تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان کی عبارتوں پر گرفت کی گئی اور علمائے دیوبند کی باتوں سے بھی ان عبارتوں کا اور قائلین کا کفر واضح و متعین ہو گیا تو ان کی

تکفیر کی گئی۔ اس کے بعد حلقۂ دیوبند کی سر جوڑ کوشش یہ ہوئی کہ ان عبارتوں کی کوئی تاویل تو نہیں ہو سکتی، مگر عوام کی تلبیس ضرور ہو سکتی ہے، اور اس راہ سے ہمارے کفر پر پردہ پڑ سکتا ہے۔ دراصل انہیں نجاتِ آخرت کی نہ کوئی امید تھی نہ کوئی فکر، ورنہ آسان کام یہ تھا کہ ان عبارتوں سے توبہ کر کے ایمان لاتے اور دارین کی سرخروئی حاصل کر لیتے۔ انہیں فکر تھی تو صرف یہ کہ دنیا کے اندر نگاہ عوام میں جیسے بھی ہو اپنا بھرم باقی رکھا جائے اور اپنی شہرتِ علمی برقرار رکھی جائے اس کے لئے انہوں نے تاویل کے روپ میں تلبیس کا سہارا لیا۔ ان تلبیسات کی پردہ دری کے لئے "الموت الاحمر" لکھی گئی، جس کا کوئی جواب آج تک حلقۂ دیوبند سے نہ ہو سکا۔ البتہ نئے نئے مغالطوں اور عوام کو نئے نئے ہتھکنڈوں کے ذریعہ شکار کرنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے ———— والعیاذ باللہ

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کی مسلم آبادی میں شیعہ اور سنّی دو ہی فرقے تھے۔ اور ہر سنی انبیاء و اولیاء کا معتقد، ان کے لئے خدا کی عطا سے علم غیب اور تصرفات و اختیارات کا قائل تھا، ان سے استعانت و توسل عہد رسالت ہی سے تمام مسلمانوں کا معمول تھا۔ بارگاہِ رسالت اور انبیاء و اولیاء کی شان میں نار و اجسارت کا کوئی تصور نہ تھا، ان کی اہانت و گستاخی سے ہر مسلمان دور دور تھا مگر جب سے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب وجود میں آئی اس نے اس نار و اجسارت کا دروازہ کھول دیا۔ اور توحید کے نام پر توہین کا سلسلہ چل پڑا، جب یہ مہم دہلی سے دیوبند پہونچی تو اس میں مزید ترقی ہوئی اور ایسی گستاخیاں کی گئیں جن کو کوئی مسلمان برداشت نہ کر سکتا تھا مگر آج وہی تقویۃ الایمان ہندوستان کے غیر مقلد اور دیوبندی حلقوں کا عین دین و ایمان ہے۔ اور اسی کو نت نئے حربوں سے نئی نسل میں منتقل کرنے کی تیز تر مہم جاری ہے اور عام مسلمانوں کی سادہ لوحی یہ ہے کہ اس نئے فرقے کو پہچاننے میں دیر سے کام لیتے ہیں۔ نتیجۃً ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کا سب کچھ گم ہو جاتا ہے مگر بزعم خویش مست رہتے ہیں کہ اب ہمیں راہ مل گئی

ہے، یہ محاذ آج بھی اہل سنت کے لئے اسی طرح محنت و توجہ کا محتاج ہے جس طرح مفتی اعظم اور امام احمد رضا قدست اسرارہما کے زمانے میں تھا، بلکہ آج صورت حال زیادہ سنگین ہو چکی ہے۔ ان ہی حالات کے پیش نظر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی نے پندرہ سال پہلے تحقیقات لکھی تھی اور اب تین سال پہلے "سُنّی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ" تحریر کیا ہے۔ ان کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کو عمل میں لانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوں اور بدمذہبوں کے دام تزویر میں پھنسنے والے سادہ لوح افراد راہِ راست پر آسکیں اور جو لوگ محفوظ ہیں وہ آئندہ بھی محفوظ رہ سکیں۔ افسوس! کہ ایصال ثواب کے لئے کھانے پینے پر لاکھوں لاکھ سرمایہ صرف کرنا تو ہم نے سیکھا، مگر دس بیس ہزار کتابوں کی تقسیم کے ذریعہ ایصالِ ثواب پر کبھی غور نہ کیا جب کہ اِس کی اِفادیت اور ضرورت اُس سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے۔ ربِّ کریم توفیقِ عمل سے نوازے۔

شیخ جمال منّاع نے اپنی تقریر میں متعدد اہم نکات بیان کئے ہیں۔ اور حیرت انگیز انکشاف یہ کیا ہے کہ میں تقریباً پانچ سال ہندوستان میں رہا لیکن امام احمد رضا سے مجھے کوئی واقفیت بہم نہ ہوسکی۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ غلط فہمیاں دور کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ امام احمد رضا کے رشحاتِ قلم کو عام کیا جائے اور عالمی زبانوں خصوصاً عربی زبان میں انہیں پیش کیا جائے۔ اس طرح سے وہ دبیز پردہ جوان کی قدآور علمی شخصیت اور ان کی عظیم خدمات پر ڈال دیا گیا ہے، دور ہوسکتا ہے اور عالمِ عرب ان سے آشنا ہو کر آج بھی ان کی وہی پذیرائی کرسکتا ہے جو کل ان کے دورِ حیات میں حجاز مقدس کے اکابر علماء و مشائخ کے ذریعہ عمل میں آئی۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کا کام چلتے پھرتے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے ایک ایسا اِدارہ چاہئے جو لائق علما اور باصلاحیت دانشوروں کی ایک ٹیم جمع کرے اور انہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرکے منظم اور باضابطہ طور پر ان سے مسلسل کام کرائے۔

المجمع الاسلامی کا قیام سولہ سال پہلے اسی مقصد کے تحت عمل میں آیا۔۔۔ مگر جو وسائل درکار ہیں وہ آج تک میسر نہیں، سرمایہ دار طبقہ ان ضروریات کو سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں، اور ذی علم طبقہ جو ان حالات و ضروریات سے آشنا ہے، اس کے پاس سرمایہ نہیں، دونوں میں اگر ربط و ہم آہنگی اور احساس ضرورت پر اتفاق ہو جائے اور باہم مل کر کام کریں تو یقیناً یہ خلا بہت جلد پُر ہو سکتا ہے ـــــ ربِّ کریم ہم سب کو دینِ متین کی راہ میں حرکت و عمل سے نوازے۔

المجمع الاسلامی نے تصنیفی و اشاعتی میدان میں اب تک جو کام کیا ہے وہ اگرچہ اس کے منصوبوں کے دیباچے کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس سے ادارے کی سلامت روی اور قوت و صلاحیت کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

● امام احمد رضا قدس سرہ کے تعارف سے متعلق اس نے اب تک درج ذیل کتابیں شائع کی ہیں۔

نمبر	کتاب	مصنف	صفحات
۱	امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں	از: یٰسین اختر مصباحی	صفحات ۱۷۶
۲	امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات	" "	" ۵۸۴
۳	فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	از: پروفیسر محمد مسعود احمد	" ۲۲۴
۴	امام اہل سنت	" "	" ۶۸
۵	گناہِ بے گناہی	" "	" ۸۴
۶	کلامِ رضا	اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی	" ۹۶
۷	عرفانِ رضا	ڈاکٹر الٰہی بخش اعوان	" ۷۶
۸	اجالا	پروفیسر محمد مسعود احمد	" ۴۸
۹	تعارف امام احمد رضا	صوفی محمد اکرم	" ۳۲
۱۰	امام احمد رضا اور تصوف	محمد احمد مصباحی	" ۱۲۸
۱۱	فیصلہ مقدسہ (بابت حدائق بخشش سوم)	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	" ۱۶

● امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل بھی توضیح و تسہیل کے ساتھ نئے انداز میں شائع

کے، چند یہ ہیں۔

(۱) حقوق اولاد (۲) حقوق والدین (۳) دعوت میت (۴) مزارات پر عورتوں کی حاضری (۵) احادیثِ شفاعت (۶) براءت علی از شرک جاہلی (۷) فلسفہ اور اسلام (۸) تقدیر وتدبیر (۹) رسومِ شادی (۱۰) اہمیتِ زکوٰۃ (۱۱) فوائد صدقات (۱۲) اذانِ قبر (۱۳) وصایا شریف (۱۴) ندائے یارسول اللہ (۱۵) ارشادات اعلیٰ حضرت،

● عربی زبان میں بھی کچھ کام کیا مثلاً:

(۱) "الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی" کا مولانا افتخار احمد قادری نے عربی ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ ایک مختصر تعارف بھی رقم کیا۔ یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا لاہور سے متعدد بار شائع ہوا۔ اور ترکی کے مکتبہ الشیق سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

(۲) قصیدتان رائعتان اس کے ساتھ ایک مختصر تعارف شامل کرکے اسے شائع کیا گیا۔

(۳) جدّ الممتار جلد اول یہ علامہ شامی کی مشہور کتاب "ردّ المحتار" کا عظیم حاشیہ ہے جس کے ساتھ امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت اور حاشیہ کی اہمیت پر مشتمل، دو مقدمے بھی شامل ہیں۔ پہلی بار ۱۹۸۲ء میں یہ المجمع الاسلامی سے شائع ہوا۔ پھر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے اس کا عکس شائع کرکے اسے مُفت تقسیم کیا۔ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴) حال ہی میں ہمارے رفیق مولانا عارف اللہ مصباحی نے پروفیسر مسعود احمد صاحب کے لکھے ہوئے ایک نئے تعارف امام احمد رضا کا عربی ترجمہ کیا، جو کراچی سے شائع ہوکر مفت تقسیم ہوا۔

(۵) اس وقت جدّ الممتار جلد ثانی کا کام جاری ہے۔ اس کا اردو تعارف بھی لکھا جا چکا ہے، جن میں ان مساعی کی کچھ تفصیل بھی ہے جو اس کتاب کے سلسلے میں زیرِ عمل آئیں، ۱۶۰ صفحات پر کتابت ہو چکی ہے۔

● دوسری اہم علمی ودعوتی کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) تدوینِ قرآن، ص: ۲۰۴ (۲) فضائلِ قرآن، ص: ۲۷۶ (۳) اسلام اور امنِ عالم، ص: ۳۰۴ (۴) اسلام اور تربیتِ اولاد، ص: ۴۸ (۵) المبین (عربی زبان کے محاسن وکمالات) ص: ۲۲۴ (۶) نویں صدی ہجری کے مصری مؤرخین (۷) مستشرقین کا انصاف وتعصب (۸) امتیازِ حق (علامہ فضل حق خیرآبادی اور اسمٰعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ) ص: ۲۰۸ (۹) نور ونار (تقویۃ الایمان کا جائزہ) (۱۰) تحقیق الفتویٰ (ردّ تقویۃ الایمان) (۱۱) حقائقِ تحریکِ بالاکوٹ (۱۲) نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ص: ۱۷۶ (۱۳) صحابہ کا عشقِ رسول ص: ۱۷۶ (۱۴) جشن میلاد النبی (۱۵) تذکرۂ میلادِ رسول (۱۶) باغی ہندوستان (علامہ فضل حق خیرآبادی کی کتاب "الثورۃ الہندیۃ" اور سوانح علامہ) ص: ۴۴۸ (۱۷) اسلامی اخلاق وآداب ص: ۳۵۲ (۱۸) فیض الحکمۃ ترجمہ ہدایۃ الحکمۃ (مع مقدمہ فلسفہ کی تاریخ اور اس کی شرعی حیثیت) ص: ۶۰،

اس طرح کی اور بھی کتابیں ہیں تفصیل المجمع الاسلامی کی نشریات اور فہرست کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہاں کافی اختصار سے کام لینا پڑا ہے جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

"رضا اکیڈمی" بمبئی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے زیادہ تر کتابیں مفت شائع کی ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست بھی طویل ہے۔ چند یہ ہیں۔

(۱) الامن والعلیٰ (۲) تمہید ایمان (۳) سرور القلوب بذکر المحبوب (۴) کنز الایمان (۵) نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان (۶) شریعت وطریقت (۷) اسلامی پردہ (۸) حقوق العباد (۹) گداگری (۱۰) احادیثِ شفاعت،

(۱۱) حال ہی میں تجلیاتِ مفتی اعظم شائع کی ہے جو جشنِ صد سالہ کے نصف یا زائد مقالات کا مجموعہ ہے، (۱۲) اس سے قبل بخاری شریف کی دو جلدیں مکمل شائع کر کے تقسیم کی ہیں (۱۳) اور اب مسلم شریف کی دو جلدیں طبع ہو کر تقسیم ہو رہی ہیں۔

اس طرح کے دوسرے کام بھی اکیڈمی سے ہو رہے ہیں۔ سب کی تفصیل ایک رسالے کی طالب ہے اور سب مجھے مستحضر بھی نہیں، اس لئے فی الحال معاف رکھیں۔

اِن تذکروں کا مقصد دوسرے حضرات کی رہنمائی و آگاہی کے ساتھ اس بات کی دعوت و تحریک ہے کہ اِن اداروں کو فروغ دے کر ان کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا جائے اور عصرِ حاضر کے دینی و ملّی تقاضوں کی تکمیل کی جائے اہلِ سنّت کے تمام اداروں، تنظیموں، انجمنوں، دانشوروں، سرمایہ داروں اور سبھی افراد کو آج کے مذہبی، قومی، سیاسی تمام حالات و مطالبات پر بڑی سنجیدگی و ہمدردی سے غور کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ عمل کا درجہ احساسِ عمل اور آگاہیِ حالات کے بعد ہی آتا ہے ——— ربِّ جلیل ذہنوں کے دروازے کھول دے، قلوب میں دردمندی اور شعور و احساس پیدا کرے، اور افراد کو جادۂ عمل پر گامزن فرمائے۔ ما ذلك عليه بعزيز

فیض العلوم محمد آباد	**محمد احمد مصباحی**
۲۱ / ربیع النور ۱۴۱۳ھ،	رکن المجمع الاسلامی
۲۰ / ستمبر ۱۹۹۲ بروز یکشنبہ	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

مفتی اعظم ہند

اور الجامعۃ الاشرفیہ

مولانا مبارک حسین مصباحی، ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ

کسی فیروز بخت صبح کی مناجات میں امام احمد رضا نے بڑے رقت بھرے انداز میں یہ دعا کی تھی۔ اے مالک بے نیاز، اے ربِّ کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔ لبہائے امام سے نکلی ہوئی یہ دعا شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ اور ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی بابرکت ساعتوں میں ایک خوبصورت اور خوش بخت فرزند کی ولادت ہوئی۔ محمد نام پر عقیقہ کی تقریب ہوئی۔ اور مصطفےٰ رضا عرف قرار پایا۔

ٹھیک چھ ماہ بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں جب بریلی شریف تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت کو مبارکباد دے کر اس سعادت مند فرزند کے حق میں یہ بشارت اور پیش گوئی فرمائی۔

"یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا۔ اور خدا کی مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نظروں سے لاکھوں گمراہ انسان حق پر واپس آئیں گے۔ اور فیض کا دریا بہائے گا"

آگے چل کر یہی فیروز مند بچہ عالم اسلام میں مفتی اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوا دعائے امام کی قبولیت اور مرشد کی بشارت کو ایک صدی مکمل ہو رہی ہے۔ اس صدی کے پردے پر مفتی اعظم ہند نے فکر وعمل اور دین ودانش کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ اس بشارت ودعا سے اس قدر ہم آہنگ اور مطابق ہیں کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی آج تک کوئی خط امتیاز نہ کھینچ سکا۔ کسی کہنے والے نے کتنے پتے کی بات کہی ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مفتی اعظم ہند کی زندگی حیات اسلاف کی آئینہ دار بھی تھی۔ اور اپنے عہد کے منزل آشنا اور گم گشتگان راہ کے لئے مینارۂ نور بھی، اصحاب علم و فن ہوں یا ماہرین سیاست، اہل دین و دانش ہوں، یا ارباب شریعت و طریقت، ہر فرد آپ کے نقش پا کو نشان منزل، کردار و عمل کو نمونۂ حیات اور نظر و فکر کو نصب العین بنانا کامیابی و سرفرازی کی ضمانت سمجھتا ہے۔

آپ کا وجود مسعود اگر ایک طرف قول و عمل کا سنگم اور تقویٰ و طہارت کا مرقع تھا، تو دوسری طرف بے شمار دینی و ملی، سیاسی و سماجی تحریکوں کا بانی و محافظ بھی تھا۔ اور معین و مددگار بھی، تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہوکر آپ ہر اس تنظیم و تحریک کے رفیق و ہم سفر ہو جاتے تھے جہاں خلوص و للّٰہیت کے جلوے اور صداقت و حقانیت کے نقوش اجاگر ہوتے۔

ذیل میں صرف تحریک جامعہ اشرفیہ کی حمایت و ہمدردی کا حال ملاحظہ کیجئے اہل شعور اس سے اس انقلاب آفریں شخصیت کی وسیع الظرفی اور دیگر دینی و ملی تعمیر و ترقی میں رفاقت و معاونت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کو مفتیٔ اعظم ہند کی رفاقت و رہنمائی کن کن مراحل میں حاصل رہی۔ اس کی یہ پُر کیف داستان الجامعۃ الاشرفیہ کی عہد بہ عہد تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ کیجئے،

۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۸ء میں سرزمین مبارکپور میں ایک مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے قائم ہوا۔ اس میں علماء فضلاء تعلیم و تدریس اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے آتے جاتے رہے۔ لیکن مدرسہ کسی بھی شعبہ میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہ کر سکا۔ اس کے بعد ۱۳۵۲ھ میں ارکان ادارہ کی درخواست پر حضرت صدر الشریعہ نے حافظ ملت کو اشرفیہ کی خدمت کے لئے مبارکپور جانے کا حکم دیا، تو حافظ ملت نے عرض کیا میں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ میں ملازمت نہ کروں گا۔ اس جواب پر صدر الشریعہ کو جلال آگیا ـــــ فرمایا۔ میں نے ملازمت کے لئے کب کہا ہے۔ میں تو دین کی خدمت

کے لئے کہہ رہا ہوں۔

حافظ ملت مبارکپور آگئے۔ آپ کے آتے ہی زور وشور سے تدریس کا کام ہونے لگا۔ طلبہ کا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ آپ روزانہ تنہا تیرہ کتابوں کا درس دیتے تھے جن میں سب سے نیچی کتاب شرح جامی تھی۔ تدریس کے علاوہ تقریر کے ذریعہ بھی مبارکپور کے خفتہ ماحول میں بیداری پیدا کی۔ اور ان کے دینی دملی، سیاسی و سماجی امور کی اصلاح فرمائی۔

طالبان علوم نبوت کی وارفتگی و ہجوم کے پیش نظر مزید علمی وتعمیری فروغ کے لئے آپ نے ایک دارالعلوم کی عمارت کا منصوبہ پیش کیا۔ آپ کی اس پرخلوص صدا پر پورا مبارکپور سربکف ہوگیا۔ خواہش جب شوق و وارفتگی کی حد میں داخل ہو جاتی ہے تو منزل مقصود کے حصول میں دیر نہیں لگتی ؎

ہو اگر شوق طلب ڈھونڈنے والوں میں تو پھر
سیکڑوں منزلیں راہوں کے غباروں میں ملیں

روز جمعہ ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء کو حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہما الرحمہ کے ہاتھوں دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ چند ہی دنوں میں یہ ادارہ اپنی علمی وفکری خدمات کی وجہ سے پورے ملک میں متعارف ہوگیا۔ ۱۲ ۵۲ ۷ر ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ کو مفتی اعظم تشریف لائے اور دارالعلوم کی تعلیمی وتعمیری کارکردگی سے مطمئن ہو کر جو تاثر پیش کیا تھا اسے موصوف ہی کے حقیقت نگار قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

"اراکین مدرسہ کو میں مبارکباد دیتا ہوں، انہوں نے نہایت کدوکاوش اور جانفشانی سے کام لیا اور اچھے سلیقے سے کام انجام دیا۔ ان کے حسن انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صدر مدرس ہی ایسا چھانٹ رکھا ہے، جس نے مدرسہ کو باغ وبہار، نہایت شاداب چمن گلزار بنا کر دکھایا ہے۔ یہ برکات میرے گمان میں اسی وجود مسعود کی ہیں، یہ ساری بہار

اسی کے دم سے ہے، اسی کے فیض قدم سے ہے، یہ روشنی اسی کے جلوے کی ہے۔ اسی کے خلوص، اسی کے انتخاب نے اچھے قابل مدرسین، طلبہ کو جمع کر دیا۔ مولا تعالےٰ اسے اور مدرسہ کو نظر بد سے بچائے رکھے۔ آمین"

۱۹۵۹ء میں دار العلوم اشرفیہ کا شعبۂ نشر و اشاعت بنام سنی دار الاشاعت قائم ہوا۔ اس عظیم تحقیقی و اشاعتی ادارہ کا قیام بھی مفتی اعظم ہند کا مرہون منت ہے ادارہ کا پس منظر ادارہ کے ناظم حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی ثم مبارکپوری نائب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ (متوفی ۱۴ر شوال ۱۳۹۱ھ) کی زبانی سنئے۔

"مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب دام ظلہم الاقدس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور تشریف لائے۔ ان سے عرض کی گئی فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس کرامت آثار جملہ نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی۔ اور دار العلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام شروع ہوا۔ اور سنی دار الاشاعت کی بنیاد رکھی گئی"۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، بقلم ناظم سنی دار الاشاعت)

اس شعبہ کا آغاز فتاویٰ رضویہ جلد سوم کی ترتیب و اشاعت سے ہوا۔ تیسری جلد کا مسودہ مفتی اعظم ہند کے پاس سے آیا، تو غیر مبوب اور غیر مربوط تھا، جس کی تبویب مولانا مجیب الاسلام صاحب ادروی نے فرمائی۔ اس کے بعد منظر عام پر لانے کے لئے تحقیق و ترتیب اور اصل و نقل کے تقابل کے بے شمار مراحل سے گزرنا پڑا اس کو ناظم ادارہ نے اپنی بلند ہمتی اور استقلال کامل سے بخوبی انجام دیا۔ اب تک یہ سلسلہ ساتویں جلد تک پہونچا ہے۔ فی الحال دار العلوم اشرفیہ کا یہ شعبہ مفتی عبد المنان صاحب کے زیر عمل ہے۔

حافظ ملت کسی ایک منزل پر ٹھہرنا ہی نہ جانتے تھے۔ طالبانِ علوم نبوت اور متلاشیانِ فنون و معارف کے لئے جب دار العلوم کا دامن تنگ ہو گیا تو قوم

کے سامنے الجامعۃ الاشرفیہ کا عظیم منصوبہ پیش کیا۔ کچھ کوتاہ عاقبت اندیش اور تعصب پرور لوگوں نے اس کی راہ میں طرح طرح کے طوفان کھڑے کئے۔ مگر حافظ ملت عزائم کی ناقابل شکست قوت کا نام تھا ——— ان کی تحریک کے عزم محکم اور عشق صادق کے سیلِ رواں میں مخالفتوں کے یہ سارے طوفان خس خاشاک کی طرح بہہ گئے ؎

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۷۲ء کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کے سنگ بنیاد کی تقریب کا بنام "تعلیمی کانفرنس" اعلان کر دیا گیا۔ اس انقلابی آواز پر فروغ علم کے دیوانوں کی صدائے بازگشت سے پورا ملک گونج اٹھا۔ اور ان دنوں اہل مبارکپور کے ایثار و قربانی اور اخلاص و وفا نے تو پورے ملک کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ ان وارفتہ جگر مسلمانوں کی داستان مولانا بدر القادری سے سنئے۔

"تن من دھن کی بازی لگانا اب تک صرف سُنا تھا، مگر اس کی عملی تصویر مبارکپور میں تعلیمی کانفرنس کی تیاری کے موقع پر نظر آگئی۔ کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی پورا قصبہ کسی عاشق مہجور کی طرح جو وصال یار کا مژدہ سُن لے دوڑ پڑا۔ اور تن سے لے کر دھن تک کی قربانی کا ایسا منظر پیش کیا جو بے مثل ہے۔"

اِس سہ روزہ کل ہند تعلیمی کانفرنس کی رُوداد تو بہت طویل ہے۔ ذیل میں صرف حضور مفتی اعظم ہند اور دیگر اجلّہ علمائے ملت اسلامیہ کے ہاتھوں سنگ بنیاد کی تقریب کا کیف آور منظر تاجدار دہلی "ببئی" کے حوالہ سے ملاحظہ کیجئے۔

"مفتی اعظم ہند قبلہ کی رہبری میں جب علمار کا قافلہ چلا تو اعلان و ہدایت کے باوجود مسلمانوں کا اپنے جذبات مسرت پر قابو پانا ناممکن ہوگیا۔ والنٹیر

اور رضا کاروں کی پوری فوج اپنی کوشش کے باوجود دیوانگی شوق کے اس قابلِ اظہار احترام پر نظم وضبط کا کوئی پہرہ نہ بٹھا سکی۔ جذبات محبت کے دیوانے اپنے اکابر کی قدم بوسی، دست بوسی اور مصافحہ کے لئے شوق کی وارفتگی میں مچل رہے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی قیادت میں جب علمار کا کارواں اس زمین پر پہونچا، جہاں سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا، تو پوری فضا عشق وایمان اور کیف ومستی کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی۔ جذبۂ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیمانے، لب پر درود وسلام کے نذرانے، رہ رہ کر نعرۂ تکبیر ورسالت کی تکرار سے پوری فضا میں عشق ومحبت اور شوق وتمنا کا پھیلا ہوا جادو اس ماحول میں حضور مفتی اعظم ہند کا اس یونیورسٹی کے لئے پہلی اینٹ رکھنا، ایک ایسا نورانی منظر تھا جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے۔ مگر الفاظ و معانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے۔" (تاجدار دہلی، ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء، ص ۷)

حافظ ملت علیہ الرحمہ کی الجامعۃ الاشرفیہ تحریک آج اپنی فلک بوس عمارتوں اور تعلیم وتربیت ـــــ تصنیف وتالیف کے میدانوں میں بے شمار آفاقی کارناموں کی وجہ سے نہ صرف ملک بلکہ عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔ اس کا سبب جہاں اخلاص ووفا میں ڈوبی ہوئی حافظ ملت کی بے شمار قربانیاں، اور کاروانِ اشرفیہ کی بے شمار جانفشانیاں ہیں، وہیں مفتی اعظم ہند کی قلبی دعار، روحانی تعلق اور مخلصانہ رہنمائی کا بھی اثر ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر وترقی دراصل آپ کی آرزؤں کی تکمیل ہے۔ یہ قلبی ہمدردی ہی کا تو اثر تھا کہ جب آپ تعمیری کانفرنس کے اختتام پر گھر جانے لگے تو علامہ ارشد القادری نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کیا ہے؟ ـــــ ان کے منہ سے جلدی سے نکل گیا کرایہ ہے ـــــ حضرت نے فرمایا "میں کرایہ کا مولوی نہیں ہوں"۔ یہ مختصر جملہ جہاں اشرفیہ نوازی اور ذاتی شخصیت کا آئینہ دار

ہے۔ وہیں علمائے اسلام کے لئے درس عبرت بھی،

اب آیئے مفتی اعظم ہند کے اثر انگیز قلم کا وہ پیغام بھی پڑھ لیجیے جو آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کے تعاون کے لئے قوم مسلم کو دیا تھا۔

"دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کو ایک عظیم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی اس نیک کوشش کا میں خیر مقدم کرتا ہوں، اور حافظ ملت حضرت مولینا عبدالعزیز صاحب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالےٰ انہیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ اور حضرات اہل سنت کو توفیق بخشے کہ وہ اشرفیہ یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔"

(فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہٗ، ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ)

حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کے مابین ایک ایسا اٹوٹ رشتہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مفتی اعظم ہند کو جتنی محبت الجامعۃ الاشرفیہ سے تھی اسی قدر آپ حافظ ملت کو عزیز رکھتے تھے۔ حافظ ملت کا سانحہ ارتحال جو دنیائے سنیت کے لئے عظیم حادثہ تھا اس موقع پر بلا امتیاز عوام و خواص پوری سنی قوم نے خون کے آنسو بہائے ــــــ اس اندوہناک حادثہ پر مفتی اعظم ہند پر کیا بیتی اسے محب گرامی عبدالنعیم عزیزی بلرام پوری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس لئے انہیں سے سنئے۔

"جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر حضور مفتی اعظم ہند تک پہنچی تو چاند سا چمکتا ہوا نورانی چہرہ ماند پڑ گیا۔ اور تیرہ نصیبوں کی تقدیر سنوارنے والے کی چشم کرم سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی۔ سرکار بلک بلک کر رو رہے تھے۔ خدمت اقدس میں حاضر خدام کے دل اس منظر سے پاش پاش ہوئے جا رہے تھے۔ اور حضرت کی شفقت ان کی عظمت و برتری کے ساتھ حضور حافظ ملت کی بزرگی و عقیدت ان کے دلوں میں اور زیادہ

ہوگئی ــــ کافی دیر آنسوؤں کے موتی لٹانے کے بعد حضرت عالم اضطراب سے سکون میں آئے تو دیر تک حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پیاری پیاری باتیں کرتے رہے۔ ان کی جلالتِ علمی، زہد و تقویٰ اور تقدس و بزرگی کے گن گاتے رہے اور اخیر میں فرمایا۔ اس دنیا سے جو لوگ چلے جاتے ہیں ان کی جگہ خالی رہتی ہے خصوصاً مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر عالم، مردِ مومن، مجاہد، عظیم المرتبت شخصیت اور ولی کی جگہ پر ہونا بہت مشکل ہے۔ یہ خلا پُر نہیں ہو سکتا۔

وصالِ حافظ ملت کے کچھ دنوں بعد مفتی اعظم نے شہزادۂ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ کو کرم خاص سے نوازا۔ اور اپنے سلسلہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز کیا۔ اور دعا فرمائی کہ سلسلہ عزیزی کا سرسبز و شاداب چمن بزرگانِ سلاسل اور اولیاء اکابر کے طفیل اپنی بہاروں سے ہمیشہ عالم روحانیت کو معطر و معنبر بنائے رکھے۔ آمین،

الجامعۃ الاشرفیہ آج بھی آپ کے خلیفہ حضرت عزیز ملت کی سربراہی اور پرعزم قیادت میں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند کا روحانی تصرف و تعلق آج بھی کارفرما ہے۔ اور انشاء اللہ صبح قیامت تک رہے گا۔

مقالات

یومِ مفتیٔ اعظم

قدس سرہ

منعقدہ: دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور

بتاریخ: ۱۴/ محرم الحرام سنہ ۱۴۱۲ھ

۱	مفتیٔ اعظم ایک خود دار انسان	محمد حسنین رضا
۲	کلام نوری اور عشق و عرفان	سراج الحق
۳	مفتیٔ اعظم کا فقہی تبحر	محمد عاقل رضوی
۴	مفتیٔ اعظم عشق و عرفان کا سمندر	غلام جیلانی
۵	کلام نوری میں کلام رضا کا انعکاس	محمد قمر عالم اشرفی
۶	کلام نوری میں کلام رضا کا انعکاس	محمد شمس الدین ثاقب
۷	مفتیٔ اعظم اور ردّ بدعات و منکرات	ارشاد احمد رضوی
۸	تصانیف مفتیٔ اعظم	محمد شکیل اشرفی

مفتی اعظم ہند ایک خوددار انسان

محمد حسنین رضا، کٹیہار، درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ اشرفیہ مبارکپور

مفتی اعظم ہند جہاں علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ وخشیتِ الٰہی، توکل علی اللہ اور سادگی وشرافت کے مظہر جمیل اور آئینہ دار تھے۔ وہیں خودداری کا پہلو بھی آپ کی شخصیت میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ آیئے حقائق کا مشاہدہ کریں ــــــــ علامہ ارشد القادری صاحب فرماتے ہیں۔

"ایک موقع کا میں عینی شاہد ہوں کہ جب مبارکپور کی سرزمین پر الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کے سنگ بنیاد کی تقریب میں حضور مفتی اعظم ہند مبارکپور تشریف لے گئے بنیاد رکھنے کے بعد جب انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سارے مجمع پر ایک رقت انگیز کیفیت طاری ہوگئی۔ حضور مفتی اعظم کس عالم میں تھے اور وہ دعا کرتے ہوئے کہاں پہونچ گئے تھے یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ لیکن ہم نے اتنا ضرور دیکھا کہ آنکھیں اشکبار تھیں ہونٹ شدت کیف سے لرز رہے تھے۔ اور چہرے پر عقدہ کشائی اور نیاز بندگی کی کیفیت کے آثار نمایاں تھے۔

جب آمین پر دعا تمام ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی، اور ہم کھلے آسمان کے نیچے نہیں بلکہ اس کے سائے میں کھڑے ہیں۔ حافظ ملت پر تو ایک عجیب وجدانی کیفیت طاری تھی۔ فرط مسرت سے ان کی آنکھوں کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ آج ان کی زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہوگیا تھا۔ اہل سنت کی بہبود کے لئے اس صدی کے سب سے بڑے کام کی انہوں نے بنیاد رکھ دی تھی۔

تین دن تک پورا مبارکپور رنگ ونور میں ڈوبا ہوا خوابوں کا شہر بن گیا تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند جب رخصت ہونے لگے تو ہم نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہا

حضرت نے دریافت فرمایا کیا ہے، جلدی میں میرے موتھ سے نکل گیا کرایہ ہے۔
حضرت نے فرمایا ——— "میں کرایہ کا مولوی نہیں ہوں"۔ اس جواب پر میں پسینہ
پسینہ ہوگیا۔ رہ رہ کر پچھتاوا ہوتا تھا کہ یہ کلمہ میرے موتھ سے کیوں نکلا۔ کچھ اور کہہ
دیا ہوتا"۔ ——— (رفاقت پٹنہ ۶، پندرہ دسمبر ۱۹۸۱ء ص ۳۰)

اخیر کے اقتباس سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہوگئی کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ایک خود دار انسان تھے۔ ایک ایسے ذی شان ذی وقار انسان تھے جس نے کبھی بھی حالات کے سامنے اپنی غیرت و خود داری کو قربان نہ کیا۔ وہ شرم وحیا کے پیکر تھے۔ غیرت مندی و خودداری کے مجسمہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بلا پس وپیش آپ نے کہہ دیا۔ "میں کرایہ کا مولوی نہیں ہوں"۔ کہ تم سے کرایہ لوں اور اپنے مصرف میں لاؤں۔

حضور کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا کہ وہ کبھی بھی نہ تو مدرسوں سے نذرانہ لیتے، اور نہ کبھی سفرخرچ ——— چنانچہ علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں۔

"خاص طور پر ان مدرسوں کے اجلاس میں ضرور شرکت فرماتے جس کے ذیل میں کسی عظیم عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب منعقد ہوتی۔ اس طرح کے موقعے پر سب سے پہلا عطیہ جو چندے کی جھولی میں پڑتا وہ خود مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف سے ہوتا۔ مدارس کے جلسوں میں حضرت کا معمول یہ تھا کہ وہ مدرسوں سے نہ نذرانہ قبول کرتے اور نہ سفرخرچ"۔ (رفاقت پٹنہ ۶ پندرہ دسمبر ۱۹۸۱ء ص ۲۰)

اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

"کہ جامعہ حمیدیہ بنارس کے جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر بذریعہ کار جبل پور، مدھیہ پردیس سے تشریف لے گئے۔ ارکان جامعہ نے سوچا کہ سیکڑوں کلومیٹر کا سفر کرکے آپ تشریف لائے ہیں۔ پٹرول وغیرہ کافی خرچ ہوا ہوگا ——— لہٰذا ۵۰۰ روپئے کی رقم پیش کرنا چاہی۔ ہزاروں کوششوں کے باوجود آپ نے رقم قبول نہیں فرمائی۔ لوگوں نے سوچا کہ اس طرح تو نقصان ہوگا تو مختلف لوگوں پر

رقم تقسیم کردی گئی۔ لوگ فرداً فرداً مصافحہ کرتے اور نذرانہ پیش کرتے چلے گئے، حضرت نے سب کی نذر قبول فرمانے کے بعد فرمایا۔ میں اس رقم کو جامعہ کے لئے وقف کررہا ہوں۔ —— (سوانح پاک حضور مفتی اعظم ہند، ص: ۲۵)

یہ بھی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی خود داری وغیرت مندی کہ مدارس میں جاتے لیکن نذرانہ قبول نہیں کرتے۔ کیوں کہ مدارس سے نذرانہ قبول کرنا ایک طرح سے غیرت کے مزاحم ہے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند اس سے بہت دور تھے۔ ہائے زمانے کا انقلاب کل جو عظیم خود داری ان کا شیوہ تھی وہ آج دیکھنے کو آنکھیں ترس جایا کرتی ہیں لیکن نظر نہیں آتی —— ہم لوگ تو صرف نام کے "نوری" رہ گئے ہیں۔ ہمارے اندر اس خود داری کی بو بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ حالانکہ ہر مقتدی کو اپنے مقتدا، اور ہر خادم کو اپنے مخدوم کی اتباع کرنی چاہیئے۔

جہاں حضرت کے اندر اس طرح کی غیرت موجود تھی، وہیں غیرت ایمانی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی —— یہی وجہ ہے کہ حضرت نہ تو کبھی کسی وزیر کے محل میں نظر آئے۔ اور نہ کبھی کسی حاکم کے دولت کدہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ سربراہ مملکت ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے بارہا کوشش کرتے لیکن انہیں آپ یہ کہہ کر منع کردیتے کہ فقیر کو بادشاہوں سے کیا ضرورت؟ —— اس کا اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"یہ بھی دینی غیرت کا ایک بے مثال نمونہ ہے کہ وہ بانوے سال کی طویل زندگی میں نہ کبھی کسی سربراہ مملکت کے گھر گئے۔ اور نہ کسی بڑے سے بڑے ترمان روا کے بنگلے میں نظر آئے —— بلکہ حیرت میں ڈوب جانے کی بات یہ ہے کہ مملکتوں کے کتنے ہی سربراہوں اور وقت کے کتنے سلاطین نے خود ان کی مجلس میں باریاب ہونے کی اجازت چاہی۔ اور مفتی اعظم نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کردیا کہ ایک درویش کا بادشاہوں اور ارباب حکومت سے سروکار ہی کیا ہے؟" (رفاقت پٹنہ ۱۵۰۶ دسمبر ۱۹۸۱ء ص ۵)

یہی وہ غیرتِ اسلامی تھی جس نے حضور مفتی اعظم ہند کو اہل سنت کا پیشوا بنایا تھا۔

اسی غیرت کی وجہ سے وہ اہل سنت کے تاجدار بن گئے تھے۔ یقیناً جو اہل سنت کا تاجدار اور پیشوا ہوگا اسے دوسرے سے کیا سروکار، اگر اسے سروکار ہے تو صرف خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اسی سبب سے وہ کسی بادشاہ یا فرماں روا سے کوئی رشتہ اور کوئی تعلق نہ رکھتے تھے کہ کہیں خدا کی حمد وستائش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے ہٹ کر کسی دوسرے کی تعریف زبان پر نہ آجائے۔ اور میں عنداللہ مجرم کی طرح سر جھکائے رہوں۔

آخر یہ خود داری وغیرت مندی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کو کہاں سے ملی تھی، بلاشبہہ کہنا پڑے گا کہ یہ سب ان کے والد محترم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ملی تھی جنہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے رب کی عبادت میں صرف کی۔ لکھی تو خدا کی حمد لکھی یا اس کے رسول کی نعت یا خدا ورسول کے دوستوں کی مدح وستائش۔ کبھی کسی سلطان یا نواب کی مدح سے اپنا قلم آلودہ نہ کیا۔ نہ کبھی کسی امیر اور صاحب ثروت کی تعریف میں کوئی شعر کہا۔ اس کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے جس میں نوابِ نان پارہ کی منقبت سے گریز کی وجہ صاف صاف ذکر فرمادی ہے۔

کروں مدح اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا،
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں
(حدائقِ بخشش)

یہی وہ غیرت ایمانی تھی جو حضور مفتی اعظم ہند کو ان کے والد محترم کی جانب سے وراثت میں ملی تھی جسے آپ نے برت کر اپنا صحیح جانشین ہونا ثابت کردیا۔ جیسا کہ حسب ذیل اقتباس سے خوب واضح ہوجاتا ہے۔

"اور بلاشبہہ فقر واستغنا اور خود داری کی یہ شان حضور مفتی اعظم ہند کو اپنے غیور باپ سے ملی تھی جو اپنے عہد میں اسلام کی جلالت وجبروت کی نشانی تھے، جو ساری زندگی خدا کے آگے سجدہ ریز رہے۔ یا پھر سرکار کی چوکھٹ پر پیشانی خم ہوئی۔ یا سرکار عالی سے جنہیں انعام خسروانہ ملا اور تقرب خاص کی دولت عطا ہوئی۔ ان کی آقائی کے

آگے سر جھکایا۔ اس کے علاوہ کسی بھی بڑے سے بڑے اقتدار کو نہ کبھی خاطر میں لائے اور نہ اس کی طرف احتیاج کا ہاتھ بڑھایا۔" (رفاقت پٹنہ ۶، ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۱ء ص ۹)

اس اقتباس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کو یہ ساری چیزیں ان کے والد محترم کی طرف سے ملی تھیں، جنہوں نے کبھی کسی دنیادار کی تعریف و توصیف میں زبان نہیں کھولی۔ اور بھلا کیسے کھولتے جو زبان خدا کی حمد و ستائش اور رسول کی تعریف کرے وہ زبان کسی غیر کی مدح سرائی کیا کر سکتی ہے ــــــ اگر وہ زبان گویا ہوئی تو صرف خدا اور رسول کے لئے، اگر قلم اٹھایا تو یہ چیزیں ضرور نظر کے سامنے رکھتے کہ یہ کام شریعت کے خلاف ہے یا اس کے موافق۔

یہ بھی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی حق گوئی و بے باکی تھی کہ وہ یہاں کی کچہری کو عدالت نہیں کہتے تھے۔ اور جو اس کے کارکنان ہوتے اور وہاں بیٹھتے ان پر حاکم کا اطلاق غلط قرار دیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ جہاں شریعت کے مطابق عمل کیا جاتا ہو اور اس کے مطابق اختلاف کا فیصلہ کیا جاتا ہو اس پر حاکم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور جہاں یہ ساری چیزیں موجود نہیں تو اس پر کیسے اس کا اطلاق کیا جائے گا ــــــ اس کا پتہ ان سطور سے چلتا ہے۔ صاحب فکر و قلم علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں۔

"یہ بھی دینی غیرت ہی کی بات تھی کہ مفتی اعظم ہند یہاں کی کچہریوں کو عدالت نہیں کہتے تھے۔ اور جو لوگ وہاں بیٹھتے ہیں ان پر حاکم کے لفظ کا بھی اطلاق نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عدالت کا لفظ اسی ایوان پر بولا جائے گا، جہاں اسلامی قانون کے مطابق نزاعات کا فیصلہ کیا جاتا ہو ــــــ اور جسے خدا اور رسول کی نیابت میں حکومت کا اختیار دیا گیا ہو، وہی حاکم کہے جانے کا مستحق ہے۔"

(رفاقت پٹنہ ۶، ۱۵ ردسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۸)

آپ کی عظیم شخصیت کے یہی تابناک نقوش ہیں جن کے باعث وہ یگانۂ عصر قرار پائے آپ کی شجاعت و جرأت نے خوف و ہراس کے عالم میں خوابیدہ مسلمانوں کو زیست

کا حوصلہ بخشا۔ اور امید کی شمع روشن کی۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے ناز و نعم میں پلنے اور رئیس اعظم ہونے کے باوجود تکلّف و تصنع، بناوٹ، ظاہری رکھ رکھاؤ، دنیاوی شان و شوکت و دنیاوی ٹھاٹ باٹ اور خود نمائی و خود پسندی کا کبھی تصور تک نہ کیا۔ حالانکہ ہزاروں مریدین آپ کی بارگاہ میں تکلف و آرائش کے ساز و سامان لے کر آتے مگر آپ ان چیزوں کو جسم سے نہ لگاتے ــــ سنئے منظر بدآیونی بیان کرتے ہیں۔

"کشمیر کے کوئی صاحب تھے ــــ بارگاہِ نوری کے عاشق زار تھے ــــ دل نے کروٹ لی اور کشمیر سے چل کر بریلی پہونچے ــــ مقصد صرف یہی تھا کہ مرشد کی زیارت ہوجائے ــــ جو پوری ہوگئی ــــ ایک قیمتی گھڑی "اومیگا" ساتھ لائے تھے ــــ نذر بارگاہ کرنے کے لئے، ــــ مگر مزاج سمجھ رہے تھے کہ دنیوی حرص سے جس کے وجود کو خالی رکھا گیا ہو اس کی بارگاہ میں کیسے لب کشائی کی جائے ــــ بالآخر زندہ باد اے ہمت مردانہ ــــ دل کی بات زبان پر آگئی ــــ حضور ایک گھڑی لایا ہوں تاکہ حضرت اس سے وقت دیکھیں ــــ پھر ارشاد ہوا فقیر کو اس کی ضرورت نہیں ــــ حضور بہت آرزو سے اسے خریدا ہے ــــ اصرار ہوا تو جواب ملا کہ لاؤ ــــ تالیفِ قلب کے لئے داہنے ہاتھ میں باندھا۔ اور فوراً واپس کر دیا ــــ ارشاد ہوا ــــ آپ کی خواہش تھی اس لئے باندھ لیا۔ اب اسے آپ پہنئے" ــــ (ماہنامہ حجاز جدید، مئی، جون ۱۹۹۱ء ص: ۲۶)

یہ تھی حضور مفتی اعظم ہند کی شان و شوکت، اور غیرت کہ فقیر کو اس کی ضرورت نہیں ہے ــــ الحمد للہ کس قدر دور تھے آرائش و زیبائش سے کہ اس کا شائبہ تک نہیں آنے دیا۔ اور یہاں کا حال تو یہ ہے کہ اپنا بڑا پا ظاہر کرنے کے لئے بہت کچھ کرتے ہیں کہ جس طرح سے ہو لوگ ہمیں مالدار اور رئیس اعظم کہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برخلاف ہوتا ہے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس وقت کی کمی رہتی تھی۔ کیونکہ اکثر اوقات

توخدا کی عبادت و ریاضت میں گزارتے اور باقی حصے میں فتویٰ نویسی بھی کرتے۔ اور لوگوں کی اصلاح وموعظت کے لئے ناصحانہ باتیں بھی ارشاد فرماتے۔ ایسے وقت میں مفتی اعظم ہند چاہتے تو ٹرین کے بجائے ہوائی جہاز سے سفر کرسکتے تھے۔

مگر قربان جائیے وقت کے مجاہد پر کہ ایسے حالات ومواقع پر بھی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے بہترین لب ولہجہ میں جواب عنایت فرمایا۔ اور مریدین ومتوسلین کے دلوں کو اس اِسراف وفضول خرچی سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کیا ـــــ مولانا قمرالحسن بستوی رقم طراز ہیں۔

"کئی لوگوں کی زبانی یہ واقعہ سننے کو ملا ـــــ لوگ مدعو کرتے ـــــ وقت کی تنگی ہوتی یا کوئی اور عذر ہوتا ـــــ عرض کیا جاتا ـــــ حضور! ہوائی جہاز سے سفر فرمائیں ـــــ وقت بھی کم لگے گا ـــــ مشقتیں بھی کم ہوں گی ـــــ مگر ارشاد ہوتا فقیر اس سے سفر نہیں کرتا۔ جب ٹرین سے سفر ہوسکتا ہے تو فضول خرچی کیوں کی جائے۔"

(حجاز جدید دہلی ص: ۶۷، مئی جون ۱۹۹۱ء)

اللہ اللہ کتنا پاس ولحاظ تھا شریعت مطہرہ کا کہ کہیں فضول خرچی نہ ہوجائے۔ اور احکم الحاکمین کے حضور جواب دِہ نہ ہونا پڑے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے اندر دینی غیرت اور حق پرستی کا عنصر پوری طرح جوش زن تھا یہی وجہ تھی کہ اگر کسی کو شریعت کے خلاف کچھ کرتے دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ اور ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ جس کے اندر یہ ساری چیزیں موجود ہوں وہ فضول خرچی کیسے کرسکتا ہے ـــــ اس طرح کی دینی غیرت اور عام خود داری کی مثالیں حضرت کی زندگی میں بے شمار ہوں گی مگر حقیر کے اندر اتنی استعداد وصلاحیت کہاں کہ حضور کی زندگی کے حالات وواقعات کا احاطہ کرسکے، بس حصول سعادت کے لئے ان چند سطور کے ساتھ شریک بزم ہوگیا ہوں۔ بلاشبہہ مفتی اعظم نے ایسے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے رہیں گے اور سخت حالات میں بھی زیست کا حوصلہ بخشتے رہیں گے۔ یا اللہ ہمیں ان کے نقوش قدم پر چلا۔ آمین ثم آمین۔

کلامِ نوری اور عشق و عرفان

سراج الحق چھپرادی، درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ جامعہ اشرفیہ

مفتی اعظم قدس سرہ کا کلام علوم و معارف کا گنجینہ ہے، جس کا صحیح اندازہ تو اہل علم و نظر ہی کرسکتے ہیں۔ میں نے اس کا سرسری مطالعہ کرتے ہوئے حمد باری اور عشق رسالت مآب علیہ التحیۃ والثناء سے متعلق حضرت نوری علیہ الرحمہ کے افکار و جذبات کا انتخاب کیا ہے۔ اور اپنے مضمون میں کمال اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے ان کے جلوۂ عرفان و جذبات عشق اور نعت سرکار کی کچھ جھلکیاں قارئین کے سامنے آسکیں گی۔

ایک عارف کامل کی نظر میں خدائے لم یزل کے علاوہ ساری چیزیں معدوم ہیں۔ اور موجود صرف ذات باری تعالےٰ ہے جیساکہ مولانا محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں۔

"صوفیۂ کرام اور اہل عرفان "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ" کے قائل ہوتے ہیں۔ اور ان کی نظر میں خدا کے ماسوا سب معدوم ہیں۔ موجود وہی ذات احد ہے"[1]

حضور مفتی اعظم ہند اپنے والد ماجد کی طرح اسی مسئلہ وحدۃ الوجود پر اعتقاد رکھتے ہیں، جیساکہ آپ نے اپنے حمدیہ اشعار میں اس کا اظہار کیا ہے —

فرماتے ہیں۔

لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ	لَا مَشْهُوْدَ اِلَّا اللہ
لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ	لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اٰمَنَّا بِرَسُوْلِ اللہ

---

[1] امام احمد رضا اور تصوف، ص: ۱۶، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور،

صوفیۂ کرام کا مسلک یہ ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں۔ سب اسی خدائے واحد کے مظاہر اور پرتو ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

تیرا جلوہ ہے ہر سو ٭ تو ہی تو ہے، تو ہی تو

قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ صحیح راستہ کی ہدایت دینے والا خدائے بزرگ و برتر ہے، اور وہی حق ہے۔ لیکن اس تعلیم سے جہاں ایک باطل پرست کا رنگ اڑ جاتا ہے اور اس کا دل پھٹ جاتا ہے وہیں پر ایک سچے اور کامل مومن کے دل میں نوری شعاعیں پھوٹنے لگتی ہیں۔

انت الہادی انت الحق ٭ رنگ باطل اس سے فق
قلب مبطل سن کر شق ہے ٭ قلب مسلم کی رونق ہے

قرآن پاک میں ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ یعنی ذات باری کی مثل کوئی شئے نہیں، اور "لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ" اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں، مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

لیس کمثلہٖ شیٔ ٭ لیس لہٗ کفواً احدٌ
اس سے بن ہے وہ نہیں بن ٭ البصر السمیع دیکھا اور سن

آگے فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ و رب واحد ٭ فرد و واحد وتر و صمد
جس کا والد ہے نہ ولد ٭ ذات و صفات میں بے حد و عد

مذکورہ اشعار گویا سورۂ اخلاص کا خلاصہ ہیں۔ یعنی ذات باری تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے۔ وہ یکتا و تنہا ہے۔ وہ ساری چیزوں سے بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے۔ اور نہ وہ کسی کا لڑکا، اس کی ذات و صفات عقل انسانی سے ماورا رہیں۔

کائنات کی تخلیق اسی نے فرمائی۔ دنیا کی ساری چیزیں دریا، پہاڑ، سمندر اسی نے بنائے، درخت اور سبزہ کو اگانے والا وہی ہے۔ اسی نے باغ عالم

میں رنگ برنگ کے پھول کھلائے۔

بن کو بنایا ہے اس نے — بن کو جمایا ہے اس نے
بن کو اگایا ہے اس نے — باغ کھلایا ہے اس نے
وہ ہے مُقیت و مُعزّ و مُذِل — وہ ہے حفیظ و نصیر اے دل
باد و آتش و آب و گل — سب کا وہ ہی ہے فاعل
مادے اس نے پیدا کئے — اس کے امر کن سے بنے
دور و تسلسل کے جھگڑے — امر حق سے قطع ہوئے

دنیا کی ہر شئے حادث اور فانی ہے، اس کی ذات واجب الوجود، اور قدیم ہے۔ اس سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں، اور نہ ہی اس سے لاحق کچھ ہو سکتا ہے۔

سب ہیں حادث وہ ہے قدیم — کوئی نہیں ہے اس کا ندیم
نہ کوئی اس سے سابق ہے — کوئی نہ اس سے لاحق ہے

وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ پوری کائنات اس کی ملکیت ہے۔ وہ زمان و مکان سے پاک ہے۔ لیکن نزدیک اتنا کہ رگ جاں سے بھی قریب، وہ باریک سے باریک چیز کو بھی دیکھتا، اور پست سے پست آواز کو بھی سنتا ہے۔

ساجھی نہ کوئی اس کا شریک — وہی ملک ہے وہی ملیک
پاک مکاں سے اور نزدیک — دیکھے سُنے پست و باریک

ہر چہار جانب اسی کا جلوہ موجزن ہے۔ نور و نظر میں اسی کی جلوہ نمائی ہے چاند، سورج، ستارے، ابر، کوہسار اور موتی سب میں اسی کا پرتو جمیل ہے۔ شعلہ و شرر میں بھی وہی ہے۔ شجر، تخم، شاخ، ثمر، خشک و تر، سوز و ساز، ناز و انداز، معشوق کے حسن اور عاشق کے عشق، سب میں اسی کا نور جھلکتا ہے

نور میں وہ ہے نظر میں وہ — شمس میں ہے قمر میں وہ
ابر میں وہ ہے گہر میں وہ — کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
پروانہ میں ہے پر میں وہ — شمع میں وہ ہے شرر میں وہ

دار و دوا و اثر میں وہ | نفع میں وہ ہے اثر میں وہ
تخم میں وہ ہے شجر میں وہ | شاخ میں وہ ہے ثمر میں وہ
ماہ میں وہ ہے بدر میں وہ | بحر میں وہ ہے بَر میں وہ
سوز میں وہ ہے ساز میں وہ | ناز میں وہ انداز میں وہ
حسنِ بت طناز میں وہ | عشق کے راز و نیاز میں وہ

کائنات کی وہ شئے جو زبان و دہن سے عاری ہے وہ بھی سبوح و قدوس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔

وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال | جو نہیں رکھتا منہ اور لسانِ مقال
پھر بھی گویائے تسبیح ہے اس کا حال | اس کی حالِ زباں کہتی ہے تو ہی تو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس نے مجھے دیکھا، اس نے رب کائنات کو دیکھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نور کی تیرے ہے اک جھلک خوبرو | دیکھے نوری تو کیوں کر نہ یاد آئے تو
ان کا سرور ہے مظہر ترا ہو بہو | مَنْ رَآنِیْ رَاَ الْحَق ہے حق مو بمو

حضرت نوری بارگاہ الٰہی میں مناجات پیش کرتے ہیں۔ اے پروردگار عالم تو غفار ہے۔ تو خطاؤں کا معاف کرنے والا ہے۔ میرے گناہوں کو معاف کر دے مجھے اچھے کام کرنے کی توفیق رفیق عطا فرما۔ اپنی یادوں کی شراب سے مجھے اس طرح مست کر کہ ہر لمحہ ترا ہی ذکر کرتا رہوں۔ پھر کسی کی یاد میرے دل میں نہ آئے جیسا کہ امیر خسرو علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

بیادِ خویش کن زاں گونہ شادم | کہ نایدہیچ کہ از خویش یادم،

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

عفو فرما خطائیں میری اے عفو، | شوق و توفیق نیکی کی دے مجھ کو تو
جاری دل کر کہ ہر دم رہے ذکر ہو، | عادت بد بدل اور کر نیک۔۔۔ خو

ایک مومن کامل کے لئے خدا کے بعد کوئی مرکز و محور ہے تو وہ سرف رسول

کائنات کی ذات اقدس ہے۔ اور اس شخص کے لئے عشق رسول سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ یہی وہ ذات عالی ہے جس کی بدولت ساری کائنات کی تخلیق فرمائی گئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

موج اول بحرِ قدم — موج آخر بحرِ کرم
سب سے اعلیٰ اور اعظم — سب سے اولیٰ اور اکرم
جن کو بنایا اپنے لئے — سب کو بنایا ان کے لئے
کب انہیں دے کے ان سے لئے — پر سب چھوڑے تیرے لئے
نور سے اپنے پیدا کیا — نور حبیب ربِ علا
پھر اس نور کو جسے کیا — ان سے بنایا جو ہے بنا

سارا عالم آپ ہی کے دم قدم سے منور و مجلّٰی ہے۔ دنیا و آخرت دونوں جہان میں آپ ہی کے نور کی شعاعیں بکھر رہی ہیں۔ حدیث قدسی ہے۔ اے محبوب اگر آپ کو پیدا فرمانا منظور نہ ہوتا تو زمین و آسمان پیدا نہ فرماتا۔

ہے عالم تم سے پُر ضیا ماہ عجم مہر عرب
دے دو میرے دل کو جلا ماہ عجم مہر عرب

دونوں جہاں میں آپ ہی کے نور کی ہے روشنی
دنیا و عقبیٰ میں شہا ماہ عجم مہر عرب

کب ہوتے یہ شام و سحر کب ہوتے یہ شمس و قمر
جلوہ نہ ہوتا گر ترا ماہ عجم مہر عرب

کہتے ہیں کہ دنیا کا سارا حُسن حضرت یوسف علیہ السلام پر ختم ہے۔ حضرت نوری فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہے۔ اور انہیں بھی طلب ہے تو آپ ہی کی۔

حُسن وہ پایا ہے خورشید رسالت تو نے
تیرے دیدار کا طالب مہ کنعاں ہوگا

ایک عاشق صادق کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اس کی جان اس کے محبوب کے قدموں میں نکلے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے دیار حبیب کا اسیر ہو کر رہے۔

تمہارے قدموں پہ سر صدقے جاں فدا ہو جائے
نہ لائے پھر مجھے میرا خدا مدینے سے

دنیا میں اگر کوئی شئے ہے جس سے دل لگایا جائے تو وہ کعبہ مقدسہ ہے یا رسول کائنات کا مقدس شہر مدینہ ہے۔

لگاؤں دل کو نہ دنیا میں ہر کسی شئے سے
تعلّق اپنا ہو کعبے سے یا مدینے سے

جسے عشق رسالت کا مرض لاحق ہو جائے اس کی دوا تو دنیا کے کسی ہاسپٹل میں نہیں ہے۔ اسے چین و سکون ملے گا تو صرف مدینے کے شفا خانے سے

نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت
مریض غم کو ملے گی شفا مدینے سے

جس دیوانے کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی گدائی مل جائے، اس کے مرتبے کا کیا پوچھنا؟ شاہانِ زمانہ بھی اس کے در کی بھیک لینے کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔

بادشاہانِ جہاں ہوتے ہیں منگتا اس کے
آپ کے کوچے کا شاہا جو گدا ہوتا ہے

فاضلِ بریلوی نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

حضرت نوری فرماتے ہیں۔

سارا عالم ہے رضا جوئے خداوند جہاں
اور خدا آپ کا جویائے رضا ہوتا ہے

نبی اکرم جس گلی سے گزرتے تھے وہاں کی ساری فضا معطر اور معنبر ہو جاتی تھی

جس گلی سے تو گزرتا ہے مرے جانِ جناں

ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے

جس کی آنکھوں میں شہر مدینہ کے خار سما جائیں، اب اس کی نظروں میں گل و غنچہ کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ یہاں تک کہ خلد بریں کے پھول بھی اس کی نگاہوں میں نہیں جچتے۔

نہ کیسے یہ گل و غنچے ہوں خوار آنکھوں میں

بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے

کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

مرنے کے بعد آنکھیں عموماً کھلی رہتی ہیں جس کی طرف توجہ کسی کی مبذول نہیں ہوتی۔ لیکن ایک رسول کا دیوانہ دیکھئے کیا سوچتا ہے۔

کھلے ہیں دیدۂ عشاق خواب مرگ میں بھی،

کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں

ایک دیوانۂ رسول کا قلب اگر تپ کر سونا ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ذکر حبیب سہاگا کا کام کرتا ہے۔

جو ہو قلب سونا تو یہ ہے سہاگا تری یاد سے دل نکھارا کروں میں

مفتی اعظم ہند کا دل عشق الٰہی و عشق رسول سے اس قدر لبریز و سرشار ہے کہ اگر ان کے دل کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو ایک پر اللہ اور دوسرے پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہو گا۔

خدا ایک پر ہو تو اک پر محمد اگر قلب اپنا دو پارا کروں میں

مفتی اعظم کی دیرینہ آرزو تھی کہ کاش روضۂ اقدس پر حاضری ہوتی، اور دیار حبیب کی گلیوں کی جاروب کشی کا شرف حاصل ہوتا۔ پروردگار عالم نے

آپ کی یہ خواہش بھی پوری فرمادی۔ تمنا کا اظہار آپ نے شعر میں یوں کیا تھا۔

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ

مدینے کی گلیاں بہارا کروں میں

آج کے اس پر آشوب دور میں کچھ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں، اور آپ کو ماکان و مایکون کا علم نہیں دیا گیا۔ لیکن قرآن پاک کی متعدد آیتیں ہیں جو ان کے قول کا رد کرتی ہیں، جن کے ذریعہ آپ نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت کیا ہے۔ اپنے اشعار میں اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

حال ہمارا جیسا زبوں ہے اور وہ کیسا اور وہ کیوں ہے

سب ہے تم پر روشن شاہا، صلے اللہ علیک وسلّم

ہر ذرہ پر تیری نظر ہے ہر قطرہ کی تجھ کو خبر ہے

ہو علم لدنی کے تم دانا، صلے اللہ علیک وسلّم

عیب سے تم کو پاک کیا ہے غیب کا تم کو علم دیا ہے

اور خود حق بھی تم سے چھپا کیا، صلے اللہ علیک وسلّم

ربِّ کائنات نے رسول دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ کون سا مرتبہ ہے جو عطا نہیں فرمایا ہے۔ دونوں عالم کی بادشاہی عطا فرمائی، اپنا مظہر کامل بنایا، اعلیٰ کائنات سے مشرف کیا۔ غرضیکہ رب نے آپ کو تمام کمالات سے مزین و مرصع کر دیا۔ حضرت امیر خسرو پہلے فرما چکے ہیں۔

شاہنشہ تختِ آسمانی	خوانندۂ تختۂ نہانی
سلطانِ ممالکِ رسالت	طغرائے صحیفۂ جلالت

حضرت نوریؔ فرماتے ہیں۔

کوئی کیا جانے جو تم ہو خدا ہی جانے کیا تم ہو

خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شانِ خدا تم ہو

نبیوں میں ہو تم ایسے بنی الانبیاء تم ہو
حسینوں میں تم ایسے ہو کہ محبوبِ خدا تم ہو

علوِ مرتبت پیارے تمہارا سب پہ روشن ہے
مکین لامکاں تم ہو شہ عرش علا تم ہو

نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصل جملہ تم ہی ہو
خبر تھے وہ تمہاری میرے مولیٰ مبتدا تم ہو

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

تو ہے مظہر رب اجمل ظل ہیں تیرے سارے مرسل
کون ہے تیرا ہم سر شاہا صلے اللہ علیک وسلم

ایک غیرت مند عاشق کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتا ہے کہ اس کے محبوب کے علاوہ کسی دوسرے کو سب سے بڑا یا سب سے اچھا کہا جائے ۔ اور پھر حضور مفتی اعظم ہند کی غیرت عشق ؟ جن کے والد ماجد فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کسی کو بھی خاطر میں نہ لائے ـــــــ ایک مرتبہ کسی نے آپ کے سامنے ایک پنجابی کو سردار جی کہہ دیا ۔ آپ اس شخص پر بہت برہم ہوئے اور فرمایا ۔ سردار تو بس ایک ہیں ۔ اس غیرت کا اظہار آپ نے شعر میں جا بجا فرمایا ہے ۔

جو خدا دیتا ہے ملتا ہے اسی سرکار سے
کچھ کسی کو حق اس در کے سوا ملتا نہیں

کوئی مانگے یا نہ مانگے ملنے کا در ہے یہی
بے عطائے مصطفائی مدعا ملتا نہیں ،

بس یہی سرکار ہے اس سے ہمیشہ پائیں گے
دینے والے دیتے ہیں کچھ دن سدا ملتا نہیں

مفتی اعظم ھند کا فقہی تبحر فتاویٰ مصطفویہ کے آئینے میں

از:- محمد عاقل رضوی مرادآبادی، درجہ سادسہ ۱۴۱۲ھ

متحدہ ہندوستان کی تاریخ دعوت وعزیمت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی مردم خیز سرزمین نے جہاں ایک طرف صوفیہ وعرفاء کی مقدس ٹیم کو جنم دیا ہے وہیں محدثین وفقہاء کا قافلہ بھی اس سرزمین سے ہر دور میں اٹھتا رہا ہے۔ انہوں نے اپنی دینی وملی خدمات سے اسلام وسنیت کو فروغ واستحکام بخشا۔ ان ہی اسلافِ کرام کے وارث وجانشین کی حیثیت سے چودہویں صدی ہجری میں فنون عقلیہ اور علوم نقلیہ میں دو شخصیتیں بڑی عظمتوں کی حامل ہیں۔

پہلی عظیم شخصیت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ کی ہے جن کے نوک قلم سے نکلے فتاویٰ کا قیمتی سرمایہ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔ اور دوسری عظیم المرتبت ذات گرامی مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری کی ہے۔ جنہوں نے تقریباً ستر برس تک مسند افتاء پر فائز رہ کر بے شمار لاینحل مسائل حل فرمائے۔ آپ کے فتاویٰ کی مجموعی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ مگر افسوس قوم وملت کا یہ عظیم سرمایہ اب تک مسودہ کی شکل میں الماریوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ صرف چند فتاوے نمونے کے طور پر بنام فتاویٰ مصطفویہ دو جلدوں میں بیلی بھیت سے شائع ہوئے ہیں۔

ذیل میں فتاویٰ مصطفویہ کی روشنی میں مفتی اعظم ہند کے فقہی تبحر کا اجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) فتاویٰ مصطفویہ جلد اول ۴۳ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو ایک سو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے ان فتاوے کا تعلق ایمانیات واعتقادیات سے ہے۔ اسی وجہ سے ان

سب کو کتاب الایمان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ ہر فتوے میں دلائل و براہین کا انبار اور جزئیات و شواہد کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ جلد اول سے چند فتاوی کے اہم اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ علم غیب

معترضین علم غیب نے اپنے استدلال میں بحرالرائق جلد ۳ ص ۹۴ مطبوعہ مصر کی یہ عبارت پیش کی۔

وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیب کا اعتقاد کفر ہے۔

معترضین کے استدلال کی اس عبارت کے ساتھ ایک استفتا مفتی اعظم کے دارالافتاء میں آیا۔ مفتی اعظم نے ایک تحقیقی جواب رقم فرمایا۔ اور معترضین کی پیش کردہ بحرالرائق کی عبارت کی توضیح و تاویل فقہاء کے مقدس اقوال کی روشنی میں فرمائی۔ اس توضیح کے چند اہم زاویے ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے ہیں۔ مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا و رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا ہونا ہے۔ حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بشہود۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کرلیا۔ مگر اس کی مرجوحیت ظاہر کرتے ہوئے کہ علم صرف ذاتی ہی نہیں ہوتا۔ دوسری قسم عطائی بھی ہے۔ تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔ امام فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ تعالےٰ عنہ و ادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاوی میں فرمایا۔

رجل تزوج امرأۃ بشہادۃ اللہ ورسولہ کان باطلاً لقولہ صلی اللہ

علیہ وسلم لا نکاح الا بشھود وکل نکاح یکون بشھادۃ اللہ وبعضھم جعلوا ذٰلک کفراً لانہ یعتقد ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے۔ بلکہ یہ فرماکر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرایا۔ اس کے ضعف کا اِشعار فرمادیا۔ فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا۔ جلد اول کتاب النکاح میں تو تجرید سے اتنا لکھا۔ لو تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد وھل یکفر عن فہ فی الفاظ الکفر۔ اور جلد ۲ کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا۔ رجلٌ تزوج ولم یحضر شاھد فقال خدارا ورسول خدارا گواہ کردم یکفر فی الفتاویٰ لانہ یعتقد ان الرسول والملک عالم بالغیب بخلاف قولہ فرشتہ دست راست را وفرشتہ دست چپ را گواہ کردم حیث "لا یکفر لانھما یعلمان"۔ فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن بزاز کردی میں فرمایا۔

تزوجھا بشھادۃ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ورسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ینعقد ویخاف علیہ الکفر لانہ یوھم انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب وعندہ مفاتح الغیب۔ الآیۃ۔ وما اعلم اللہ تعالیٰ لخیار عبادہٖ بالوحی والالھام لم یبق بعد الاعلام غیبًا فخرج عن الحصرین المستفادین من تقدیم المسند والحصر بالآیۃ۔

یخاف علیہ الکفر نے صاف ظاہر کردیا کہ مراد امام بزازی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو یخاف نہ فرماتے۔ اور ما اعلم اللہ تعالیٰ بالوحی والالھام لخیار عبادہ کہہ کر خیار عباد کے لئے منجانب اللہ وحی اور الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔ درمختار میں ہے۔

تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لم یجز بل قیل یکفر اس قیل نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اِشعار کیا۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر رد المحتار جلد ۲ میں تحریر فرمایا

قال فی التتارخانیہ و فی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب قال تعالیٰ فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔ یعنی تاتارخانیہ اور حجۃ میں فرمایا کہ ملتقط میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اشیاء روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں۔ اور بیشک رُسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔

امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے تجنیس والمزید اور علمائے کرام اصحاب فتاویٰ عالمگیری نے فتاویٰ ہندیہ میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ مسئلہ صرف اتنا ہی لکھا۔ من تزوج امرأۃ بشہادۃ اللہ ورسولہ لا یجوز النکاح وہ ٹکڑا! لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب چھوڑ ہی دیا۔ قیل لگا کر بھی نہ لکھا۔

مضمرات وخزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے۔

والصحیح انہ لا یکفر لان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یعلمون الغیب وتعرض علیہم الاشیاء فلا یکون کفراً۔ اور صحیح یہ ہے کہ بتحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں۔ اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں۔ تو (ان کو غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔ اسی طرح بیشمار جزئیات کے شواہد سے مسئلہ مذکورہ کو منقح اور واضح فرما کر آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

وہابی بے دین تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عطائی علم غیب کے اعتقاد کو کفر لکھتا اور حنفیہ پر معتقد علم غیب عطائی کی تکفیر کا افترار و بہتان کرتا ہے۔ کیا حنفیہ کے نزدیک معاذاللہ یہ علمار، اولیار، عرفار جنہوں نے انبیار اولیار کے لئے یہ کچھ فرمایا کافر ہیں؟ (فتاویٰ مصطفویہ جراص: ۷ تا ۹)

عزم کفر کفر ہے

دلائل وبراہین کی ایک اور جھلک ملاحظہ فرمائیں۔
ایک مسلمان بنام "عمرو" نے کہا کہ میں آریہ ہو جاؤں گا۔
اور کہا یہ جملہ میں نے مذاق میں کہا تھا۔ شخص مذکور کے متعلق حکم شرع معلوم کرنے پر ایک عالم دین نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص اسلام سے خارج اور بیوی نکاح سے باہر، اس فتوے پر کچھ شر پسندوں نے بہت شور وغل مچایا۔ اور اس عالم دین کی شان میں طنزیہ اور تضحیکانہ کلمات بکے۔ اس عالم دین کے فتوے اور لوگوں کے شور وغل کے متعلق مفتی اعظم کی خدمت میں استفتار پیش کیا گیا۔ جواب میں مفتی اعظم کے قلم کا تیور ملاحظہ فرمائیں۔

عالم دین کا فتویٰ حق وصحیح وصواب، اور اس پر شور وغل مچانے اور بیہودہ غوغا کرنے اور کرانے والے باطل پر، بیشک بے ارتیاب مستوجب قہر وغضب حضرت رب الارباب فی الواقع صورت مسئولہ میں عمرو پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم، اسی کا عالم دین نے حکم دیا۔

اب ذرا جزئیات وشواہد کے دلکش منظر کی زیارت کیجئے۔
فرماتے ہیں۔ فتاوی ظہیریہ امام ظہیر الدین مرغینانی وشرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے
من وعظوہ (فاسقاً) ولاموہ علی العصیان فقال اکسوبھذا الیوم قلنسوۃ المجوس وان عنی ھذا المعنیٰ مع استقامۃ القلب کفر لانہ وعد بالاخبار عن الانکار بضد الاقرار المعتبر فی کونہ الشرط للایمان۔
اسی میں فرمایا۔
قالت ان جفوتنی کفرت او قالت ان لم تشتر لی کذا کفرت فی الحال
شرح فقہ اکبر علی قاری میں جواہر سے ہے۔
من قال لوکان کذا غداً والا اکفر کفر من ساعتہ
اسی میں ہے۔
او قال الاٰخر اتعبتنی حتی اردت ان اکفر قالت وھذا ظاھر لان

ارادۃ الکفر کفر۔

اسی میں محیط اور مجمع الفتاویٰ سے ہے۔

من عزم علیٰ ان یأمر احداً بالکفر کان بعزمہ کافراً۔

اسی میں ہے۔

لو قال ما امرنی فلان ای من المشائخ والعلماء والامراء افعل و لو بکفر او قال و لو کان کلمۃ کفر کفر ای لانہ نوی الکفر فی الاستقبال فیکفر فی الحال۔

اسی میں قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ہے۔

لو تلفظ بکلمۃ کفر طائعاً غیر معتقد لہ یکفر لانہ راض بمباشرتہ وان لم یرض بحکمہ کالھازل بہ فانہ یکفر وان لم یرض بحکمہ ولا یعذر بالجھل وھذا عند عامۃ العلماء خلافاً للبعض۔

فتاویٰ امام قاضی خان میں ہے۔

من قال دعنی اَصِیر کافراً کفر۔ فتاویٰ خلاصہ سے ہے۔ اسی شرح فقہ اکبر امام اعظم میں ملا علی قاریؔ ناقل، من عزم علی الکفر ولو بعد مائۃ سنۃ یکفر فی الحال۔ اسی فتاویٰ خانیہ میں ہے۔

من قال کدت ان اکفر کفر (فتاویٰ مصطفویہ ج ۱، ص: ۱۷)

فتویٰ کے چند گوشے معرض تحریر میں لائے گئے۔ ورنہ پورا فتویٰ اسی طرح جزئیات و شواہد سے بھرا ہوا ہے جسے دیکھ کر مفتی اعظم ہند کے فقہی تبحر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ تقلید اور اجماع کا ثبوت

جب غیر مقلدوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ تقلید کا انکار کیا اور اس کو منافیٔ اسلام بتا کر لوگوں کو بہکانا شروع کیا تو مفتی اعظم نے غیر مقلدوں کے متعلق بمبئی سے آئے ہوئے استفتار کا ایک تحقیقی اور تفصیلی جواب بنام

"شفاء العی فی سوال ہمبئی" رقم فرمایا جو ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی اور اقوال مفسرین وائمہ کرام کی روشنی میں اجماع کا وجوب اور فقہ کا ثبوت روز روشن کی طرح واضح فرمادیا۔ اور ثابت کر دکھایا کہ یہ اہلِ حدیث ہونے کا دعوی کرنے والے ان آیات قرآنی اور بے شمار ان احادیث نبوی کے منکر نظر آتے ہیں، جن سے اجماع وفقہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ ایسی احادیث مقدسہ کا شمار کراتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اورحدیث مشہور ومعروف حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ تعالٰے عنہ حین بعثہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاءٌ فقال اقضی بکتاب اللہ فقال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتہدُ برائی فقال علیہ السلام الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضی بہ رسولہ، اورحدیث انما انزل الکتاب یصدق بعضہ بعضاً فلا تکذبوا بعضہ ببعضٍ فما علمتم منہ فقولوا وما جہلتم فکلوہ الی عالمہٖ، اورحدیث انزل القرآن علی سبعۃ احرفٍ الکل اٰیۃ منہا ظہر وبطن ولکل حدٍ مطلع وغیرہ سے (غیر مقلدین) منہ پھیرتے ہیں۔ جیسے غیر مقلدوں کے نزدیک بھی وہ اہل قرآن بننے والے حدیث کا انکار کرنے والے ہرگز مسلمان نہیں۔ کامل ایمان والا ہونا تو بڑی بات ہے۔ یوں ہی اہل سنت کے نزدیک اجماع امت کا منکر نیز قیاس کا۔ (فتاوی مصطفویہ ج ۱، ص: ۵۲)

وجوبِ اجماع کے ثبوت میں اسلاف کرام کے اقوال کثیرہ پیش فرمائے ہیں جن کا سلسلہ طویل ہے۔ ان میں بطور نمونہ بعض ملاحظہ فرمائیں۔

رقم فرماتے ہیں۔

حدیقہ ندیہ میں فرمایا۔ قولہ تعالیٰ: یاایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ

واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یرید بھم امراء المسلمین فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ ویندرج فیھم الخلفاء والقضاۃ وامراء السریۃ وقیل علماء الشرع لقولہ تعالی: ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم ذکرہ البیضاوی، وقال الواحدی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اتباع الکتاب والسنۃ واولی الامر منکم، قال ابن عباس فی روایۃ: ھم الفقہاء والعلماء اھل الدین یعلمون الناس معالم دینھما وجب اللہ تعالی طاعتھم (کذا) قال الجابر وھو قول الحسن والضحاک ومجاھد وقال الخازن تنازعتم یعنی اختلفتم فی شئ من امر دینکم والتنازع اختلاف الآراء واصلھا من انتزاع الحجۃ وھو ان کل واحد من المتنازعین ینزع الحجۃ لنفسہ فردوہ الی اللہ والرسول ای ردوا ذلک الامر الذی تنازعتم فیہ الی کتاب اللہ عزوجل والی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما دام حیا وبعد وفاتہ الی سنتہ فان وجد ذلک الحکم فی کتاب اللہ اخذ بہ فان لم یوجد ففی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان لم یوجد فی السنۃ فسبیلہ الاجتھاد۔

(فتاوی مصطفویہ ج ۱، ص: ۶۵)

آگے چل کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

تفقہ واجتہاد کا فرض ہونا علماء نے ثابت فرمادیا۔ اور مجرد قیاس عقلی و ہوائے نفس، وخواہش طبیعت سے کوئی حکم کرنا اسے منہی عنہ ناجائز وحرام بتادیا تفقہ واجتہاد کا سنت صحابہ نہ فقط سنت صحابہ بلکہ سنت رسول ہونا آشکارا کردیا علماء کے ارشادات پر اگر غیر مقلد عناداً نظر التفات نہ کرے تو اس پر سخت آفت ومصیبت۔ (فتاوی مصطفویہ ج ۱، ص: ۷۰)

فتاوی مصطفویہ جلد ۲ ۱۳۹۹ھ میں پہلی بھیت سے پہلی مرتبہ زیور طباعت

ے آراستہ ہوئی۔ اس جلد میں ایسے اکہتر سوالوں کے تحقیقی وتفصیلی جواب تحریر
کئے گئے ہیں جن کا تعلق نماز اور احکام مسجد سے ہے۔ اس لئے ان کو کتاب الصلوٰۃ
احکام مسجد کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ یہ فتاوی بے شمار قرآنی دلائل
اور حدیث کے بے بہا شواہد اور سلف کے مقدس افکار ونظریات کا عطر بیز
مجموعہ ہیں۔ یہ فتاوی ۱۱۲ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ کے عنوان کے تحت ۵۶ فتاوی درج ہیں۔ چند فتاوی کے اہم
اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ اور مفتی اعظم کی باریک بینی اور کتب فقہ پر وسعت نظر
کا اندازہ لگائیے۔

تطبیق بین الاقوال

فقہی تبحر کا ایک اہم عنصر اقوالِ ائمہ میں تطبیق دینا ہے، جو بظاہر متضاد ومتعارض معلوم ہوں۔ مفتی اعظم
کی ذات میں یہ عنصر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مشاہدہ کے لئے صرف ایک نظیر ملاحظہ
فرمائیں۔ کسی نے بہار شریعت کے اس مسئلے پر، اگر حوض دہ در دہ سے چھوٹا
ہے۔ اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ ڈال دیا تو اس پانی
سے وضو جائز نہیں۔ اعتراض کیا کہ مسئلہ مذکورہ فتاوی قاضی خان جلد۱ بہامش
عالمگیریہ کی ص ۱۵ کی اس عبارت:

"والمحدث والجنب اذا ادخل یدہ فی الاناء للاغتراف ولیس
علیہا نجاسۃ لا یفسد الماء وکذالک اذا وقع الکوز فی الجب فادخل یدہ
فی الجب الی المرفق لاخراج الکوز لا یصیر مستعملاً" کے معارض مخالف
ہے۔ معترض کے اس اعتراض پر مشتمل استفتاء مفتی اعظم کی خدمت میں پیش ہوا
اب مفتی اعظم کے جواب کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں۔

بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے۔ فتاوی قاضی خان کی عبارت بہار
شریعت کے مخالف نہیں۔ بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت دہ
در دہ سے کم گھرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈالے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔

اور فتاوی قاضی خان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا۔ یہ دونوں صحیح ہیں، ایک دوسرے سے معارض نہیں۔ اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا۔ اور بہار شریعت کے مسئلے کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا۔ عبارت مذکورہ سوال کے آگے بالکل اسی سے متصل ہی ہے۔

وکذا الجنب اذا ادخل یدہ ورجلیہ فی البئر لطلب الدلو لا یصیر الماء مستعملاً لمکان الضرورۃ۔

اخراج کوز تو ضرورت ہی ہے۔ اغتراف بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی ظرف موجود نہیں۔ الاغتراف خود ضرورت بتا رہا ہے۔ اغتراف نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا۔ اذا ادخل یدہ فی الاناء للاغتراف تو ثمانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے۔ اور بے شک ضرورت کے وقت محض ہاتھ ڈالنے سے حکم استعمال نہ ہوگا۔ اسی مسئلہ اغتراف کو اگر عالمگیری میں دیکھا ہوتا تو وہاں للضرورۃ مل جاتا۔ عالمگیری میں یہ مسئلہ یوں لکھا۔

اذا ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طہرت یدہ فی الماء للاغتراف لا یصیر مستعملاً للضرورۃ وکذا فی التبیین، ۔ جو امام فقیہ النفس قاضی خان نے دونوں مسئلوں کے بعد تحریر فرمایا ہے، لمکان الضرورۃ ۱۳۱ کا تعلق دونوں سے ہے۔ (فتاوی مصطفویہ ج ۲، ص: ۴۰)

فاسق کی اقتدا میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے

ایک فتوے میں مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا۔ داڑھی منڈانے والے اور کتروانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے کہ پڑھنا گناہ، اور جو پڑھی اس کا اعادہ واجب ہے۔ اس پر مولانا صفی الرحمٰن بنارسی نے سوال کیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر

فاسق و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے ۔ تو جب حدیث پاک سے ثابت ہے تو نماز واجب الاعادہ کیوں ؟ اور دوسرے یہ ہے کہ جس مکروہ تحریمی سے اعادہ واجب ہوتا ہے وہ کون مکروہ تحریمی ہے ، خارج نماز یا داخلِ نماز ؟ موصوف کے اس اعتراض کے ساتھ مفتی اعظم کی خدمت میں رجوع کیا گیا ۔ تو مفتی اعظم نے حدیث پاک کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ۔

جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے اور بمعنی حِل بھی ، فاسق و مبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہونچی ہو ان کے پیچھے نماز جائز ہو جاتی ہے ، یعنی صحیح ہو جاتی ہے مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے ۔ فرض گردن سے اتر جاتا ہے ۔ اور ناجائز ہے ۔ یعنی ان کے پیچھے پڑھنا انہیں امام بنانا ۔ ردالمحتار میں فرمایا ۔ جاز ای مع کراھۃ التحریم ۔ وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا یہ ہے ۔ صلوا خلف کل برّ و فاجر ۔ علامہ سیدی عبدالرؤف مناوی قدس سرہ تیسیر شرح جامع میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ۔ صلّوا جَوَازاً خلف کل برٍّ و فاجرٍ ای فاسقٍ فان الصلوٰۃ خلفہ صحیحۃ لکنہا مکروھۃ آگے چل کے فرماتے ہیں فاسق شرعاً واجب الاہانت ہے ۔ اس کی تعظیم حرام ، یہاں تک کہ زبان سے ذراسی اس کی مدح پر حدیث کا ارشاد ہے ۔ اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذلک العرش ۔ جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو رب تبارک و تعالیٰ غضب فرماتا ہے ۔ اسے امام بنانا تو اس کی اعلیٰ ترین تعظیم ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ گناہ و حرام ہے ۔ اور نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو تو واجب الاعادہ ہوتی ہے ۔ کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتہا ۔ جب بحالت نماز ایک گناہ کا ارتکاب کیا تو نماز اس کی ایک ناجائز امر پر مشتمل ہوئی ۔ کراہت کے لئے اشتمال کافی ہے ۔ وہ مکروہ داخل ہو یا خارج ـــــــ فقہاء نے کراہت امامت فاسق کی دو تعلیلیں کیں ، ایک یہی کہ اس کی امامت میں اس کی تعظیم ہے ۔ اور فاسق کی تعظیم کیسی ؟ اس کی تو

اہانت واجب ہے۔ فلہذا جو اسے امام بنائے گا گنہگار ہوگا۔ اور نماز گناہ پر مشتمل ہوگی۔ دوسری یہ کہ فاسق کو دین کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس سے شروط صلوٰۃ میں کوئی خلل اور منافی صلوٰۃ کسی امر کا ارتکاب کچھ دور نہیں۔ بلکہ اس کے فسق کو دیکھتے یہی غالب ہے۔ اور فقہیات میں ظن غالب ملحق بالیقین ہوتا ہے۔ نیز احکامِ فقہ غالب پر جاری ہوتے ہیں۔ نادر کو نہیں دیکھا جاتا۔ علماء فرماتے ہیں۔ احکام الفقہ تجری علی الغالب من دون نظر الی النادر۔ فاسقوں کا غالب حال ایسا ہی ہے۔ اور ان سے غالب گمان یہی کہ کسی منافی صلوٰۃ ومخلِ شروط صلوٰۃ امر کا ارتکاب کر بیٹھیں یا جو کرنا ضروری ہے اسے نہ کریں۔ لہذا یوں بھی بس فاسق نماز مکروہ ٹھہری۔ (فتاوی مصطفویہ ج۲، ص: ۴۵)

جمعہ کے دن وقت زوال ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں

زوال تو ہر دن ہوتا ہے۔ ہمارے امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے نزدیک جمعہ کے دن بھی وقت زوال تطوع ناجائز، ہاں امام ابو یوسف سے روایت مشہورہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن وقتِ زوال نفل جائز ہے یہی مذہب امام شافعی کا ہے۔ ان کا متمسک یہ حدیث ہے۔

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الصلوٰة نصف النهار حتی تزول الشمس الا يوم الجمعة

اِمام اعظم اس حدیث سے مطلقاً کراہت کا حکم فرماتے ہیں۔

ثلث ساعات كان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ينهانا ان نصلی فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع و حين يقوم قائم الظهيرة حتی تميل الشمس وحين تضيف الغروب حتی تغرب۔ فرماتے ہیں، یہ نہی مطلق ہے اور محرم مبیح پر مقدم،

"احکامِ مسجد" اس عنوان کے تحت ۱۵ فتاوی درج ہیں۔ ان میں بعض انتہائی

اہم ، دقیق اور تفصیلی ہیں ۔ نمونے کے طور پر ایک فتوے کا اہم حصہ ملاحظہ فرمائیں

مسجد کی مسجدیت کبھی ختم نہیں ہوتی بعد انہدام عمارت بھی مسجد ہے

لاہور (پاکستان) کی مسجد شہید گنج کو جب سکھوں نے شہید کر ڈالا تو اس کے متعلق مفتیِ اعظم سے استفسار کیا گیا کہ بعد انہدام مسجد مسجد کی زمین کو حکم مسجد حاصل ہے یا نہیں ؟

مفتی اعظم جواب ارشاد فرماتے ہیں ۔

لاہور کی مسجد شہید گنج ہو یا کہیں کی کوئی مسجد ، جو مسجد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے ۔ اس کی مسجدیت کبھی کسی وقت میں نہیں جاسکتی ۔ مسجد کو شہید کر دینے سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی ۔ سکھوں نے شہید کی ہو یا کسی نے وہ مسجد جو شہید ہونے سے پہلے مسجد تھی یوں ہی اب بھی مسجد ہے ۔ اور قیامت تک مسجد رہے گی ۔ عیاذاً باللہ کافروں کے قبضے میں آجانے سے کسی کے نزدیک اس کی مسجدیت نہیں جاتی ۔ کعبہ برسہا برس قبضہ کفار میں رہا ، جس کے ارد گرد مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے ہر دن ایک نئے بت کی پوجا کرتے ۔ اس قبضہ سے کعبہ کبھی غیر کعبہ نہیں ہو گیا ۔ وہاں بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہو جانے سے قبلہ بت خانہ نہیں بن گیا ۔ وہ جیسا خالصاً للہ تعالیٰ برائے قربت و طاعت الٰہی پہلے تھا یوں ہی جب با یوں اب ہے ، یوں ہی ابداً لآباد تک رہے گا ۔ اسی طرح مسجد کا وہ بقعہ طاہرہ جو خالصاً للہ برائے طاعت و قربت وقف کیا گیا وہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا ، جیسا جب تھا ویسا ہی سکھوں کے قبضے میں چلے جانے کے بعد رہا ، ویسا ہی مسجد کی عمارت شہید ہو جانے کے بعد اب ہے ۔ اصل مسجد تو وہ موضع صلوٰۃ ہے عمارت ہو یا نہ ہو جگہ مسجد ہو گئی ، مسجد ہی رہے گی ۔ الا عند محمد فی بعض الصور وھذہ لیست منھا ۔

اب فقہ کی کتابوں پر وسعت نظر کا حسین منظر ملاحظہ فرمائیے ۔ تحریر فرماتے ہیں ، عنایہ میں ہے فرمایا ۔

فی زمان الفترۃ قد کان حول الکعبۃ عبدۃ الاصنام ثم لم یخرج موضع الکعبۃ بہ ان یکون موضعاً للطاعۃ والقربۃ خالصاً للہ تعالیٰ فکذلک فی سائر المساجد۔ مسجد کی ابدیت ان بعض کتب معتمدہ کی ان عبارات سے روشن حاوی قدسی و تنویر الابصار و در مختار میں ہے۔

ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعۃ وبہ یفتی۔

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ ولو خرب ما حولہ ای ولو مع بقائہ عامراً وکذا خرب ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ لبناء مسجد آخر۔

اسی میں بحر و فتح و مجتبیٰ وحاوی سے تائید لیتے ہوئے فرمایا۔

وقولہ عند الامام والثانی فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا۔ وھو الفتوےٰ۔ حاوی القدسی۔ واکثر المشائخ علیہ مجتبیٰ۔ وھو الاوجہ۔ فتح۔ اھ بحر۔ اذا خرب المسجد وفی الفتاوی اذا خربت القریۃ التی فیھا المسجد و جعلت مزارع وخرب المسجد ولا یصلی فیہ احد فلا باس بہ بان یاخذ صاحبہ فیبیعہ وھو قول محمد وعن ابی یوسف لا یعود الی ملک لبانی ولا الی ملک ورثتہ وھو مسجد ابداً۔

بحر الرائق پھر شامی میں ہے۔

علم ان الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد۔

ردالمحتار میں ہے۔

ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر۔

حاشیہ علامہ سیدی ابن عابدین علی الدر میں ہے۔

ای قولہ ینصرف مفرع علیٰ قول الامام وابی یوسف ان المسجد اذا خرب یبقیٰ مسجداً ابداً۔

اسی میں ہے۔

علمت ان المفتی بہ قول ابی یوسف لانہ لایجوز نقلہ ونقل مالہ الیٰ مسجد آخر کما مر عن الحاوی۔

فتاویٰ حجۃ پھر مضمرات پھر ہندیہ میں فرمایا۔

لو صار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اھل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید فانہ لایجوز اما علیٰ قول ابی یوسف فلان المسجد وان خرب واستغنی عنہ اھلہ لایعود الی ملک البانی واما علی قول محمد وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک البانی وورثتہ فلا یکون لاھل المسجد علیٰ کلا القولین ولایۃ البیع والفتویٰ علیٰ قول ابی یوسف لانہ لایعود الیٰ ملک مالک ابداً۔

ان عبارات سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن وآشکارا ہوگیا کہ مسجد شہید گنج مسجد ہی ہے۔ بستی کے مسلمان اسے دہ تو وہ ہے۔ کسی ایسی مسجد کو جو بوجہ قدامت بو۔ سیدہ وخراب ہوچکی ہوتی۔ جس سے استغنا ہوگیا ہوتا۔ غیر آباد ہوگئی ہوتی ویرا میں پڑگئی ہوتی۔ ایسی مسجد کو بھی فروخت نہیں کرسکتے۔ مسجد شہید گنج کو مسلمان سکھوں یا کسی کے ہاتھ فروخت کرڈالتے تو بھی وہ بیع نہیں ہوسکتی۔ وہ ہزار بار اگر فروخت کی جائے تو بھی وقف ہی ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ ج۲، ص: ۹۶)

یہ مقالہ مفتی اعظم ہند کے مطبوعہ فتاوی کی روشنی میں ان کے فقہی تبحر اور فتویٰ نویسی، دور بینی اور ژرف نگاہی کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ اگر تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فتاویٰ کی روشنی میں ان کے فکر وکمال اور فقہی بصیرت ومہارت کا جائزہ لیا جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سما پائے۔

مفتی اعظم عشق و عرفان کا سمندر

از:۔ غلام جیلانی، اورنگ آبادی، درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ

میرے موضوع کے دو جز ہیں۔ ایک "مفتی اعظم کا علم و عرفان" دوسرا "مفتی اعظم کا عشق خدا و رسول"۔ میں دونوں کو اپنی بساط کے مطابق احاطے میں لانے کی کوشش کروں گا ملاحظہ فرمائیں۔

مفتی اعظم اور تبحر علمی

مفتی اعظم شریعت و طریقت کی روشن کتاب تھے ولایت و کرامت کا ماہتاب اور علم و فضیلت، طریقت و معرفت کا نیر درخشاں تھے۔ ان کے تبحر علمی اور فقہی مہارت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ شاہ اختر رضا قادری ازہری میاں قدس سرہ رقم طراز ہیں۔

"مفتی اعظم علم و فضل کے دریائے ذخار تھے۔ جزئیات حافظے سے بتا دیتے تھے۔ فتاوی قلم برداشتہ لکھا کرتے تھے۔ ان کا عمل ان کے علم کا آئینہ دار تھا۔ ان کے عمل کو دیکھنے کے بعد اگر کتاب دیکھی جاتی تو اس میں وہی ملتا جو حضرت کا عمل ہوتا ہر معاملے میں حضرت کی رائے اول اور مقدم ہوتی تھی۔ اور جس علمی اشکال میں لوگ الجھ کر رہ جایا کرتے تھے وہ حضرت چٹکیوں میں حل فرمایا کرتے تھے۔"

(حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص: ۳۶ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۰ء)

حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری اور مولانا شاہ احمد نورانی میاں کے یہ تاثرات بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں ——— ملاحظہ ہوں۔

"علم و فضل، زہد و تقویٰ، حق گوئی و بے باکی، فقاہت و علمیت اور معرفت و کرامت میں اس وقت پوری دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اہل سنت کے لئے مفتی اعظم کی ذات مقدسہ سایۂ رحمت تھی ——— مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں

علیہ الرحمہ کے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور فقہی بصیرت کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

(مفتی اعظم نمبر ص: ۶۴، ۶۳، عبد النعیم عزیزی دسمبر ۱۹۸۱ء)

حضور مفتی اعظم ہند جہاں درس نظامی کے ماہر تھے وہیں قرأت وتجوید، ادب و فلسفہ، منطق وریاضی اور دیگر علوم وفنون میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم جفر وتکسیر علم توقیت اور فن تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔

مسند افتاء پر جب وہ جلوہ گر ہوتے تو وہاں نہ صرف فقہی، اعتقادی سوالات آتے تھے بلکہ حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، اسماء الرجال، اصول فقہ حتیٰ کہ علم معانی وبیان کے مسائل بھی آتے تھے۔ لیکن کوئی سوال ہو، کسی باب کا ہو حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں کبھی کسی سائل کو تشنگی نہ رہی، کہنے کو تو مفتی اعظم تھے مگر دراصل محدث اعظم بھی تھے، مفسر اعظم بھی، مورخ اعظم بھی تھے۔ مختصر یہ کہ وہ اعظم الاعظم بھی تھے[1]

حق تو یہ ہے کہ وہ علم وفضل کے آفتاب عالم تاب تھے۔ مفتی اعظم جب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو حجاز، مصر، شام، عراق اور ترکی وغیرہ کے علماء ومشائخ نے آپ سے مسائل دریافت کئے۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس عرب، افریقہ، امریکہ، ماریشس انگلینڈ، سری لنکا، ملیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان سے بھی استفتاء آئے۔ اور آپ نے ان کے جوابات تحریر فرمائے۔[2] حتیٰ کہ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آپ کی فقاہت وثقاہت پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے بعض فتاویٰ پر ان سے تائیدی دستخط کراتے تھے[3] امام احمد رضا نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل اپنے شہزادۂ صغیر حضرت مفتی اعظم ہند سے لکھوائے اور ان کی تصدیق و تصویب فرما کر اپنا دستخط کرتے تھے[4]

۱۳۳۹ھ میں جب اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے متحدہ

---

[1] حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص: ۹، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء [2] استقامت کانپور مفتی اعظم نمبر ص: ۱۳۰، ۱۵۰، مئی ۸۳ء
[3] " " " ۷۸ " [4] مفتی اعظم نمبر ص: ۳۴ عبد النعیم عزیزی دسمبر ۱۹۸۱ء

ہندوستان کے لئے "دارالقضاء شرعی" قائم فرمایا۔ اور بعض علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان کو منصب افتاء پر مامور کرتے ہوئے فرمایا۔

"اللہ عز وجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس کی بنا پر ان دونوں (صدر الشریعۃ ومفتی اعظم) کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے"

(مولانا سید شاہد علی رضوی صاحب، حجاز جدید، مفتی اعظم نمبر ص: ۸، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء)

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں جب مفتی اعظم کی عمر مبارک ۱۸ سال تھی۔ آپ نے ایک فتویٰ تحریر فرمایا۔ یہ فتویٰ جہاں آپ کی ذہانت و فطانت کا پتہ دیتا ہے وہیں فقہی مہارت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اس کی بابت آپ بقلم خود لکھتے ہیں۔

"نو عمری کا زمانہ تھا میں نے ملک العلماء سے کہا کہ فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں۔ مولینا نے فرمایا۔ اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔ میں نے فوراً لکھ دیا۔ اور وہ رضاعت کا مسئلہ تھا"

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی ص: ۱۰، جولائی ۱۹۶۰ء)

جب یہ فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو انہوں نے خط پہچان لیا۔ قلب اطہر میں مسرت و شادمانی کا طوفان امنڈ آیا اور چہرۂ مبارک پر بشاشت و فرحت کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ فرمایا —— یہ کس نے لکھا ہے۔ حاضِر فتویٰ نے جواب دیا۔ چھوٹے میاں نے (گھر میں لوگ پیار سے چھوٹے میاں کہہ کر پکارا کرتے تھے) پھر انہوں نے فرمایا کہ انہیں بلاؤ۔ ان کے آنے کے بعد دستخط کروا کر لکھا۔ "صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب" اور اپنا تائیدی دستخط ثبت فرمایا۔ فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری حضرت کے اس فتوے سے متعلق رقم طراز ہیں۔

"یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔

اور ان کے آئینہ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔
خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتوے پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ
بڑھایا۔ کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا ہی فتویٰ حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ
کہیں اس میں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی ؎

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا!

(پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ ص ۸، یکم فروری ۸۲ء)

مفتی اعظم ہند کی ذات والاصفات علم وفضیلت، رشد وہدایت، زہد وتقویٰ
سیاسی شعور وآگہی، صداقت شعاری، راست بازی اور اتباع سنت رسول
میں اپنی مثال آپ اور یگانۂ روزگار تھی۔ ہر فن میں آپ کی ریاست وتاجداری مسلّم
تھی۔ تصنیف وتالیف میں بھی انہوں نے جو علم وفن کے جوہر دکھلائے ہیں اس سے
بھی دنیائے علم وفن میں آپ کی تاجداری کا پتہ چلتا ہے۔
اس زمانے میں جبکہ امریکیوں کے چاند پر جانے کا چرچا عام تھا۔ ایک دن شمس العلماء
علامہ قاضی شمس الدین جونپوری اور صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی اور دوسرے
علمائے کرام مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ اور چاند وسورج موضوع سخن بنے
ہوئے تھے۔ دوران گفتگو حضرت نے فرمایا۔ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں اور
چاند، سورج چلتے ہیں۔ اس پر علامہ میرٹھی نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آیا ہے
وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا تو تَجْرِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج جاری ہے
اور لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ وہ ساکن ہے، ٹھہرا ہوا ہے۔ جبکہ
ایک مستقر میں چلنا اور ٹھہرنا دونوں کا اجتماع ممکن نہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔
"کہ حضرت آدم وحوا، کے لئے فرمایا گیا وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ تو کیا وہ
زمین میں ایک ہی جگہ ٹھہرے رہتے تھے، چلتے نہیں تھے۔ اپنے مستقر میں ہونے
کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جائے رفتار اور اپنی منزل سے باہر نہیں ہوتے بلکہ وہ چلتے
ہیں۔ مگر اپنے دائرہ حرکت میں۔" (مفتی اعظم نمبر ص ۴۳، عبدالنعیم عزیزی دسمبر ۱۹۸۱ء)

ساتھ ہی نحوی مہارت اور حاضر جوابی کا ایک اور منظر ملاحظہ فرمائیں

"ایک عربی مقولہ ہے اَلنَّارُ فِي الشِّتَاءِ خَيْرٌ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِہٖ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ آگ جاڑے میں اللہ و رسول سے بہتر ہے۔ معنیٰ ہٰذا کے فساد کی بنا پر اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مِنْ اس مقولہ میں قسم کے لئے ہے۔ اس صورت میں معنیٰ صاف ہو جاتا ہے۔ مگر اس پر یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو بجا ہے لیکن رسول کی قسم مباح نہیں۔ علماء کے درمیان یہ مقولہ زیر بحث تھا۔ سب نے اپنے طور پر اس کے جوابات دیئے۔ مگر جب مفتی اعظم سے دریافت کیا گیا تو حضرت نے فرمایا —— اس میں تعجب کیا ہے! آپ لوگ روزمرہ کے استعمال میں بولتے ہیں۔ "منجانب اللہ" "یہ فضل الٰہی سے ہے"۔ بس اس مقولہ کو بھی اسی طور سے سمجھئے۔ حضرت کے ارشاد سے صاف ہو جاتا ہے کہ مِنْ اس مقولہ میں قسم کے لئے نہیں بلکہ ابتداء کے لئے ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ آگ جاڑے میں اللہ و رسول کی طرف سے بہتر ہے۔"

(مفتی اعظم نمبر ص : ۷۷، عبدالنعیم عزیزی دسمبر ۱۹۸۱ء)

مفتی اعظم اور عشقِ رسول

سرور دوجہاں، سیاح لامکاں، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اظہار محبت و عقیدت مسلمانوں کا جزو ایمان ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور صالحین امت اسی جذبۂ محبت سے مست و سرشار تھے۔ اور یہی چیز ان کے لئے مایۂ افتخار تھی۔ محبتِ رسول ہی وہ جذبہ ہے جس کی بدولت شرقی غربی، عربی عجمی، رومی شامی؛ گورے کالے، شاہ و گدا سبھی ایک ہی صف میں دست بستہ مدحت سرائے رسول ہیں۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مدحت سرائے رسول بلند و ارفع مقام پر فائز رہے ہیں۔

عالم اسلام کی برگزیدہ اور اہم شخصیتوں پر ایک نظر ڈالئے تو عشق رسول کے باب میں مفتی اعظم کا اسم گرامی جلی حرفوں میں روشن نظر آئے گا۔ مفتی اعظم محبت رسول کی ایک

جیتی جاگتی تصویر ہیں ۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان جس نے عشق مصطفٰے کو مصطفٰے رضا کے پیکر میں چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے دیکھ لیا ہے

مولانا سید اظہار اشرف اشرفی کچھوچھوی اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ

"عشق مصطفٰے مجسم ہو کر مصطفٰے رضا ہو جائے اس میں حیرت ہی کیا ہے ۔ وہ تو اس درسگاہ عشق و محبت کے تربیت یافتہ تھے جہاں کا ذرہ ذرہ نشۂ عشق مصطفٰے سے سرشار و مخمور ہے ۔ جب ذروں کا یہ حال ہے تو اس ساقئ میکدۂ حبِ رسول کے نور العین کا عالم کیا ہوگا جس ساقی کو آج پورا عالم اسلام امام احمد رضا کے نام سے جانتا اور پہچانتا ہے ۔"

(حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص : ۵۸ ، ستمبر اکتوبر سنہ ۱۹۹۰ء)

امام احمد رضا کی درسگاہ تربیت کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ انہوں نے نہ صرف علوم و معارف کے سمندر بہائے بلکہ اپنی تربیت گاہ میں شب و روز گزارنے والوں کے سینوں کو عشق رسول کا مدینہ بنا دیا ۔ اگر وہ صرف عاشقِ رسول ہوتے تو عشق کا یہ فیضان ممکن نہ تھا ۔ بلکہ وہ پیکر علوم و معارف اور مجسم محبت رسول تھے ۔ جو ان سے قریب ہوتا وہ رسول کا متوالا اور اپنے کریم کا دیوانہ ہو جاتا ۔ جب اپنے گرد و پیش رہنے والوں پر یہ بارشِ کرم تو ان پر نوازشوں کا عالم کیا ہوگا جنہوں نے اسی امام عصر کی آغوش تربیت و محبت میں آنکھیں کھولیں ۔ اور زندگی کے شب و روز گزارے ۔

اسی سراپا عشقِ رسول کا فیضان بیکراں تھا کہ مفتی اعظم خَلقاً خُلقاً اور منطقاً یعنی شکل و صورت ، کردار و عمل اور طرز تکلم میں بالکل اپنے والد ماجد کی سچی تصویر تھے جس نے مفتی اعظم کو دیکھ لیا گویا اس نے بچشم سر امام احمد رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھ لیا [۱]

رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو ذات ان کے آثار و منسوبات سے آپ کا

---

[۱] ـــــ حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص : ۶۰ ، ستمبر اکتوبر ۹۰ء ، مضمون سید اظہار اشرف

جو تعلقِ خاطر تھا اسے الفاظ کا جامہ نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ ایک عاشقِ صادق کے لختِ جگر تھے۔ اور بحرِ عشقِ مصطفےٰ کے غواص تھے۔ بارگاہِ رسالت مآب کی ادب شناسی کی تاجوری انہیں حاصل تھی۔ نازک سے نازک مرحلہ پر تہذیب وادب کا وہ منظر پیش کیا کہ بس دیکھا کیجئے۔ تقاضائے عشق تو یہ ہے کہ محبوب کی نظر جس پر پڑ جائے وہ محب کے گلے کا ہار بن جائے۔ اور وہ ساری چیزیں جن سے جانِ جاناں کی یادیں وابستہ ہوں عاشق کی زیست کی سوغات بن جائیں منسوباتِ رسول سے آپ کے قلبی تعلق کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا اظہار اشرف صاحب کچھوچھوی یوں خامہ فرسا ہیں۔

"جب میں حیدرآباد پہونچا تو وہاں عاشق رسول کے بے شمار چاہنے والوں سے ملاقات ہوئی۔ ان کی مدحت وستائش میں سبھی رطب اللسان نظر آئے۔ کوئی تقویٰ وطہارت کو موضوع سخن بنائے ہوئے تھا۔ کوئی اتباعِ سنت سے متاثر نظر آرہا تھا۔ اور کسی کو آپ کے بے پناہ ساداتِ کرام کے احترام نے گردیدہ بنا رکھا تھا۔ ثقہ راوی کے مطابق مکہ مسجد کا عظیم الشان اجلاس جس میں کم وبیش ساٹھ ہزار مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ اور پھر ہر ایک دل میں مفتی اعظم کی زیارت کی تمنا اور اس پر ساداتِ کرام کا حضور مفتی اعظم سے گزارش کرنا کہ آپ کم از کم کرسی پر رونق افروز ہو جائیں تاکہ مشتاقانِ دید کی تمنائیں پوری ہو جائیں۔ یہ وہ مناظر ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا مگر ان مناظر سے زیادہ فراموش نہ کئے جانے کے لائق مفتی اعظم کا وہ جواب ہے جو مفتی اعظم نے اپنی زبان فیض بار سے فرمایا تھا کہ آلِ رسول نیچے ہوں اور میں کرسی پر بیٹھوں یہ مجھے کبھی گوارا نہیں۔ امر پر ادب کو ترجیح دیکر ایک اور وارفتگی کی بنا ڈالی جس نے صدیق اکبر اور مولا علی رضی اللہ عنہما کے پاکیزہ جذبات کی یاد تازہ کر دی۔ حیدرآبادی حیران وششدر رہ گئے۔ ان کے دلوں میں عشق رسول کی شمع فروزاں ہونے لگی۔ اور پورا مجمع نشۂ محبت میں سرشار نظر آنے لگا۔"

(حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص: ۶۱، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء)

حیات مفتی اعظم کا ہر دن ہر ماہ وسال ہمارے لئے انمول ذخیرہ ہے۔ وہ ہماری جماعت کے لئے نشانِ تقدس تھے۔ ان کا کردار وعمل گمرہوں کے لئے بنارۂ نور تھا وہ ہم سب کے مرجع ومرکز تھے۔ وہ عاشق صادق رسول تھے۔ ان کی خاموشی نے وہ گویائی عطا کی کہ گوشے گوشے سے یہ آواز آنے لگی عشقِ مصطفےٰ اور احترام سادات دین ودنیا کی فیروزمندی اور حسن عاقبت کا انمول ذریعہ ہے۔ سادات کرام کا کتنا احترام اور ان سے کتنی والہانہ عقیدت تھی۔ ذیل کے واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"تیسرے سفرِ حج کے موقع پر ۱۳۹۱ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ خانوادۂ غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالمعبود الجیلانی البغدادی جن کی عمر اس وقت ۱۴۹ سال تھی۔ وہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہیں۔ آپ بصد شوق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کمرہ میں پہونچے۔ سید صاحب استقبال کے لئے اٹھنے لگے تو آپ نے بڑھ کر ان کا قدم چوم لیا۔ اور پھر احتراماً عام لوگوں کی صف میں بیٹھنا چاہا۔ مگر انہوں نے آپ کو اپنی مسند سے قریب اپنے بغل میں بیٹھالیا۔ سید صاحب نے دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ بفضلہٖ تعالےٰ میں نے ۸۰ حج کئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت شیخ احمد رضا قادری سے بریلی میں میری ملاقات بھی ہوئی۔ وہ مجھ سے عمر میں ۳۰ سال چھوٹے تھے۔ یہ واقعہ آپ کی ولادت سے قبل کا ہے۔"

تعظیم سادات کا ایک دوسرا منظر ملاحظہ کیجئے۔ اور اپنے دلوں میں احترام سادات کی شمعیں فروزاں کیجئے۔

"انتقال کی شب جبکہ لوگ تیمار داری میں مصروف تھے۔ ایک سید صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ اور یہ بھی خدمت میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک آپ نے آنکھ کھولی، اور فرمایا ——— یہاں کوئی سید صاحب ہیں۔ مجھے خوشبو محسوس ہو رہی ہے لوگوں نے عرض کیا۔ جی حضور! فلاں سید محمد حسین صاحب ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدمت کرکے مجھے گنہگار نہ بنائیں۔ آپ صرف میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور بس!"

(مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی، حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص ۹۲، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء)

مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ، عالی کردار، بلند اخلاق، علمی بصیرت، عملی جلالت، جودت طبع، حسنِ فکر ونظر اور دینی، قومی دردمندی کے پیکر تھے۔ آپ کے عہد زریں میں بہت سارے ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے عشق رسول میں آپ کی سرشاری اور فنائیت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ بلاشبہ آپ کے قلب اطہر میں ایمان وایقان کی شمع اور عشق رسول کی قندیل روشن تھی، جس کی دلکش ضیائیں اور دلفریب شعاعیں خویش واغیار سب کے دلوں کو روشن ومجلّٰی کرتی تھیں۔ اور انہیں اپنا گرویدہ اور دیوانہ بناکر جامِ محبتِ رسول اور بادۂ توحید سے مست وسرشار کرتی تھیں۔

"حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادت سے تقسیم ہند سے قبل آپ دو بار مشرف ہو چکے تھے۔ تیسری بار ۱۹۷۱ء میں اس شان کے ساتھ عازم حرمین ہوئے کہ باوجودیکہ بہت سارے علماء کے نزدیک حج کے لئے فوٹو جائز ہے مگر آپ کی عزیمت کی بنا پر بین الاقوامی رائج الوقت عمل کے خلاف بغیر فوٹو کے پاسپورٹ حاصل ہوا۔ اور سفر حج کے دوران جہاز میں کوئی ٹیکہ وغیرہ بھی نہ لگوا کر اس دور پُر فتن میں احتیاط وتقویٰ کی ایک روشن مثال قائم کردی۔ اور ضعف ونقاہت کے باوجود جس نشاط ومستعدی اور شیفتگی ووارفتگی کے ساتھ مناسک حج ادا کئے وہ ہم سب کے لئے قابلِ رشک اور لائق عمل ہے ——— مولانا خالد علی خاں بریلوی اور مولینا عبدالہادی افریقی بریلی سے مکمل طور پر شریکِ سفر رہے۔ یہ حضرات ارض حجاز کے رقت انگیز اور ایمان افروز واقعات بیان کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی عاشقِ وارفتہ جگر ہے جو مکہ کے مقامات مقدسہ، اس کی شاہراہوں اور مدینہ طیبہ کے اماکنِ مبارکہ، اس کی روح پرور گلیوں اور اس کے در و دیوار پر سب کچھ قربان کرنے کی آرزو میں تڑپ رہا ہے اور دیوانہ وار ہر طرف اس کی بے تاب نگاہیں اٹھ رہی ہیں"

(حجاز مفتی اعظم نمبر ص: ۹۱، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء، مولینا محمد یٰسین اختر مصباحی)

رسول بطحا کے عاشق زار کا حال ذیل کے واقعہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ انوکھے اور نرالے انداز میں احترامِ نسبت کا حسین منظر بھی دیکھئے۔

"سفرِ حج میں جب آپ غارِ ثور کی زیارت کے بعد غارِ حرا کے پاس پہونچے تو اپنا عمامہ مبارکہ، جبہ، صدری، کرتا سب اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اس وقت سوزشِ عشق سے آپ کا قلب تپاں اور آنکھوں سے اشک رواں تھا۔ غار کے اندر تشریف لے گئے۔ اور اس کی پاک مٹی بدن پر ملنے لگے۔ اور اس کے ذرات سے اپنی پیشانی کو اس طرح چمکایا کہ کہکشاں کا جمال، آفتاب کی شعاعیں اور ماہتاب کی درخشانی بھی اس کی تابانیوں پر قربان ہونے لگی۔ اور جب مواجہہ اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو حرم شریف کے خادم سے جھاڑو لے کر درود شریف پڑھتے ہوئے اس مبارک سرزمین کو بہارا۔ اس وقت آپ کا جذبۂ شوق اور کیف وسرور بیان سے باہر ہے ایک مدت سے خوابیدہ آرزو آج بیدار ہو چکی تھی۔ دل میں مسرت کی کلیاں کھل اٹھیں۔ اور مرادیں برآئی تھیں۔ جنہیں آپ نے اپنی نعت پاک میں نظم فرمایا ہے ؎

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ ۔۔۔ مدینہ کی گلیاں بہارا کروں میں"

(مولانا محمد یٰسین اختر، حجاز جدید مفتی اعظم نمبر ص: ۹۲، ۹۳، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء)

مفتی اعظم جہاں علم وفضل، فیض وکرم کا حسین مرقع تھے، وہیں زہد وورع، عشقِ مصطفےٰ کا پیکر جمیل بھی تھے۔ حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وقف تھا۔ فرائض وواجبات کے ساتھ سننِ نبویہ پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ وہ عاشقِ صادق رسول تھے۔ جن کی ہر ادا سے جانِ عالمین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یادیں تازہ ہو جاتی تھیں۔ رُخِ زیبا ایسا درخشاں اور تاباں تھا کہ اس سے نور کی کرن پھوٹتی معلوم ہوتی تھی۔ عشق حبیب سے آشنا قلب وجگر اور لذت نعت گوئی نے جہاں زبان کو رفعت وبلندی عطا کی وہیں اس کی عظمتوں میں چار چاند بھی لگا دیا ہے۔ اور دنیائے حمد ونعت میں عشق ومحبت کے ایسے پھول کھلے کہ جن کی

مہک سے مشام کائنات معطر و معنبر ہو گیا۔

محبتِ رسول مسلمانوں کا جزو ایمان ہے۔ امتِ مسلمہ کے شاہ و گدا کے درجات و مراتب کا معیار بھی عشقِ رسول ہی رہا ہے۔ عمل بالقرآن، اتباعِ سنت، صلوٰۃ و سلام نعت و منقبت اظہار محبت کے مختلف انداز ہیں۔ اور عاشقانِ رسول اپنی اسی متاعِ عزیز کے سہارے کائنات ارضی پر چھائے رہے ہیں۔ مفتی اعظم نے جہاں اپنی لطیف تصنیفات کے ذریعہ دینی خدمات انجام دے کر بے شمار قلوب کو ایمان و ایقان کا مرکز بنایا ہے، وہیں محبت رسول میں ڈوبی ہوئی اپنی منفرد نعت گوئی کے ذریعہ ان گنت دلوں کو عشق رسول کا مخزن بنا دیا ہے۔

آج جہاں عاشق رسول مختار امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام کا ترنم فضا میں تحلیل ہوتا ہے وہیں اس صادق و عاشق کے دلکش نعتیہ کلام کی پُر کیف گنگناہٹ کا طرب بھی محسوس کیا جاتا ہے جسے عالم اسلام مفتی اعظم کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مفتی اعظم کے کلام میں اگر سوز و گداز، اضطراب و بے قراری کا وافر حصہ موجود ہے تو عشق نبی اور محبت رسول میں فنائیت کا دلآویز رنگ بھی نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہیں۔ عشق مصطفےٰ میں فنائیت اور سرشاری کا رنگ کتنا نمایاں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

ترا ذکر لب پر، خدا دل کے اندر   یونہی زندگانی گزارا کروں میں

دم واپسیں تک ترے گیت گاؤں   محمد محمد پکارا کروں میں

اور ایمان افروز حقیقت بھی دیکھئے ساتھ ہی لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ الخ کی حسین تفسیر ملاحظہ فرمائیے ؎

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں   جس کے دل میں نہیں وہ خاک مسلماں ہوگا

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ایک شعر جو اسی مفہوم کو واضح کرتا ہے ملاحظہ ہو ؎

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں،   ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

بقول کسے "وہ شاعر ہو ہی نہیں سکتا جسے دولت عشق حاصل نہ ہوئی ہو" اگر حیات مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دولت عشقِ رسول کی شکل میں ان کے نصیب میں آئی۔ اور اظہار محبت وعقیدت کے لئے آپ نے نعت گوئی کا سہارا لیا۔

مفتی اعظم ایک متبحر اور باکمال عالم تھے۔ تبحر علمی کے ساتھ انہیں وہ شعری مزاج بھی حاصل ہوا تھا جس میں سادگی تیکھا پن اور چبھن تھی، جو جذبات کی شدت سے پُر اور احساسات کی لطافت سے معمور تھا۔ شعری ذوق ایسا ملا تھا جو قرآن وحدیث و سنت کا آئینہ دار تھا۔ متضاد اوصاف سے کچھ ایسا نقش ابھارنا جو اپنے جلو میں جلوہ ہائے رنگا رنگ رکھتا ہو۔ حضرت کے کلام کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ان کی علمی جلالت کا نتیجہ ہے کہ جہاں پر عشق نے راہ احتیاط سے لغزش کی ہے وہیں علمی تبحر نے احتیاط کی راہ دی ہے۔ اور پھر دونوں کی آمیزش نے حضرت کے کلام کو سادگی ومعنویت کا وہ حُسن عطا کیا کہ بس دیکھا کیجئے۔ حضرت کا قلب مبارک عشق مصطفےٰ سے مست و سرشار تھا۔ ان کے کلام میں لطافت و پاکیزگی اور دلوں کو منور کرنے والی وہ کیفیت پائی جاتی ہے جو ایک صاحبِ دل کے سوز وگداز کا پتہ دیتی ہے۔ حالِ دل ملاحظہ ہو:

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں

تو ہی والی ہے خدایا، دیدۂ خونبار کا ؎

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا،

کیا کروں میں سے کے پھاہا، مرہم زنگار کا

تڑپ کے یہ دل کہیں آنکھوں میں نہ آجائے

کہ پھر رہا ہے کسی کا مزار آنکھوں میں،

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی ؎

کہ ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں

حبِّ صادق کا تقاضا یہ ہے جہاں محبوب کی ذات والاصفات سے وارفتگیٔ قلب کا اظہار ہو وہیں ان کے آثار و منسوبات، اولاد امجاد کی محبت وعقیدت سے قلب و

جگر سرشار ہو۔ بحمدہ تعالےٰ مفتی اعظم کو یہ دولت وافر حصے میں حاصل ہوئی تھی۔ ان کی حیات باسعادت کا ہر پہلو خلوص وللہیت اور عشق جان جاناں میں مست و سرشار تھا۔ الغرض وہ عشق وعرفان کا ایک بحر ناپیدا کنار تھے۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے انہیں کتنا گہرا تعلق تھا اور کتنی والہانہ عقیدت تھی اشعار ذیل میں ملاحظہ فرمائیں ؎

تراجلوہ نور خدا غوث اعظم　　تراچہرہ ایمان فزا غوث اعظم
قدم گردنِ اولیا پر ہے تیرا　　تو ہے رب کا ایسا ولی غوث اعظم

اور یہ تمنا بھی دیکھیں ؎

جھلک روئے انور کی اپنی دکھاکر　　تو نوری کو نوری بنا غوث اعظم

مختصر یہ کہ مفتی اعظم علم وعرفان کے بھی بحر بیکراں تھے، جیساکہ میں نے ابتدا میں واضح کیا۔ اور عشق ومحبت کے بھی سمندر تھے جیساکہ آخر میں ذکر کیا۔ ربِ کریم ہمیں ان کے عشق اور عرفان دونوں سے حظ وافر عطا فرمائے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلائے۔

—— آمین

کلامِ نوری میں کلامِ رضا کا انعکاس

محمد قمر عالم اشرفی درجہ فضیلت ۱۴۱۲ھ

نعت گوئی کے لئے جہاں زبان دانی، قادر الکلامی اور جودت طبع چاہیے وہیں عشق کی وارفتگی و سرمستی، محبت کا سوز و گداز، ایمان کی حلاوت و شیرینی اور ادب و احترام کے تمام تر لوازم بھی ضروری ہیں۔ اور نعت گوئی کے لئے ان تمام امور کے ساتھ مقام نبوت کی عظمت سے آگاہی، رفعت رسالت پر گہری نظر، قرآن و حدیث میں ژرف نگاہی اور شریعت مطہرہ کا مکمل پاس و لحاظ بھی ایک امر لازم و ضروری ہے۔ اس لئے کہ اگر شان رسالت میں کمی کردی تو تنقیص ہوتی ہے اور اگر آگے بڑھے تو خدشہ ہے کہ حدِ الوہیت میں داخل نہ ہو جائیں۔ اور دونوں دنیا و آخرت کی تباہی اور حرمان و خسران کے اسباب ہیں۔ غرض کہ طائر فکر کے لئے ہر سانس میں خطرہ ہے۔ اور قدم قدم پہ قدغن ہے۔ جس حقیقت کو عرفی نے اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
ہشیار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

یہ بات ہر علم دوست اور اہل مطالعہ پر واضح ہے کہ مجدد اسلام امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، قرآن و حدیث اور تفسیر و سیر کے متبحر اور یگانۂ روزگار عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حبِّ نبی میں سرشار، اور فنافی الرسول بھی تھے جس کی گواہی ان سے عقیدے میں سخت اختلاف رکھنے والوں نے بھی دی ہے۔ اور یہی وفور عشق مصطفوی اور سرشاری حب نبوی آپ کی شاعری کی اصل محرک تھی۔ جیسا کہ آپ کی مجلس سے فیضیاب ہونے والو

کا بیان ہے کہ جب آپ پر یادِ محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہوتا، اور فراقِ محبوب سے دل بیقرار ہو جاتا تو بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے اشعار نکلنے لگتے اور جذباتِ قلبی منظم الفاظ کی شکل اختیار کر لیتے۔

نہ صرف امام احمد رضا بلکہ ان کے خاندان کے ہر فرد کے اندر عشقِ نبوی کا سرمایہ بے بہا ودیعت تھا۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے وفورِ عشق کا اندازہ تو امیِ ذیل کے اشعار سے آپ بخوبی لگا لیں گے۔ یہاں میں اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے ان کے برادرِ عزیز مولانا حسن رضا علیہ الرحمہ کے چند اشعار پیش کرتا ہوں جن سے آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ عشقِ نبی اور حبِ سرکار علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا کے خاندانی افراد کا طرۂ امتیاز اور ان کی شاعری کا محرک اصلی تھا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

پیوند اگر ملبوس پیمبر کے نظر آتے
ترا اے حلیۂ شاہی کلیجہ چاک ہو جاتا

مفتی اعظم علیہ الرحمہ جنہیں ہم شاعری کے میدان میں نوری بریلوی کے نام سے جانتے ہیں اسی خاندان کے شہزادے اور انہیں عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش کے پروردہ تھے۔ اس لئے ان کے اندر بھی محبت نبوی کی وارفتگی موجزن اور سرشاریٔ عشق کی شمع روشن تھی۔ اور یہی جذبۂ دروں ان کی شاعری کا بھی اصلی محرک تھا۔ جس کے ثبوت میں ان کا کلام کافی ہوگا۔

مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمایہ اپنے اسلاف خصوصًا اپنے والد گرامی سے وراثۃً پایا۔ ان کے سایۂ عاطفت میں رہ کر ان کے تجرِ علمی سے استفادہ کیا۔ تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آپ کی شاعری میں ان کا

عکس و پرتو اور اثر نہ ہو۔ اور آپ نے اپنی شاعری میں ان کے نقش قدم کی پیروی نہ کی ہو۔ اس مقالے میں مجھے اسی کو شواہد کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔ کیوں کہ میرا عنوان ہے "کلامِ نوری میں کلامِ رضا کا انعکاس"

تفصیل سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ اس جائزے میں کلام رضا اور کلام نوری دونوں کی معنوی وحدت و قربت اور کچھ لفظی قرب و یگانگت پر میں نے نظر ڈالی ہے۔ کیوں کہ تمام داخلی و خارجی محاسن کے لحاظ سے ہر ایک کا جائزہ اور دونوں میں یکسانی کا اظہار بڑا ہی مشکل امر ہے۔ جہاں تک راقم سطور نے کوشش کی ہے اس کے تحت بھی خاصی محنت و جستجو سے کام لینا پڑا ہے امید کہ یہ ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

معنوی و صوتی ہم آہنگی

ہم سب سے پہلے کلام رضا قدس سرہ کے وہ چند اشعار پیش کرتے ہیں جن میں حضرت رضا نے نعتیہ پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے تغزل کا ایسا رنگ بھر دیا ہے اور رنگینیٔ ادا اور محاکات کے ایسے نمونے پیش کئے جن کے سامنے غالب و میر اور درد و سودا کی آزاد فضاؤں میں پرواز کرنے والی بلند فکریں پست اور پھیکی نظر آتی ہیں۔ اور ان کی غزل گوئی کی خوش فہمی پر سکتے کا عالم طاری ہے۔ اور اس کلام کے اکثر اشعار کا انعکاس کلام نوری علیہ الرحمہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ زلفِ جاناں اور گیسوئے محبوب کے پیچ و خم کو اکثر شعراء نے سلجھایا ہے۔ سنوارا ہے۔ لیکن گیسوئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام سنوارنا حضرت رضا سے سیکھئے۔

۱ چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو

۲ شانہ ہے پنجۂ قدرت ترے بالوں کیلئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو رضا

اسی کو کلام نوری میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱ سنبل طیبہ کو دیکھے جو سنوارے گیسو
سنبل خلد کے رضواں بھی نثارے گیسو

۲ دست قدرت نے ترے آپ سنوارے گیسو
حور سو ناز سے کیوں ان پہ نہ وارے گیسو نورؔی

روضۂ محبوب کی جاروب کشی کا انداز کلام رضا قدس سرہ میں دیکھیں۔

کی جو بالوں سے ترے روضہ کی جاروب کشی
شب کی شبنم نے تبرک کو ہیں دھارے گیسو رضاؔ

پھر اسی کلام شوق کو کلام نورؔی علیہ الرحمہ میں

گرد جھاڑی ہے ترے روضہ کی بالوں سے شہا
مشک بو کیسے نہ ہوں آج ہمارے گیسو، نورؔی

اسی شوق اور تغزل کا دوسرا پہلو بھی کلام نوری میں ملاحظہ ہو۔

اپنی زلفوں سے اگر نعل مبارک پونچھے
رضواں برکت کیلئے حور کے دھارے گیسو نورؔی

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر بیز گیسو جب محراب ابرو پر ڈھلک کر آتے ہیں تو ایک عاشق صادق کے لئے کیسا منظر ہوتا ہے اسے نگاہ رضا سے دیکھئے۔

۱ کعبۂ جاں کو پنہایا ہے غلاف مشکیں
اڑ کے آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو

۲ مژدہ ہو قبلہ سے گھنگھور گھٹائیں امڈیں
ابروؤں پہ وہ جھکے جھوم کے ہارے گیسو رضاؔ

اور اسی منظر نگاری میں نگاہِ عشق کے لئے مژدۂ جانفزا حضرت نورؔی کے قلم سے ملاحظہ ہو۔

۱ سر بسجدہ ہوئے محرابِ خم ابرو میں
کعبۂ جاں کے جو آئے ہیں کنارے گیسو

۲ یہ گھٹا جھوم کے کعبے کی فضا پر آئی ؟ ؟
اڑ کے یا ابر و پہ چھائے ہیں تمہارے گیسو — نوریؔ

حشر کی کڑی دھوپ میں ایک عاشق سایہ تلاش کرتا ہے تو کس طرح؟ خامۂ رضا سے پوچھئے۔

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو — رضاؔ

اور اسی رنگ کی پیروی کلام نوریؔ میں:

نیرِ حشر ہے سر پر نہیں سایہ سرور
ہے کڑی دھوپ کریں سایہ تمہارے گیسو — نوریؔ

گیسوئے سرکار علیہ التحیۃ والثناء کے ذکر میں تغزل کا رنگ اور عاشقانہ طلب کلام رضا قدس سرہ اور پھر کلام نوری میں ملاحظہ ہو۔

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائیں رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو — رضاؔ

سوکھ جائے نہ کہیں کشتِ اَمل اے سرور
بوندیاں لکۂ رحمت سے اتارے گیسو — نوریؔ

جب پناہ عاصیاں، حامئ بیکساں، محبوب عالم و عالمیاں علیہ التحیۃ والثناء غمِ امت میں دعائے بخشش کے لئے بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوتے ہیں، تو آپ کے گیسوئے پاک کی زبانِ حال ایک عاشق کے لئے جو مژدہ سناتی ہے، اسے زبانِ قال میں پیش کرنا کلام رضاؔ کا کمال ہے۔

۱ آخرِ حج غمِ امت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

۲ سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
سجدہ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو — رضاؔ

یا پھر کلام نوری کا کمال جو کلام رضاہی کا ترجمان ہے۔

اب چمکتی ہے سیہ کارو! تمہاری قسمت
لو جھکے اِذن کے سجدے کو وہ پیارے گیسو — نوری

یقیناً محبوب کی ہر ادا عاشق سرشار کی نگاہ میں حسن و جمال کا پیکر، اور جمال و کمال کا حسین سنگم ہوتی ہے۔ گیسوئے محبوب میں تشبیہ و محاکاۃ کا نادر المثال شعر نظر نواز ہو۔

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو — رضا

اور اسی معنی کی ادائیگی کلام نوری میں ذرا فرق کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

یہ سرِ طور سے گرتے ہیں شرارے نوری
روئے پرنور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

باعثِ تخلیق کائنات واَصلِ مخلوقات

یہ کائنات اور کائنات کی نیرنگیاں اس کی ساری نعمتیں تمام آسائشیں چاند کی چاندنی، سورج کی روشنی صدقہ ہے باعثِ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جس پر حدیث قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اور حدیث نبوی کُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ دال ہے۔ جس کی تشریح وتفسیر اہل معرفت شعراء نے خوب خوب کی ہے۔ لیکن اس کی تفسیر کلام رضا میں اور پھر کلام نوری میں ملاحظہ فرمائیے۔

غایت وعلت سبب بہر جہاں تم ہو سب
تم سے بنا تم بنا تم پہ کروروں درود

زمین وزماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین وچناں تمہارے لئے بنے دوجہاں تمہارے لئے

۲ یہ شمس و قمر یہ شام و سحر یہ برگ و شجر یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمہارے لئے

۳ فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم
وجود و عدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے

۴ کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی
عتیق و وصی، غنی و علی ثنا کی زباں تمہارے لئے رضا

یوں ہی پچیس اشعار حضرت رضا قدس سرہٗ نے لولاک لما خلقت الافلاک کی تشریح کرتے ہوئے پیش کئے ہیں۔

اور حضرت نوری علیہ الرحمہ اسی مفہوم کو پیش کرتے ہیں مگر اجمالاً

۱ تم ہو وجہِ بعثِ خلقت تم ہو سرِ غیب و شہادت
راز وحدت و کثرت والے صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

۲ سرور و آقا مالک و مولیٰ دونوں جگ کے تم ہو داتا
رحمت والے رافت والے صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

۳ تم ہو پیارے اصل ہماری سارا جہاں ہے فرع تمہاری
تم سب کی ماہیت گویا صلی اللہ علیک وسلم نوری

نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصلِ جملہ تم ہی ہو
خبر تھے وہ تمہاری میرے مولیٰ مبتدا تم ہو نوری

ہے خشک و تر پہ قبضہ جس کا وہ شاہِ جہاں یہ ہے
یہی ہے بادشا بر کا یہا سلطاں سمندر کا نوری

ذکرِ معجزات

حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات ہیں، جن میں سے کچھ کا تذکرہ حضرت رضا قدس

سرہ نے مختلف انداز سے اپنے کلام میں کیا ہے۔ اور حضرت نوری علیہ الرحمہ نے بھی کچھ کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن دونوں کے کلام میں بالاشتراک صرف معجزۂ شق القمر اور رجوع شمس کا تذکرہ مل سکا، جس کا ذکر حضرت رضا قدس سرہ نے اپنے مخصوص عاشقانہ انداز میں یوں کیا ہے۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا تیری توانائی کی

اسی کو حضرت نوری علیہ الرحمہ اپنے انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

اک اشارے سے قمر کے تو نے دو ٹکڑے کئے
مرحبا صد مرحبا مہر عجم ماہِ عرب — نوری

اشارہ پائے تو ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو
اٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہو جائے — نوری

ہاں! ایک اور معجزۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کلام رضا میں ملتا ہے جس کا انعکاس کلام نوری میں بھی ملتا ہے۔ حضرت رضا اپنے مخصوص سلام میں فرماتے ہیں ـــــــ

جس سے کھاری کوئیں شیرۂ جاں بنے
اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام — رضا

اور حضرت نوری علیہ الرحمہ عرض گزار ہیں۔

تو ہے وہ شیریں دہن کھاری کوئیں شیریں ہوئے
ان کو کافی ہو گیا آب دہن اک بار کا

بے مثالی

امام احمد رضا سرکار کی بے مثالی کو نعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں۔

ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں
نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا،
کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں — رضاؔ

اسی مسئلے کو حضرت رضا قدس سرہٗ نے ایک اور جگہ عالمانہ انداز میں پیش فرمایا ہے۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبدِ الٰہ اور عالمِ امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں — رضاؔ

اور حضرت نوریؔ علیہ الرحمہ نے بھی اسی مسئلے کو اپنے انداز میں پیش کیا ہے،

محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
توہّم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

اسی کو دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں۔

مثل ممکن ہی نہیں ہے ترا اے لاثانی
وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا
آپ کے جوڑ کا آئے تو کہاں سے آئے
جب وجود اس کو شہ ارض و سما نے نہ دیا — نوریؔ

ایک اور جگہ اسی کو باندازِ دیگر پیش فرماتے ہیں۔

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
بجچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں — نوریؔ

نفی سایہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد لطیف اور جسم پر نور کا سایہ نہ تھا۔ اسے نعت سرکار علیہ التحیۃ والثناء میں مختلف مقام پر حضرت رضا قدس سرہٗ نے پیش کیا ہے۔ اور ہر جگہ نیا انداز اور نئی معنی آفرینی نظر آتی ہے۔ کہیں بلندی خیال ہے، کہیں عاشقانہ رنگ اور کہیں استدلالی انداز، فرماتے ہیں۔

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا   رضا

مہر کس منہ سے جلو داری جاناں کرتا،
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست   رضا

راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاض دیدہ کی
چادرِ ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں   رضا

اور حضرت نوری کے کلام میں اسی کا انعکاس ملاحظہ کیجئے۔

نہ سایہ روح کا ہرگز نہ سایہ نور کا ہرگز
تو سایہ کیسا اس جان جہاں کے جسم انور کا
وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں
اس سبب سے سایۂ خیر الوریٰ ملتا نہیں

اختیارات و تصرفات

حق یہ ہے کہ ایک عاشق کا کلام اور اس کی شاعری اس کے ایمان وعقیدے کی تفسیر ہوتی ہے۔ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اختیارات ماننا، آپ کو قاسم نعمت تسلیم کرنا، خدا کی بارگاہ میں آپ کو وسیلۂ عظمیٰ ماننا، آپ کو بعطائے الٰہی ملک خدا اور سارے جہاں کا مالک ومتصرف ماننا، یہ سب ایسے امور ہیں جن کا ایک نوزائیدہ فرقہ انکار کرتا ہے، بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر ومشرک شمار کرتا ہے۔ حضرت رضا اور حضرت نوری قدس سرہما نے جہاں مخالفین کا رد بلیغ کرتے ہوئے ان عقائد کو ثابت کیا ہے۔ وہیں ان کمالات کا

ذکر کرتے ہوئے نعت سرور کائنات کا بھی حق ادا کیا ہے اگر کوئی شاعر قرار واقعی کمالات کا بھی اظہار نہ کرے اور انہیں شرک سمجھ لے تو ایسا شاعر نعت کیا لکھ سکتا ہے۔ اس کی فکر اور اس کا قلم تو قدم قدم پر تنقیص کی بو پھیلاتا ہوا، اور مدح کے بجائے نقص کا شغل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ نعتِ سرکار اسی کا حق ہے جو انہیں خدا کی عطا سے بااختیار و باکمال مانتا ہو۔ اس کا نہیں جو عاجز ولاچار سمجھتا ہو۔ بڑا بھائی یا گاؤں کا چودھری اور زمیندار کی حد تک بمشکل اقرار کرتا ہو، ایسا بیمار دل ثنائے سرکار کیا کر سکتا ہے ہاں! ریا و نمائش کے ذریعہ نعت خوانوں کی فہرست میں اپنا بھی اندراج کر سکتا ہے۔ اور خود فریبی وابلہ فریبی کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میرے کلام میں مبالغہ اور غلو نہیں، بلکہ صرف حقیقت بیانی ہے۔ ان دلفریب الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ میں آقا کے اختیار و تصرف کا قائل نہیں، صرف ہدایت و پیغام بری کا ہنر مانتا ہوں۔ اور اسی حد تک میرا کلام بھی ہے۔ دراصل یہ فکر نعت کے ساتھ بہت بڑی سعی تنقیص اور قرار واقعی کمالات کی تردید ہے۔ واللہ الہادی

امام احمد رضا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات اور حاکمیت و مالکیت کو برنگ استدلال، پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آسماں خوان، زمیں خوان زمانہ مہمان
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام،
مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اور اسی عقیدے کی ترجمانی حضرت نوری علیہ الرحمہ اپنے کلام میں یوں کرتے ہیں۔

تم کو عالم کا مالک کیا اس نے
جس کی مملوک ساری خدائی ہے
کس کے قبضے میں ہیں یہ زمین و زماں
کس کے قبضے میں پیارے خدائی ہے
تو خدا کا ہوا، اور خدا تیرا
تیرے قبضے میں ساری خدائی ہے
جب خدا خود تمہارا ہوا تو پھر
کون سی چیز ہے جو پرائی ہے
جو محب کی چیز ہے محبوب کے قبضے کی ہے
ہاتھ میں ہو جس کے سب کچھ اس سے کیا ملتا نہیں
ہے خشک و تر پہ قبضہ جس کا وہ شاہِ جہاں یہ ہے
یہی ہے بادشاہ بر کا، یہی سلطاں سمندر کا،
انہیں خدا نے کیا اپنے ملک کا مالک،
انہیں کے قبضے میں رب کے خزانے آئے ہیں

عطائے عام و فیضِ دوام

مالکِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض عام، جود و سخا، بخشش و کرم اور قاسمیتِ عامہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت رضا فرماتے ہیں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنوئیں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجہ میرا چھینٹا تیرا
فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی،
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے
مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ "لا" ہے نہ حاجت اگر کی ہے
مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا،
نہ یہاں "نا" ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے
تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود
تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروروں درود

اور اسی کا انعکاس کلام نوری علیہ الرحمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

جو آیا لے کے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ
بتا دے کوئی سُنا ہو جو "لا" مدینے سے
جو چاہیں گے جسے چاہیں گے یہ اُسے دیں گے
کریم ہیں یہ خزانے لٹانے آئے ہیں،
سُنو گے "لا" نہ زبان کریم سے نوری،
یہ فیض وجود کے دریا بہانے آئے ہیں
جاری ہے آٹھوں پہر لنگر سخی دربار کا،
فیض پر ہر دم ہے دریا احمد مختار کا،
محروم نہیں جس سے مخلوق میں کوئی بھی،
وہ فیض انہیں دینا وہ جود و سخا کرنا

ہے عام کرم ان کا اپنے ہوں کہ ہوں اعدا
آتا ہی نہیں گویا سرکار کو "لا" کرنا
محروم گیا کوئی مایوس پھرا کوئی
دیکھا نہ سنا ان کا انکار وابا کرنا

التجا

تصرفات سرکار علیہ التحیۃ والثناء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت رضا قدس سرہٗ عرض کرتے ہیں۔

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کردے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کروڑا تیرا
گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو و غفور
بخش دو جرم و خطا تم پہ کروروں درود

اور اسی کا انعکاس کلام نوری علیہ الرحمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تم سے ہر دم امید بھلائی ہے ، میٹ دیجئے جو ہم میں برائی ہے
محو و اثبات کی ہاں آپنے قدرت پائی تم جو چاہو تو برا آج بھلا ہوتا ہے
اعدا کو خدا والا جب تم نے بنا ڈالا دشوار ہے تم پر کیا مجھ بد کا بھلا کرنا

قاسم نعم

اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ معطی حقیقی تو خدا ہے۔ لیکن کوئی بھی نعمت کسی کو سرکار کے وسیلے کے بغیر نہیں ملتی۔ دیتا ہے خدا اور بانٹتے ہیں سرکار، خود سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی۔ حضرت رضا اپنے نعتیہ اشعار میں اسی عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بے ان کے واسطے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

اور اسی کو حضرت نوری علیہ الرحمہ اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

جو خدا دیتا ہے ملتا ہے اسی سرکار سے
کچھ کسی کو حق سے اس در کے سوا ملتا نہیں
خود خدا بے واسطہ دے یہ ہمارا منہ کہاں
واسطہ سرکار ہیں بے واسطہ ملتا نہیں
جس کو تم نے دیا اللہ نے اس کو بخشا،
جس کو تم نے نہ دیا اس کو خدا نے نہ دیا،
دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

بیان رفعت و عظمت

حضرت رضا و حضرت نوری قدس سرہما کو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ محبت اور آپ کے دل میں جو حضور کا جذبۂ احترام وعقیدت موجزن تھا۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر آپ کی فداکاری کا جو انداز تھا یوں تو وہ آپ کے ہر شعر سے نمایاں ہے۔ عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں بیتاب رہنے والے دل میں ہمیشہ ہمیشہ یہی آرزو پروان چڑھتی رہتی ہے اور یہی جذبہ موجزن رہتا ہے کہ شان مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم کا بیان ان رفعتوں تک پہونچا دیا جائے، جہاں تک انسان کا علم، اس کا قلم، اس کی زبان اور اس کا خیال ساتھ دے سکتا ہے اسی جذبۂ دروں اور سرّ نہاں کی کارفرمائی اور تحریک تھی جس نے ان عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نثر نگاری ہو یا شاعری ہر زاویۂ فکر و فن سے شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتوں کے اظہار و اشاعت میں تادم اخیر سرگرم عمل رکھا۔ اور ان حضرات نے اس محبوب مشغلے کو اپنے لئے حرز جاں اور قرارِ قلب و جگر سمجھا۔ اور اس کی بجاآوری میں زبان و قلم کی پوری توانائی صرف کردی سرکار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت اور افضلیت کو نعتیہ پہلو میں کس طرز اور رنگینیٔ خیال کے ساتھ بیان کیا ہے کلام رضا میں ملاحظہ کیجئے۔

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

تو ہے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیا اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی،
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

رفعت سرکار کا دوسرا پہلو ملاحظہ ہو۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کُل سے بالا رُسُل سے اعلیٰ
اِجلال جلال مصطفائی،
مرسَل مشتاقِ حق ہیں اور حق
مشتاق وصالِ مصطفائی،

اور اسی کا عکسِ جمیل کلام نوری میں ملاحظہ ہو۔

ماہِ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہ عرب

ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذات حق کا آئینہ مہر عجم ماہ عرب

حق کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے ہو تمہیں
نور چشم انبیا مہر عجم ماہ عرب

رَفَعۡنَا سے تمہاری رفعت بالا ہوئی ظاہر
کہ محبوبانِ رب میں سب سے عالی مرتبہ تم ہو
شبِ معراج سے اے سیّدِ کل ہو گیا ظاہر
رسل ہیں مقتدی سارے امام الانبیاء تم ہو
تاج رکھا تیرے سر پر رفعنا کا
کس قدر تیری عزت بڑھائی ہے
سارا عالم ہے رضا جوئے خدا وندِ جہاں
خدا آپ کا جویائے رضا ہوتا ہے

ختمِ نبوت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی پیدا ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ نعت کے اندر اس مسئلے کو حضرت رضا قدس سرہٗ یوں بیان کرتے ہیں۔

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

اور اسی کو حضرت نوری قدس سرہٗ یوں پیش کرتے ہیں۔

کب ستارہ کوئی چمکا سامنے خورشید کے
ہو نبی کیسے نیا مہرِ عجم ماہِ عرب

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں تمام انبیاء کے بعد خاتم الانبیا بن کر آئے۔ لیکن اصلِ تخلیق کے اعتبار سے تمام انبیاء و رسل سے اول و مقدم ہیں۔ اس معنی کی ادائیگی حضرت رضا قدس سرہٗ کے نعتیہ کلام میں ملاحظہ ہو۔

سب سے اول سب سے آخر
ابتدا ہو، انتہا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے
تم مؤخر مبتدا ہو،

اور حضرت نوری قدس سرہٗ رقم فرماتے ہیں۔

نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصل جملہ تم ہی ہو
خبر تھے وہ تمہاری میرے مولا مبتدا تم ہو
تمہیں باطن تمہیں ظاہر تمہیں اول تمہیں آخر
نہاں بھی ہو عیاں بھی ، مبتدا و منتہا تم ہو

منظہر ذاتِ لم یزل ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا منظہر کامل ہے۔ اس منظہریت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ایک عاشقِ مصطفٰے کی نعت میں ملاحظہ ہو رقم طراز ہیں۔

منظہر حق ہو تمہیں منظہر حق ہو تمہیں
تم میں ہے ظاہر خدا تم پہ کروروں درود — رضا
تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود — رضا

اور اسی کو حضرت نوری قدس سرہٗ اپنے نعتیہ کلام میں یوں ارشاد فرماتے ہیں

خدا ہے تو نہ خدا سے جدا ہے اے دلا
ترے ظہور سے رب کا ظہور آنکھوں میں
ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذاتِ حق کا آئینہ مہر عجم ماہ عرب
خدا نے ذات کا اپنی تمہیں منظہر بنایا ہے
جو حق کو دیکھنا چاہیں تو اس کے آئینہ تم ہو

علمِ سرکار سرکار مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے لئے علم غیب کا ثبوت ایک اہم علمی مسئلہ ہے۔ حضرت رضا قدس سرہٗ اپنے عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مسئلے کو استدلالی انداز میں یوں پیش کرتے ہیں۔

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں — اس پر شہادت آیت و وحی واثر کی ہے

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

اور اسی کو حضرت نوری قدس سرہٗ نے یوں بیان کیا ہے۔

خدا نے غیب تمہارے لئے حضور کیا
جو راز دل میں چھپے ہوں تمہیں خبر ہو جائے
مسلط کر دیا تم کو خدا نے اپنے غیبوں پر
نبی مجتبیٰ تم ہو۔ رسول مرتضےٰ تم ہو

وصفِ جمال محبوب کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف، اس کے رُخ زیبا اور جبین تاباں کی ستائش اور ان کی سحر اور شمس و قمر سے تشبیہ غزلیہ شاعری کا خاص حصہ رہا ہے۔ لیکن جب عاشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب کے حسن و جمال، سراپائے اقدس، رخ زیبا، جمال جہاں آرا اور جبین تاباں کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف سے اپنے عشق و محبت کی بزم سجاتا ہے تو کس کس انداز سے نواسنج و نغمہ سرا ہوتا ہے۔ اور شمس و قمر کی تابانی و درخشانی کو اپنے محبوب کے مقابل کس طرح پیش کرتا ہے۔ پہلے اس کی چند مثالیں کلامِ رضا قدس سرہٗ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور پھر اسی کا حسین پرتو اور عکس جمیل حضرت نوری قدس سرہٗ کے کلام میں دیکھیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں۔

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

جس کا حُسن اللہ کو بھی بھا گیا   ایسے پیارے سے محبت کیجئے

چھینٹ تمہاری سحر چھوٹ تمہاری قمر
دل میں رچا دھنیا تم پہ کروروں درود

بے داغ لالہ یا قمر بے کلف کہوں،
بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے،

تابِ مرآتِ سحر گردِ بیابانِ عرب
غازۂ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب
رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اب کلام نوری قدس سرہ میں اس کا انعکاس ملاحظہ فرمائیں۔

تمہارا حسن ایسا ہے کہ محبوب خدا تم ہو،
مہ کامل کرے کسب ضیا وہ مہ لقا تم ہو،
وصف کیا لکھے کوئی اُس مہبط انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا
فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا
تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب ایک زرد پتہ ہے ترے گلزار کا
جلوہ گاہ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہر عالم تاب ہے ذرہ حریم یار کا
زرد رو کیوں ہو گیا خورشید تاباں سچ بتا
دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلع انوار کا
یہ مہ و خور یہ ستارے چرخ کے فانوس میں
شمع روشن میں ہے جلوہ ترے رخسار کا
حسن وہ پایا ہے خورشید رسالت تو نے
تیرے دیدار کا طالب مہ کنعاں ہوگا
صورت پاک وہ بے مثل ہے پائی تم نے
جس کی ثانی نہ عرب اور نہ عجم کی صورت

والشمس وضحٰہا اور والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر عاشقان مصطفےٰ کے نعتیہ اشعار میں ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح سراپائے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے تطبیق دیتے ہیں۔ جس کو ظاہر بیں نگاہیں عام قسمیں سمجھتی ہیں۔

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح وثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ ترے حبیب کی زلف دوتا کی قسم

اسی کی ترجمانی کلام نوری کی زبانی ملاحظہ ہو۔

زلفِ والا کی صفت واللیل ہے قرآں میں اور رخ کی والضحیٰ مہر عجم ماہِ عرب

نہار چہرۂ والا تو گیسو ہیں واللیل
بہم ہوئے ہیں یہ لیل ونہار آنکھوں میں

آستانۂ بلند محبوب کے در، اس کے دیار، اس کے دربار اور اس کے کوچے اور گلیوں کی شان وشوکت اس کی عظمت اور اس کا وقار ایک عاشقِ صادق کی نظر میں کس قدر ہوتا ہے۔ کلام رضا قدس سرہٗ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

میرے آقا کا وہ در ہے جس پر
ماتھے گھس جاتے ہیں سرداروں کے

اور دوسری جگہ حضرت رضا فرماتے ہیں۔

کیا بھول ہے ان کے ہوتے کہلائیں
دنیا کے یہ تاجدار آقا
ان کے ادنیٰ گدا پہ مٹ جائیں
ایسے ایسے ہزار آقا،

کلام نوری میں بھی اس کے جلوے ملاحظہ فرمائیں۔

بادشاہانِ جہان ہوتے ہیں منگتا اس کے
آپ کے کوچے کا شاہا جو گدا ہوتا ہے
ضیا بخشی تری سرکار کی عالم پہ روشن ہے،
مہ و خورشید صدقہ پاتے ہیں پیارے ترے در کا
حق نے بنایا ایسا تونگر اکبر و اوسط و اصغر سرور
تیرے در پر حاضر جملہ صلی اللہ علیک وسلم

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

رشکِ سلطاں ہے وہ گدا جس نے
تیرے کوچے میں دھونی رمائی ہے

کوچۂ محبوب کا پاس و لحاظ اور اس کے ادب و احترام کو اس انداز میں پیش کرنا حضرت رضا جیسے عاشقِ صادق کا کمال ہے۔ فرماتے ہیں۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے
ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ،
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک،
حسرت ملائکہ کو جہاں وضعِ سر کی ہے

کلام نوری میں بھی اس کی جھلک دیکھیں۔

پاؤں تھک جاتے اگر پاؤں بناتا سر کو
سر کے بل جاتا مگر ضعف نے جانے نہ دیا
آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

وارفتگی

ایک عاشق جب درِ محبوب پر حاضر ہوتا ہے تو ایک طرف جذبۂ عشق اسے سجدۂ درِ جاناں کی طرف کھینچتا ہے، دوسری طرف حکمِ شریعت اس سے مانع ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو پیش کرتے ہوئے حضرت رضا فرماتے ہیں۔

پیشِ نظر وہ نوبہار سجدہ کو دل ہے بیقرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

اسی فکر کا انعکاس کلامِ نوری میں ملاحظہ ہو۔

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اِذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا
حسرتِ سجدہ یونہی کچھ تو نکلتی لیکن،
سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

خارِ دیارِ محبوب

یہ حقیقت ہے کہ ایک عاشقِ صادق کی نظر میں دیارِ محبوب کے خار گلہائے باغِ عالم ہی نہیں بلکہ گلہائے جنت سے بھی زیادہ دلکش، دلفریب، روح پرور، فرحت افزا اور تسکین بخش ہوتے ہیں۔ حضرت رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

خوش ہے گل پہ عندلیب خارِ حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں — رضا

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں — دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں — رضا

اسی جذبۂ دروں کی ترجمانی حضرت نوری قدس سرہ کرتے ہیں۔

نہ کیسے یہ گل و غنچے ہوں خوار آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں — نوری

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں — نوری

غیرتِ عشق

ایک سچے عاشق کے دل میں ہمیشہ یہی تڑپ، یہی آرزو، اور یہی تمنا پروان چڑھتی رہتی ہے کہ کسی بھی طرح اور کسی بھی وقت در محبوب سے جدائی و دوری نہ ہونے پائے۔ جینا اور مرنا اسی کے در پہ ہو۔ دنیا کی ساری راحتیں، عیش وطرب اور اس کی رعنائیاں دیار محبوب کی خاک نشینی اور آبلہ پائی کے سامنے ہیچ ہوتی ہیں۔ اس طرح کی آرزوا ور جذبات کی ترجمانی غزلیہ شعرار کے کلام میں بکثرت ملتی ہے۔ لیکن وہ صرف خیال آرائیاں ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حقیقت نگار قلم سے اس جذبۂ صادق کی ترجمانی ملاحظہ ہو۔ حضرت رضا فرماتے ہیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں — رضا

یا تو یونہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں
منت غیر کیوں اٹھائیں کوئی ترس جتائے کیوں — رضا

اب تو نہ روک اے غنی عادت سگ بگڑ گئی
میرے کریم پہلے ہی لقمۂ تر کھلائے کیوں — رضا

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا — رضا

کس کا منہ تکئے کہاں جائیے کس سے کہئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا — رضا

دور کیا جائیے بدکار پہ کیسی گزرے
تیرے ہی در پہ مرے بیکس وتنہا تیرا — رضا

اور اسی دلی تمنا اور قلبی آرزو کو جادۂ عشق ومحبت کے دوسرے راہرو حضرت نوری قدس سرہ کے کلام میں ملاحظہ فرمائیں۔

میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں — ترے در سے اپنا گزارا کروں میں

ترے در کے ہوتے کہاں جاؤں پیارے
کہاں اپنا دامن پسارا کروں میں — نوری

تمہارے قدموں پہ سر صدقے جاں فدا ہو جائے
نہ لائے پھر مجھے میرا خدا مدینے سے — نوری

کبھی تو ایسا ہو یارب وہ در ہو اور یہ سر
کبھی تو ان کی گلی میں مرا گزر ہو جائے — نوری

فقیر آپ کے در کے ہیں ہم کہاں جائیں
تمہارے کوچے میں دھونی رمانے آئے ہیں — نوری

مدینہ ہم سے فقیر آکے لوٹ جائیں گے
درِ حضور پہ بستر جمانے آئے ہیں

دستگیری

پناہ عاصیاں، ہمدرد بیکساں، شافع روز جزا، سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی وقار میں اپنے رنج والم اور بار عصیاں کی درد بھری داستان پیش کرتے ہوئے غمگسار و غم خوارِ امت سے حمایتِ و دستگیری کا انداز عاشقانہ ملاحظہ ہو ——— حضرت رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

رحمۃ للعالمیں تیری دہائی دب گیا ؏
اب تو مولیٰ بے طرح سر پر گنہ کا بار ہے — رضا

دریا کا جوش ناؤ نہ بیڑا نہ ناخدا
میں ڈوبا تو کہاں ہے مرے شاہ کے خبر — رضا

اور اسی کو حضرت نوری قدس سرہٗ کی زبانی بھی ملاحظہ کیجئے۔

دبا جاتا لجا جاتا ہوں میں آقا دہائی ہے
یہ بھاری بوجھ عصیاں کا مرے سر کا ذرا سر کا ؏ — نوری

دور ساحل موج حائل پار بیڑا کیجئے،
ناؤ ہے منجدھار میں اور ناخدا ملتا نہیں — نوری

مسیحائی

جانِ عالم وعالمیاں، سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی مسیحائی کو حضرت رضا قدس سرہٗ ندرت بیان کے ساتھ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس مردہ دل کو مژدہ حیات ابد کا دوں
تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے — رضا

جس نے مردہ دلوں کو دی عُمرِ ابد
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی — رضا

اور اسی کو حضرت نوری قدس سرہ اپنے انداز میں پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں۔

شہرہ لبِ عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا، — نوری

مسیح پاک نے اجسام مردہ زندہ کئے،
یہ جانِ جاں دل وجاں کو جلانے آئے ہیں — نوری

امیدِ شفاعت

اپنے انتہائے جرم وخطا، اس پر ندامت اور شفیع محشر دستگیر عاصیاں صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائے عفو وکرم اور آپ کی دستگیری وشفاعت پر بھروسہ، امید اور فخر وناز کا اظہار کرتے ہوئے حضرت رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

مجرموں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے رحمت کی نگاہ
طالع برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ — رضا

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ — رضا

تم کرم سے مشتری ہر عیب کے جنسِ نامقبول ہر بازار ہم رضاؔ

تجھ سا سیاہ کار کون اُن سا شفیع ہے کہاں
پھر وہ تجھی کو بھول جائیں دل یہ ترا گمان ہے رضاؔ

اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی ذرا چین لے میرے گھبرانے والے

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا رضاؔ

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے،
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا رضاؔ

اور اسی کو جب حضرت نوری قدس سرہٗ پیش کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں۔

دھجیاں ہو جائے دامن فردِ عصیاں کا مری
ہاتھ آجائے جو گوشہ دامنِ دلدار کا نوریؔ

عجب کرم ہے کہ خود مجرموں کے حامی ہیں
گناہگاروں کی بخشش کرانے آئے ہیں، نوریؔ

کیوں مجھے خوف ہو محشر کا کہ ہاتھوں میں مرے
دامنِ حامیِ خود، ماحیِ عصیاں ہوگا نوریؔ

پلّہ عصیاں کا گراں بھی ہو تو کیا خوف مجھے
میرے پلے پہ تو وہ رحمتِ رحمٰن ہوگا نوریؔ

گنہ کتنے ہی اور کیسے ہی ہیں پر رحمتِ عالم
شفاعت آپ فرمائیں تو بیڑا پار ہو جائے نوریؔ

کیوں عبث خوف سے دل اپنا ہوا ہوتا ہے
جب کرم آپ کا عاصی پہ شہا ہوتا ہے نوریؔ

عطر بیزی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس راہ سے گزر جائیں تو آپ کے جسمِ اطہر اور زلفِ مشکبار کی خوشبو سے کوچے اور گلیاں معطر

منور ہو جائیں۔ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ایک عالم مست ہو گا ان کی بوئے زلف سے
اے صبا مت کر پریشاں بوئے گیسو سُو بسو — اشرفی

اسی مشکبار(ی) اور عطر بیز(ی) کا ذکر کرتے ہوئے نہایت وجد آفریں انداز میں حضرت رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

گزرے جس راہ سے وہ سیّد والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر — رضا

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں — رضا

اور حضرت نوری قدس سرہٗ لکھتے ہیں۔

جس گلی سے تو گزرتا ہے مرے جانِ جناں
ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے — نوری

جگمگا ڈالیں گلیاں جدھر آئے وہ
جب چلے وہ تو کوچے بسا کر چلے — نوری

احترامِ نسبت

حضرت رضا ہوں یا حضرت نوری (قدس سرہما) خانوادۂ نبوت اور سادات کرام کا حد درجہ احترام کیا کرتے تھے۔ جس کے اندر صرف یہ جذبۂ عشق کار فرما تھا کہ یہ محبوب عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہیں ان کے جسموں میں محبوب کا خون رواں ہے، اور یہ اس نور مجسم کے پارہائے مقدس ہیں۔ حضرت رضا کہتے ہیں۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا — رضا

اور حضرت نوری قدس سرہ لکھتے ہیں۔

تیرے گھر کا بچہ بچہ سارا گھرانا سید والا — نوری مورت نور کا پتلا صلی اللہ علیک وسلم

فصاحت وبلاغت

افصح الفصحاء، دانائے غیوب، نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے آگے زانوئے ادب تہہ نہیں فرمایا۔ نہ کسی سے پڑھنا، لکھنا، سیکھا۔ لیکن یہ عظیم اعجاز ہے کہ آپ کی زبانِ بلاغت نظام سے فصاحت وبلاغت کے ایسے چشمے اُبلے جن کے سامنے عرب کے فصحاء وبلغاء کی فصاحتیں دم بخود رہ گئیں۔ اور ان کی بلاغتوں کا تاجِ تفوق وبرتری سرنگوں ہوگیا۔ ان کی ساری خوش فہمیاں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ اور ان کی زبانیں گنگ ہوتی دکھائی دیں۔ اسی کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے مُنہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں — رضا

اور حضرت نوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہلِ زباں
سُن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے — نوری

حالِ عشق

عشق یادِ محبوب میں جلنے، تپنے اور تڑپنے کا نام ہے لیکن پھر بھی ایک عاشق اس سے بیزار نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے اپنے لئے لذت بخش اور سرمایۂ حیات سمجھتا ہے۔ اور اس سوزِ جگر کو ہر ساز وطرب پر ترجیح دیتا ہے۔ حضرت رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

جلی جلی بُو سے اس کی پیدا ہے سوزشِ عشق چشم والا
کبابِ آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے — رضا

اور حضرت نوری قدس سرہٗ کا کلام بھی ملاحظہ ہو۔

داغِ دل میں جو مزا پایا ہے نوریؔ تم نے
ایسا دنیا کی کسی شئے میں مزا ہوتا ہے — نوری

مذمتِ اعداء

ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعری کا اصل مقصد اور مطمح نظر اپنے عقائد و ایمان کی تشریح و تفسیر اور محبوب دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت و رفعت اور مراتب علیا کو حتی المقدور اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ جو منکرین رسول اور باغیان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی شان کی تنقیص و توہین کرنے والوں کے لئے برق تپاں خنجر خونخوار سے کم نہیں۔ حضرت رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے — رضا

اور اسی کا عکس کلام نوری قدس سرہٗ میں ملاحظہ فرمائیں۔

دل دشمن کے لئے تیغ دو پیکر ہے سخن
چشم حاسد کو مرا شعر نمکداں ہوگا — نوری

اخلاصِ نعت گوئی

جس طرح شعراء اور ان کی شاعری کے مابین آپس میں اختلاف ہے اسی طرح شعراء کے مقصد شاعری میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور سے ایسے شعراء پائے جاتے ہیں جن کی شاعری محض برائے شاعری ہے۔ لیکن حضرت رضا اور حضرت نوری قدس سرہما کی شاعری کا واحد مقصد سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی اور آپ کی شان رفعت و عظمت کو اجاگر کرنا ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ حضرات کی شاعری برائے شاعری بلکہ برائے عبادت تھی۔ حضرت رضا قدس سرہٗ اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے — رضا

اور چونکہ حضرت نوری قدس سرہٗ بھی اسی راہ کے مسافر اور اپنی شاعری میں

اسی عظیم تصور کے علمبردار تھے۔ لہذا اس حیثیت سے بھی آپ کے کلام میں کلام رضا قدس سرہٗ کا انعکاس ملاحظہ ہو

ثنا منظور ہے ان کی نہیں یہ مدعا نوریؔ
سخن سنج و سخن ور ہو سخن کے نکتہ داں تم ہو — نوریؔ

ایک سرسری مطالعے کے بعد حضرت نوری قدس سرہٗ کے کلام عاشقانہ میں حضرت رضا قدس سرہٗ کے کلام کا انعکاس، مفہوم و ماحصل اور معنوی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اگر بالاستیعاب مطالعہ کرکے پوری ژرف نگاہی اور تعمق نظر سے کام لیا جائے تو شعری محاسن اور خوبیوں کے اعتبار سے بھی کسی حد تک کلام نوری علیہ الرحمہ یا کلام رضا قدس سرہٗ کا انعکاس دکھایا جا سکتا ہے، جس کے لئے آئندہ کوئی موقع ہو سکتا ہے۔

کلامِ نوری میں کلامِ رضا کا انعکاس

محمد شمس الدین ثاقب القادری مدھوبنی درجہ سابعہ جامعہ اشرفیہ ۱۴۱۲ھ

حامداً و مصلیاً

پیکرِ صدق و صفا ہے مفتیِ اعظم کی ذات ۔۔۔ جلوۂ نورِ خدا ہے مفتیِ اعظم کی ذات

ہر سخن میں کیوں نہ ہو طرزِ رضا کا انعکاس ۔۔۔ مظہرِ احمد رضا ہے مفتیِ اعظم کی ذات[1]

نعت گوئی ایک مستقل فن ہے۔ صنفِ نعت میں مشکلات کا سمندر رکھنے والے کے سامنے آتا ہے۔ اس کو عبور کرنا آسان نہیں، بلکہ نعتیہ شاعری تلوار کی دھار پہ چلنے کے مترادف ہے۔ نعتیہ شاعری میں اولین اور اہم شرط عشقِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی سرمستی و سرشاری ہے۔ دل میں محبتِ رسول کا سمندر موجزن ہو جذبات کا طوفان اٹھتا ہو۔ تب دل کی ہر دھڑکن، خیال کی ہر لہر، زبان کی ہر جنبش نعت سرا ہو جاتی ہے۔ اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے، جتنی اردو شاعری۔ یہ زبان اپنے ارتقائی دور میں ان بزرگ و برتر ہستیوں کے سایۂ عاطفت میں پلی جن کا مقصدِ حیات خلقِ خدا کی خدمت اور دینِ متین کی اشاعت و تبلیغ تھا۔

نعت گوئی دورِ قدیم کے صوفیۂ کرام اور بزرگانِ دین سے بتدریج ترقی کرتی ہوئی مسند العلماء شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیِ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی رضی المولیٰ عنہ وعنا بہ تک پہونچی۔ آپ نے نعتیہ شاعری کو عروج عطا کرکے

---

[1] استقامت مفتیِ اعظم ہند نمبر ص: ۱۷۰، ریل بازار کانپور۔

"سامانِ بخشش" حاصل کیا۔ قبل اس کے کہ مفتی اعظم کے منعکس کلام کا جائزہ لیا جائے۔ ضروری ہے کہ ان کی شخصیت، نفسیات، ماحول اور ان کے جذباتی محوروں سے اجمالی طور پر واقفیت بھی ہو۔ کیوں کہ شاعری شاعر کی شخصیت و ماحول کا بے لوث و بے ساختہ اظہار ہوا کرتی ہے۔ کوئی شاعر ہو یا ادیب وہ اپنے عہد کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے۔

حضور مفتی اعظم اس درسگاہ عشق و محبت کے تربیت یافتہ تھے جہاں کا ذرہ ذرہ نشۂ عشق میں مخمور رہا۔ اور آپ کے والد ماجد امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہ چودہویں صدی کے بالاتفاق مجدد دین و ملت ہیں۔ امام احمد رضا نہ صرف اپنے عہد کے علوم و فنون کے کوہِ ہمالہ تھے بلکہ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل عبور کے ساتھ ساتھ فن سخنوری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی درسگاہ تربیت کی یہ خصوصیت تھی کہ انہوں نے نہ صرف علم و فن ہی کی اشاعت کی بلکہ اپنے زیر تربیت رہنے والوں کے سینے کو عشق رسول کا مدینہ بنا دیا۔ جب چند روز معیت پانے والوں پر کرم کی اتنی نوازشیں ہیں تو ان نفوس قدسیہ پر فیضان کا عالم کیا ہوگا جنہوں نے اسی پیکر عشق کی آغوش محبت میں آنکھیں کھولیں۔ اور اسی امام زمانہ کے گہوارۂ علم و ادب میں پروان چڑھے۔ اغیار کو سیراب کرنے والا بھلا اپنے پارۂ جگر کو پیاسا کیسے رکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح اسلام کے بطل جلیل کے فرزند جمیل اور خلف اکبر کو دنیا نے حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا۔ اسی طرح آپ کے دوسرے صاحبزادے کو اپنے عہد کا علی الاطلاق مفتی اعظم سمجھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب آپ مجدد اسلام کے بحر عشق کے باعظمت شناور تھے خَلقاً خُلقاً منطقاً بالکل اپنے والد بزرگوار کی تصویر اور ان کے عشق جلیل کا عکس جمیل تھے۔ گویا علوم و معارف کے ساتھ ساتھ فن سخنوری اور عشق پاک کی سرشاری بھی اپنے والد ماجد سے وراثت میں پائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بیشتر کلام میں کلام رضا کا انعکاس اور اسی کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ سرکار

اعلیٰ حضرت نے نعت گوئی کے لئے قرآن وحدیث کو ہی مشعل راہ بنایا۔ اسی وجہ سے آپ کا نعتیہ کلام افراط وتفریط کے عیب اور تخیل کی بے راہ روی سے پاک ہے۔ آپ نے کسی مقام پر بھی شریعت وطریقت سے تجاوز نہ کیا ——— خود فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی احکام شریعت رہے ملحوظ

آپ کے اشعار فصاحت وبلاغت، نزاکت ولطافت سے معمور اور دیگر رموز واسرار سے بھی مرصع اور مزین نظر آتے ہیں۔ چنانچہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں سرشار ہو کر فرماتے ہیں۔

بجان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

شاعری کی زبان جذباتی اور طبع زاد اظہار سے وجود میں آتی ہے۔ اختصار، اشارہ اور پردہ داری اس کے اوصاف ہیں۔ زبان کا جذباتی استعمال، استعارہ سازی کی ہنرمندی کسبی کم اور عطائی زیادہ ہے۔ اور یہ چیزیں جذبات کی مرہون منت ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ شاعر ہو ہی نہیں سکتا جس نے عشق نہ کیا ہو۔ حضور مفتی اعظم جیسی بزرگ شخصیت کے سینے میں یہ عشق، عشق رسول کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور اس کے اظہار کے لئے آپ نے نعت گوئی کا سہارا لیا۔ چنانچہ مذکورہ کلام رعنائے عشق کی جھلک اور شعاعیں مفتی اعظم کے کلام میں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

چارہ گر ہے، دل تو گھائل عشق کی تلوار کا، کیا کروں میں لے کے پھایا مرہم زنگار کا
حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں ہیں بند تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خونبار کا

مقام عشق ومستی بڑا ہی نازک اور لطیف مقام ہے۔ جہاں سے سلامت گزرنا بہت دشوار ہوا کرتا ہے۔ بہت سے اصحاب عقل وخرد اور ارباب علم ودانش نے ہوش ہی کا دامن چھوڑ دیا۔ اور ان کی غیر محتاط زبان نے لغزش وبے ادبی

کی راہ اختیار کرلی۔ مگر حضور مفتی اعظم کے یہ اشعار اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ان کے عشق کی آنچ نے جہاں جذبات کو مہمیز کیا وہیں علمی تبحر نے احتیاط کو راہ دی۔ اور پھر ان دونوں کی آمیزش نے مفتی اعظم کے کلام کو سادگی اور معنویت حسن عطا کیا۔ یوں ہی مقام عشق و مستی سے دنیا کو روشناس کراتے ہوئے اعلیٰ حضرت کا یہ شعر۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

جہاں جذبات کی صداقت کا حامل ہے وہیں مفتی اعظم کا یہ شعر مذکورہ بحر یہ مکمل انہیں خوبیوں اور قلبی واردات وکیفیات کی عکاسی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

سنگ در جاناں پہ کرتا ہوں جبیں سائی
سجدہ نہ سمجھ زاہد سر دیتا ہوں نذرانہ

یاد حبیب کی دل بردا شتگی ہجر کی بیتابی، فراق کی بے قراری بھی عشقیہ شاعری کا ایک اہم موضوع ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کس خوبصورتی سے اس کا اظہار نعت میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دیدہ ہائے نگاہ

یہی جذبات کی صداقت، بیان کی لطافت، زبان کی حلاوت، غم انگیز لہجہ، سوز و گداز، خلوص و محویت، یہی افسردگی اور عاشقانہ انفعال مفتی اعظم کے کلام سے ہویدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

تڑپ رہا ہوں فراق طیبہ میں عاشق | الٰہی راہ مدینہ کی بے خطر ہو جائے
وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی | شب فراق کی یارب کبھی سحر ہو جائے

اور جب غم حد سے سوا ہو جاتا ہے سوز دروں کی جاں بن جاتا ہے، بحر تجر میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے اور درد فراق حد سے گزر کر خود ہی دوا بن جاتا ہے

تو بیقرار دل بے قرار ہو جاتی ہے۔ اس سے متاثر ہو کر سرکار اعلیحضرت فرماتے ہیں

یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

اس قسم کا جمالیاتی احساس، جذبات تخیل، ندرت اسلوب، شگفتہ انداز اور شاداب لہجہ میں حضور مفتی اعظم کے مذکورہ شعر میں بھی رواں دواں نظر آتا ہے۔

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا ۔۔۔ کیا کروں میں لیکے پھاہا مرہم زنگار کا
ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیونکر ۔۔۔ فرط غم نے مجھے آنسو بھی بہانے نہ دیا

تصور میں جب دیار محبوب کی ادنی سی چیز بھی رچی بسی ہو تو دنیا کی تمام رعنائیاں اور زیبائیاں اس کے سامنے بے وقعت اور ہیچ نظر آتی ہیں۔ حتی کہ دیار محبوب کا خار بھی دنیا کے پھولوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس مفہوم کو جہاں بہت سے شعراء نے موضوع سخن بنایا وہیں کلام رضا میں یہ مفہوم بدرجہ اتم موجود ہے۔

پھول کیا دیکھوں میری نظروں میں
دشت طیبہ کے خار پھرتے ہیں

اور پھر مفتی اعظم کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو اسی صنعت گری اور محاسن کی رنگینی کے ساتھ ساتھ کلام رضا کی تصویر کشی کرتا نظر آتا ہے۔

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس گئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہ راست محبوب کی مدح سرائی، دوسرے محبوب کے محبوب کی تعریف و توصیف، اور تیسرے محبوب کے اعداء اور بد خواہوں کی مذمت ـــــــ حضرت رضا اور نوری علیہما الرحمہ نے اپنے عشق و محبت اور رضائے محبوب کی خاطر تینوں طریقے اختیار کئے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت

شاتمانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مذمت میں دشمنوں سے کسی قسم کی رورعایت کو ملّی زندگی کے لئے سمِ قاتل سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

بلکہ وہ اس سلسلے میں اپنے قلم سے خنجر خونخوار کا کام لیتے ہیں۔ اور آپ کا اشہب قلم قلب اعداء پر یوں برق بار ہوتا ہے۔

کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا رسے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

اور کبھی اس طرح گویا ہوتے ہیں۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی ہے

یونہی اس سلسلے میں حضور مفتی اعظم کا موقف بھی وہی ہے جو سرکار اعلیحضرت کا ہے۔ چنانچہ مذکورہ کلامِ رضا کی واضح جھلک اور پرچھائیاں آپ کے اس کلام میں ملتی ہیں۔

دلِ دشمن کے لئے تیغ دو پیکر ہے سخن
چشمِ حاسد کو مرا شعر نمکداں ہوگا

کیا علاقہ دشمنِ محبوب کو اللہ سے
بے رضائے مصطفٰے ہرگز خدا ملتا نہیں

اور کبھی تو بارگاہِ رب العزت میں یوں فریاد کرتے ہیں۔

ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد
الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

حضرت رضا و نوری علیہما الرحمہ کے کلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان حضرات نے ایسے بھی لطیف موضوع کو اپنایا جو دیگر شعراء کے ہاں خال خال پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اعلیحضرت نے اپنے تشبیہی اشعار میں نہایت ہی پاکیزہ

خیالی سے ایسے امر کی توثیق کردی ہے جہاں دوسرے شعراء کے اذہان مبذول نہ ہوسکے کہ آپ نے تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پھول سے تشبیہ دی ہے جو خار سے بعید تر ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں،
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اسی طرح ایک حسین کا تصور دنیا کے اکثر لوگوں کے سامنے فتنہ سامانیوں کا سبب رہا ہے۔ مگر مفتی اعظم کے جدید موضوع نے حسن کو اک نئی معنویت عطا کی ہے۔ حسین وہ کیا جو فتنہ سامانیوں کا سبب بنے۔ حسین تو دراصل سرکار کی مقدس ذات ہے کہ جس نے زمانے سے فتنوں کا خاتمہ کیا۔ اور آلام ومصائب میں سسکتی ہوئی اس زمین کو امن واخوت کا گہوارہ بنا دیا۔ لفظِ حسین کا اتنا خوبصورت استعمال خود شاعر کی طہارتِ نفسی کا پتہ دیتا ہے۔ فرماتے ہیں

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے
ہاں حسیں تم ہو، فتنے مٹا کر چلے

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری سے قبل انسانیت گمراہی کا شکار تھی، کفر وضلالت، سفاکی وبربریت سے روح انسانیت چیخ اٹھی تھی۔ سرکار کی آمد کیا ہوئی زمانے سے شیطنت وبربریت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور دھرتی امن وشانتی کا گہوارہ بن گئی۔ اور آپ نے پیغام اسلام کے ذریعے غریق تشدد انسانیت کو ضلالت وگمراہی کی پٹری سے اتار کر ہدایت ورہنمائی کے شاندار پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کر دیا۔ گرتوں کو اٹھا کر بلند وبالا کر دیا۔ اور ادنیٰ کو اک نگاہ میں اعلیٰ بنا دیا۔ ذرے کو آسمان کا تارہ بنا دیا۔ اسی نکتہ کی طرف کلام رضا غماز ہے

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا
تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

اور کلام نوری بھی بڑی سادگی اور انوکھے پن کے ساتھ اس کا حسین رول

ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

سب کو اسلام کا تم نے بخشا شرف | گرتوں پڑتوں کو پیارے اٹھا کر چلے

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ بے پایاں بندہ نوازیاں ہیں کہ عالم گیتی پر جلوہ گر ہوتے ہی سب سے پہلے "رَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِیْ" کی دلآویز صدا کے ذریعے اپنی امت کو یاد فرمایا۔ سفر میں ہوں یا حضر میں، بیداری میں ہوں یا خواب میں، ہر نفس و ہر لحظہ امت کی یاد کو اپنے سینہ پاک سے لگا کر رکھا۔ حتی کہ وقتِ رحلت بھی اپنی امت کو فراموش نہ فرمایا۔ اس موضوع کو سرکار اعلیحضرت کیا ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے کلام کے سانچے میں ڈھالتے نظر آتے ہیں۔

عمر بھر تو یاد رکھا | وقت پر کیا بھولنا ہو
وقت پیدائش نہ بھولے | کیف ینسیٰ کیوں قضا ہو

اور حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں چلئے تو اسی گوہر آبدار کو اس حسنِ ادا کے ساتھ سلک بیان میں پروتے نظر آتے ہیں کہ آپ کا کلام، کلامِ رضا کا ترجمان دکھائی دیتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وقتِ ولادت تم نہ بھولے | وقتِ رحلت یاد ہی رکھے
اپنے بندے تم نے نبھایا | صلے اللہ علیک وسلم

خدائے لم یزل نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سرچشمہ نور و رحمت بنا کر بشکل بشر اس عالم گیتی میں بھیجا۔ اور دنیا کو اس بشر کی حقیقت سے "قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ" کے ذریعے روشناس کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ جس شئی کی نسبت آپ کی مقدس ذات سے ہوگئی وہ بھی نوری اور ممتاز زمن ہو گئی۔ حتی کہ آپ کی نسل پاک کا بچہ بچہ اور سارا گھرانا منبع نور بن گیا۔ اعلیحضرت اس کی تصویر کشی یوں فرماتے ہیں۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا | تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

اور حضور مفتی اعظم بھی اسی موضوع کو بڑی ہی سادگی، تیکھے پن اور حسنِ بیان

سے اپنے روزمرہ کی زبان میں اس طرح ڈھالتے ہیں :

تیرے گھر کا بچہ بچہ ، سارا گھرانا سید والا
نوری مورت نور کا پتلا ، صلے اللہ علیک وسلم

خلاقِ دوعالم قادرِ مطلق نے نوری پیکر کو اپنا محبوب خاص منتخب فرمایا اور سبحان اللہ محبوبیت کا رنگ تو یہ ہے کہ آپ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا۔ سارا عالم، ساری مخلوق تو رضائے خداوندی کی جویاں ہے۔ مگر قربان جائیے شانِ محبوب پر کہ باری تعالےٰ اپنے حبیب پاک کی خوشی ورضا کا خود خواہاں ہے، حدیث قدسی ہے خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے۔

كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِىْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّد

اعلیحضرت اسی نکتہ کی باندازلطیف عکاسی کرتے ہیں۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اسی طرح جب ہم کلامِ نوری کا جائزہ لیتے ہیں تو جوشِ بیان اور رعایتِ لفظی کے ساتھ ساتھ کلامِ رضا کے مضمون کا بھی بھرپور آئینہ دار نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

سارا عالم ہے رضا جوئے خداوندِ جہاں
اور خدا آپ کا جویائے رضا ہوتا ہے

اور پھر رشک فکر اعلیحضرت کا یہ شعر،

سوکھی جاتی ہے امید غربا کی کھیتی
بوندیاں لکۂ رحمت کی برس جانے دو

جس طرح التجائی کشش، انداز بیان کی حلاوت، موزونیت کا جامع، اور کیف آگیں ہے۔ اسی طرح مفتی اعظم کا یہ کلام جذبات نگاری اور تلازم لفظی ومعنوی کے ساتھ ساتھ صوتی ہم آہنگی یعنی کلام مذکور کا مظہر ہے۔

سوکھ جائے نہ کہیں کشتِ اہل اے سرور   بوندیاں لکۂ رحمت سے اتارے گیسو

انبیائے کرام کا ظہور زمانے کو راہ راست پر لانے کے لئے قدرت کی جانب سے ہوتا رہا۔ اور انہیں وہ قوتیں بھی ملتی رہیں جو مافوق الفطرت تھیں، جنہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی اور دیگر انبیائے کرام کے کمالات سب پر عیاں ہیں۔ سرکار چونکہ سردار انبیاء تھے اس لئے آپ کے معجزات بھی بے شمار ہیں۔ چاند کا اشارے سے شق کرنا، ڈوبے ہوئے سورج کا لوٹانا، ابوجہل کی مٹھی میں کنکریوں کی شہادت وغیرہ آپ کے معجزات ہیں۔ ان کمالات و معجزات کو اکثر نعت گو شعراء نے موضوع سخن بنایا ہے۔ اعلیٰحضرت کے یہاں اس کے دلکش نمونے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

اشارے سے چاند چیر دیا، ڈوبے ہوئے خُور کو پھیر دیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

چاند اشارے کا ہلا، حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا، تیری توانائی کی

حضور مفتی اعظم کا نتیجۂ فکر بھی کلام رضا کی رنگت میں ڈوب کر انہیں کمالات و معجزات اور اختیارات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غمازی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

تمہارے حکم کا باندھا ہوا سورج پھرے الٹا ، جو تم چاہو کہ شب دن ہو ابھی سرکار ہو جائے
اشارہ پاتے ہی ڈوبا ہوا سورج برآمد ہو ، اٹھے انگلی تو مہ دو بلکہ دو دو چار ہو جائے
تمہارے حکم سے لاٹھی مثال شمع روشن ہو ، جو تم لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہو جائے

اور خود سرکار کا جسم بے سایہ ایک معجزہ سے کم نہیں، اور کیوں نہ ہو جب آپ جلوۂ نور خدا اور مظہر کبریا ہیں۔ جو خود ظل ہو وہ سایہ دار کہاں ہو سکتا ہے۔ اعلیٰحضرت اسی کی طرف غماز ہیں۔

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا   سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

حضور مفتی اعظم بھی اسی مفہوم کو موضوع سخن بناتے ہوئے بڑی ہی لطافت بہائی

کے ساتھ اس نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ سرکار جب نورِ حق اور روح کائنات ہیں تو ایسا بھی کہیں ممکن ہے کہ روح اور نور کے سائے اور پرچھائیاں دیکھی جائیں فرماتے ہیں۔

نہ سایہ رُوح کا ہرگز، نہ سایہ نور کا ہرگز،
تو سایہ کیسے ہو اس جانِ جاں کے جسمِ اطہر کا

یہ امرِ مسلّم ہے کہ کوئی بھی شخص چاہے کہ دامنِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر جنت الفردوس کا حقدار ہو جائے تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کوئی آپ کی مقدس ذات سے مستغنی ہو کر بارگاہِ ربّ العزت تک پہونچ سکتا ہے۔ خود کلامِ ربانی شاہدِ عادل ہے۔ "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" معلوم ہوا کہ شہنشاہِ کونین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وسیلہ کے بغیر اور آپ سے مستغنی ہو کر خدا تک پہونچنا، زمین پر رہ کر آسمان چھونے کے مرادف بلکہ باعثِ دخولِ نار ہے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی　　وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا

یوں ہی مفتی اعظم کا یہ شعر اسی مضمون کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں۔

وصلِ مولیٰ چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈ لو　　بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں
کیا علاقہ دشمنِ محبوب کو اللہ سے　　بے رضائے مصطفٰے ہرگز خدا ملتا نہیں

سیّد الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا فضلِ عظیم اور لطفِ عمیم ہے کہ اپنے منگتوں کو اتنا نوازا کہ رشکِ تاجدار بنا دیا۔ اور کبھی کسی سائل کو نامراد اور تہی دست نہیں لوٹایا۔ اپنے ہوں یا اغیار بلا امتیاز سب کی خالی جھولیاں آپ نے رحمتوں سے بھر دیں۔ سبحان اللہ! ایسے داتا کہ نوازشوں کو مشروط بھی نہ رکھا۔ چہ جائیکہ زبانِ اقدس پر اک حرف "لا" بھی آیا ہو۔ اس موضوع کی کلامِ رضا میں نفیس مثال ملتی ہے۔

سرکار میں نہ "لا" ہے نہ حاجت اگر کی ہے　　مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے

اور ذرا مفتی اعظم کے کلام کا جائزہ لیجئے کہ آپ نے کس انداز لطیف ، اور ندرتِ بیان کے ساتھ اس موضوع کو اپنے کلام میں برد یا ہے فرماتے ہیں۔

جو آیا لے کے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ

بتادے کوئی سنا ہو جو لا مدینے سے

خلاقِ دو عالم، قادر مطلق نے آپ کو مختار کونین اور قاسم نعمت بنایا ہے سرکار خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ۔ یعنی اللہ عطا فرماتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔ سرکار اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی تصویر کشی اپنے شعر میں یوں فرماتے ہیں۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم   رزق ہے اس کا دلاتے یہ ہیں

کلامِ نوری میں بھی اسی طرح کلام رضا کی عکاسی نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

انتَ القاسم ربک معطی   تم نے ہی سب کو روزی دی

دے دو مجھ کو میرا حصہ   صلے اللہ علیک وسلم

یہ ہمارا عقیدہ ہے اور ہر مومن بندہ کی یہی خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ اے کاش مدینہ منورہ میں میری موت آتی تو زہے نصیب جنت الفردوس میرا مسکن ہوتی اس لئے سرکار فرماتے ہیں۔ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَمُتْ بِهَا فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِهَا۔ تم میں جس سے ہو سکے کہ مدینہ میں مرے تو مدینہ ہی میں مرے کہ جو اس میں مرے گا اس کی میں شفاعت کروں گا۔ اعلیحضرت کا یہ شعر اسی کی طرف مشعر ہے۔

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند

سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

یوں ہی کلام نوری کا جائزہ لیں تو موجودہ موضوع کی عکاسی کے ساتھ ساتھ کلام رضا کا انعکاس واضح طور پر نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

چلے جو طیبہ سے سلم تو خلد میں پہونچے   کہ سیدھا خلد کا ہے راستہ مدینے سے

ذرا اور آگے بڑھئے تو حضور مفتی اعظم کی وادیٔ فکر میں ایسے بھی کلام ملتے ہیں جن میں واضح طور پر کلام رضا کی شباہت اور جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور اداِ نظر میں دونوں کے مابین امتیاز برتنا دشوار ہوجاتا ہے۔ اور اس کلام نوری سے وہی رنگت و بانکپن، طرز ادا، جدت تخیل، ندرت فکر، کیف و سرور، سوز وگداز، سرشاری و ہم آہنگی اور وہی ابتہاج و اہتزاز ترشح ہے، جو کلام رضا کا معروف حصہ ہے۔ مثلاً گیسو والی ردیف کہ دونوں جگہ ایک ہی بحر ایک ہی قافئے پہ مشتمل لفظی و معنوی خوبیوں کا حسین سنگم ہے۔ جسے "مجمع البحرین" کہنا بجا ہوگا پہلے کلام رضا کے چند اشعار مد نظر رکھیں پھر کلام نوری کی ہر ادائے رنگیں دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جائے گی۔ حضرت رضا بریلوی گویا ہیں۔

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو ‏ ‏ ‏ حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپش محشر میں ‏ ‏ ‏ سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں ‏ ‏ ‏ سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو

شانہ ہے پنجۂ قدرت ترے بالوں کیلئے ‏ ‏ ‏ کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو

تیل کی بوند ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا ‏ ‏ ‏ صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

سبحان اللہ! اب کلام نوری کو بھی پڑھتے چلے جائیے۔ کلامِ مذکور کے ظہور انعکاس کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات کی وارفتگی دل و دماغ میں رچتی بستی چلی جائے گی قاری کی فکر سلیم اور شعور و آگہی خود اس امر کی توثیق کر دیتی ہے کہ مفتی اعظم کے نوری کلام میں روحانی ابتہاج و اہتزاز، اور قلبی واردات و کیفیات کا فطری اظہار ہے اور آپ کے بیان میں سوز و گداز اور کیف و سرور کا ایک خوبصورت امتزاج ہے جسے آہ اور واہ کی کیفیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان کی ہموتی ہم آہنگی میں عشق رسول کی ایسی تڑپ پائی جاتی ہے جو بغیر قلبی تعلق کے پیدا نہیں ہوسکتی۔ ان کا خون جگر میں رستا ہوا لہجہ اور جذبات کا تلاطم ان کی نعت گوئی سے ہی عیاں ہے۔ ۔۔ فرماتے ہیں۔

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو　　دونوں عارض ہیں ضحیٰ لیل کے پارے گیسو
دستِ قدرت نے ترے آپ سنوارے گیسو　　حور سو ناز سے کیوں ان پہ نہ وارے گیسو

نیرِ حشر ہے سر پر نہیں سایہ سرور،　　ہے کڑی دھوپ کریں سایہ تمہارے گیسو
پیشِ مولائے رضا جو ہیں جھکے سجدے میں　　کرتے ہیں بخشش امت کے اشارے گیسو
یہ سر طور سے گرتے ہیں شرارے نوری　　روئے پر نور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

اب ذرا اپنے تفکرات کے رخ کو موڑیئے، جس طرح کلام کو لفظی و معنوی محاسن سے مزین کرنے کی غیر معمولی رموز و علامات ہیں۔ اسی طرح کلام کا حسن اور شاعری کا جمال صنائع و بدائع کے موزوں استعمال سے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن جہاں لغت میں مبالغہ اور غلو کا گزر نہیں وہیں دیگر صنائع کے استعمال کے لئے بھی بڑے سلیقے اور ہنر مندی کی ضرورت ہے۔ اعلیٰحضرت اور مفتی اعظم علیہما الرحمہ نے اس عنوان کو بھی بڑی خوبی سے نبھایا ہے۔ جس کی بناء پر کلام میں اور بھی انوکھا پن، بانکپن، اور حسین نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ صنائع کے استعمال میں ایسی ندرت ہے کہ سلاست و بندش کی خوبی اور طرز گفتار کی دلکشی دوچند ہو گئی ہے۔ اس صنعت گری کی مناسبت سے حضرت رضا و نوری کے کلام کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

صنائع کے دو پہلو ہیں۔ لفظی و معنوی، صنائع لفظی تو بہت ہیں۔ مگر یہاں ان میں سے چند مشہور اصناف ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

صنعتِ تجنیس

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو بولنے یا لکھنے میں مشابہ ہوں، لیکن معنیٰ میں مخالفت ہو، اسی کی ایک قسم تجنیس مماثل بھی ہے۔ جیسے اعلیٰحضرت کا یہ شعر

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی　　چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی،

اول لفظ "بدلی" ایک دوسرے کے بعد آنا، اور ثانی بادل کے معنی میں ہے اور یہی کمال حضور مفتی اعظم کے یہاں بھی ملتا ہے کہ صنائع کے استعمال سے مضمون

آفرینی، اور بندش کی چستی وغیرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ فرماتے ہیں۔

بندِ الم اور بندے تمہارے   آؤ پیارے آؤ پیارے

پہلا بند مع اضافت قید و بندش کے معنی میں اور دوسرا خادم اور غلام کے معنی میں ہے۔

صنعتِ تلمیع کلام میں کسی دوسری زبان کے جملے استعمال کرنا، یا شعر کا ایک مصرعہ ایک زبان میں اور دوسرا مصرعہ دوسری زبان میں کہنا، تاہم اس کے لئے تبحر علمی اور قادر الکلامی کی ضرورت ہے، تاکہ زبان کا حسن اور بیان کی روانی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اس صنعت کا معرکۃ الآرا نمونہ اعلیٰحضرت کی وہ نعت ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اور مثلاً

مَنْزِلٌ مِنْ قَصَبٍ لَا نَصَبَ لَا صَخَبٌ

ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

یوں ہی کلام نوری میں بھی اس صنعت کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

بَارَکَ شَرَّفَ مَجَّدَ کَرَّمَ نَوَّرَ قَلْبَکَ اَسْریٰ عَلَّمْ

رب نے تم کو کیا کیا بخشا صلی اللہ علیک وسلم،

صنعتِ اقتباس قرآن پاک کی آیت یا اس کے جزء یا حدیث شریف کا ٹکڑا کلام میں لایا جائے۔ سرکار اعلیٰحضرت ایک حدیث کے ٹکڑے کو بڑے ہی حسن اسلوب کے ساتھ ایک مصرعہ شعر میں پروتے ہیں

مَنْ زَارَ تُرْبَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ   ان پہ درود جن سے نوید ان بُشریٰ کی ہے

اور جزرِ آیت کو شعر کے سانچے میں ڈھالتے ہوئے۔

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق،

مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

اور جب کلام نوری کا جائزہ لیا جائے تو اس صنعت گری کی کرنیں مختلف اشعار میں ضیا بار ملتی ہیں جیسے آپ جزرِ آیت کو دامنِ شعر میں سموتے ہوئے فرماتے ہیں،

قول حق ہے قول تمہارا	اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ
صدق و حق و امانت والے	تم پہ لاکھوں سلام
آپ کا ید ید ربّ واحد	فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ہے شاہد
اے ربانی بیعت والے	تم پہ لاکھوں سلام

یہ تو صنائع لفظی کا کمال تھا۔ اب ذرا صنائع معنوی کی بھی بہار دیکھئے۔ ان کی بھی مختلف اصناف ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند مشہور صنائع ذکر کئے جاتے ہیں۔ نظر غائر فرما کر لطف اندوز ہوں۔ اور دیکھیں کہ اس صنعت گری میں کلام رضا اور کلام نوری کیسا شاہکار ہے۔

صنعتِ طباق وتضاد

یعنی کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو معنی میں ایک دوسرے سے متضاد ہوں۔ جیسے اعلیٰحضرت کا یہ شعر،

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے

پلّہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

اور

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں،

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پہلے شعر میں "ہلکا اور بھاری" اور دوسرے شعر میں کمال و نقص باہم متضاد و متخالف ہیں۔ یوں ہی ارشاداتِ نوری کا یہ شعر،

قرب و بقا و وصل میں وہ،
بُعد و فراق و فصل میں وہ،
سب ہیں حادث وہ ہے قدیم
کوئی نہیں ہے اس کا ندیم

پہلے شعر میں قرب و بُعد، وصل و فصل، اور دوسرے شعر میں حادث و قدیم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

صنعتِ لف ونشر پہلے مصرعہ میں، چند چیزیں بیان کرنا، پھر اسی کی مناسبت سے دوسرے مصرعہ میں، بیان کرنا اب اگر یہ امور و مناسبات بالترتیب بیان کئے گئے ہیں تو لف ونشر مرتب ہے، ورنہ غیر مرتب، لف ونشر مرتب کی جھلکیاں کلام رضا میں ملاحظہ ہوں —— فرماتے ہیں۔

خوار و بیمار، خطاوار گنہگار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

اس میں خوار کے لئے رافع، بیمار کے لئے نافع اور خطاوار وگنہگار کیلئے شافع متناسب الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اسی طرح کلام نوری میں بھی اس قسم کے تناسب کا اعلیٰ نمونہ اور اچھی مثال ملتی ہے۔

ہم ہیں جتنے خاطی مخطی آپ ہیں اس سے زائد معطی
عفو و صفح و عنایت والے تم پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں خاطی کے لئے بارگاہِ نبوی سے عفو، مخطی کے لئے صفح، اور معطی کی مناسبت میں عنایت جیسے الفاظ کا برمحل استعمال کیا گیا ہے۔

صنعتِ تلمیح کلام میں کسی واقعہ کے مفہوم کو پرونا، یہ ایک بڑی نازک اور اہم صنف ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت کا علوِ فکر، جدتِ تخیل اور کمال مہارت ان کے کلام میں ملاحظہ ہو۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

کی مقدس ذات نے صرف ایک پیالی دودھ میں وہ اعجاز دکھایا کہ مجلس میں اصحاب کرام شکم سیر ہو گئے۔ پھر بھی پیالی خالی نہ ہو سکی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

کیوں جنابِ بوہریرہ کیسا تھا وہ جامِ شیر
جس سے ستّر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

اور بھی ایک ضوفگن واقعہ کی کرن اس شعر میں دیکھیں۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

تلمیح کے ساتھ ساتھ ندرتِ بیان اور سلاستِ زبان ملاحظہ ہو۔

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

یوں ہی جب ہم کلامِ نوری کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں تلمیحات کی کثرت ملتی ہے جو ان کی وسعتِ علم اور ایجازِ سخن کی دلیل ہے۔ بطور تمثیل چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

خلاقِ کائنات جلّ جلالہ نے جب فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم دیا تو تمام فرشتوں نے سجدے کئے مگر ابلیس لعین نے انکار کر دیا اور برجستہ کہا ــــ اے رب تو نے ہمیں آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ تو بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ آگ مٹی کے مجسمہ کے آگے سرنگوں ہو بس وہ ملعون ہوا۔ اور راندۂ درگاہ کر دیا گیا۔ اسی کی عکاسی کرتے ہوئے حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

جب سجدہ کا حکم ہوا سب نے کیا اس نے نہ کیا
اور متکبر نے یہ بکا، یہ مٹی میں انگارا ہوں

اسی طرح یہ واقعہ شائع وذائع ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی غرقاب ہونے چلی تو آپ نے بوسیلۂ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام جناب باری تعالیٰ میں دعا کی تو خدائے کریم نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اور موجِ طوفان سے بچا کر کشتی ساحل سے لگا دی۔ اسی کی تصویر کشی فرماتے ہیں۔

حضرت نوح نجی اللہ، آدم ثانی عالم کا
پار نہ گریہ نور ہوتا، ان کا سفینہ کب ترتا

لا الہ الا اللہ آمنّا برسول اللہ

پھر صنائع کے علاوہ کلام رضا و کلام نوری کو رعایت لفظی کی جہت سے دیکھا جائے تو اس کی مثال اور شعراء کے یہاں خال خال ملتی ہے۔ سرکار اعلیٰحضرت نے دلکش رعایتِ لفظی کا اہتمام فرما کر کلام میں جدت، ہمہ گیری شگفتگی و رنگینی پیدا کر دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

پہلے مصرعہ میں دھارے ہے تو دوسرے میں تارے، پہلے میں چلتے ہیں تو دوسرے میں کھلتے، اوپر عطا کے اور نیچے سخا کے، اوپر قطرہ ہے تو نیچے ذرہ ہے اس کمال فن کا تاج ہمعصر شعراء میں اعلیٰحضرت ہی کے سر ہے، کسی اور کے کلام میں ایسی نظیر نہیں ملتی۔ ہاں! مگر حضور مفتی اعظم کی ہر ادائے سخن اپنے والد ماجد کے طرز عمل کی آئینہ دار ہے۔ اس لئے آپ کے یہاں بھی وہی انداز دلپذیر اسلوب دل آویز، شائستگی، سج دھج، اور وہی خوشگوار امتزاج اور شیریں مقالی ہے۔ آپ نے بھی لفظی رعایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے شہ پارہ ہائے کلام کے اندر نشاطیہ ہم آہنگی، سحر بیانی، خود گزاشتگی، اور بانکپن پیدا کر دیا ہے —— چنانچہ اذکار توحید میں حضرت نوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

قابض و باعث خالق وہ ہے
خافض و وارث رازق وہ ہے

مصرعۂ اول میں قابض ہے تو مصرعۂ ثانی میں خافض، پہلے میں باعث ہے تو دوسرے میں وارث، اُس میں خالق ہے تو اِس میں رازق، سبحان اللہ! الفاظ کس قدر ہم وزن اور مختلف المعانی ہیں۔ "خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"۔

دیئے ہوئے موضوع کے تحت ہم نے بطور نمونہ یہ چند مثالیں پیش کی ہیں۔ انہیں سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کلامِ نوری میں کلامِ رضا کا انعکاس کس درجہ ہے۔

مفتی اعظم اور ردِّ بدعات و منکرات

ارشاد احمد رضوی، درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ

اپنے موضوع پر گفتگو سے پہلے لفظ بدعت کی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کیوں کہ بعض لوگوں نے اس لفظ کی ایسی من مانی اور خود ساختہ تشریح و توضیح کی ہے جس نے عوام ہی نہیں بعض خواص تک کے ذہن و فکر میں نئے تصورات و خیالات جنم دے رکھے ہیں، میں بدعت کا صحیح مفہوم معتمد علمائے اسلام کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں پیش کروں گا تاکہ اس بات کی تعیین میں آسانی ہو کہ شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں کون سی بدعت مذموم و ناپسندیدہ ہے اور اہلِ حق کس بدعت کے رد و ابطال میں مصروف کار ہیں ——— آیئے سب سے پہلے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے آئینۂ فکر و نظر میں اس کی ضیا تلاش کریں ——— وہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

بدانکہ ہرچہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است و ہر آنچہ موافق اصول و قواعد سنت اوست و قیاس کردہ شدہ است براں، آں را بدعت حسنہ گویند، و آنچہ مخالف آں باشد بدعت و ضلالت خوانند، و کلیۂ کل بدعۃ ضلالۃ محمول براں است، و بعض بدعہا است کہ واجب است چنانچہ تعلّم و تعلیم صرف و نحو کہ بداں معرفت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی پیدا شدہ ہر چیز بدعت ہے، جو سنت کے اصول و قواعد کے موافق اور اس پر قیاس شدہ ہو اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اور جو سنت کے مخالف ہو اسے بدعت و گمراہی سے موسوم کرتے ہیں۔ اور "کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے) کا کلیہ اسی قسم ثانی پر محمول ہے۔ بعض بدعتیں واجب بھی ہوتی ہیں جیسے علم نحو و صرف کی تعلیم دینا یا سیکھنا

آیات واحادیث گردد، وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر کہ حفظ دین وملت براں موقوف بود ومستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا، ـــــ وبعض مکروہ مثل نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض، وبعض مباح مثل فراخی درطعامہائے لذیذ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند وباعث تکبر ومفاخرت نشوند، ومباحات دیگر کہ درزمان آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبودند ـــــ چنانکہ بیری دغربال ومانند آں ـــــ وبعضے حرام، چنانکہ مذاہب اہلِ بدع واہوا برخلاف سنت وجماعت[1]

کہ اس سے آیات واحادیث کی معرفت حاصل ہوتی ہے ۔ اور کتاب وسنت کے نادر وغریب الفاظ کا حفظ ہوتا ہے اور ایسی دوسری اشیا جن پر دین وملت کی صیانت منحصر ہو ۔ بدعت مستحسن ومستحب بھی ہوتی ہے جیسے سرائے اور مدارس کی تعمیر، اور بعض بدعتیں مکروہ ہوتی ہیں ۔ جیسے بعض علماء کے نزدیک مساجد ومصاحف کی تزئین اسی زمرے میں شمار ہوتی ہے ۔ اور بعض بدعتیں مباح ہوتی ہیں، جیسے خورد ونوش کی لذیذ اشیا، اور عمدہ ملبوسات میں وسعت وکشادگی اختیار کرنا بشرطیکہ حلال ہوں ۔ اور تفاخر اور کبر وغرور کا باعث نہ ہوں ۔ اسی طرح دوسری مباح چیزیں جو حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھیں، جیسے بیری وغربال وغیرہ، اور بعض بدعتیں حرام بھی ہوتی ہیں جیسے کہ مبتدعین اور نفس کے بندوں کے مذاہب جو اہل سنت وجماعت کے خلاف ہیں ۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں دیکھئے کیا فرمارہے ہیں ۔

البدعۃ منقسمۃ الی الاحکام الخمسۃ لانہا اذا عرضت علی القواعد الشرعیۃ لم یخل عن واحد من تلک الاحکام فمن البدع الواجبۃ علی الکفایۃ الاشتغال بالعلوم العربیۃ الواجبۃ

[1] اشعۃ اللمعات : ص ۱۲۵، ج ۱، شیخ عبدالحق محدث دہلوی

المتوقف علیها فہم لکتاب الصرف والنحو واللغۃ والمعانی والبیان قال الشیخ عزالدین بن عبد السلام فی آخر کتاب القواعد البدعۃ اما واجبۃ کتعلم النحو المفہم لکتاب اللہ تعالیٰ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتدوین اصول الفقہ والکلام فی الجرح والتعدیل واما محرمۃ کمذاہب الجبریۃ والمجسمۃ واما مندوبۃ کاحداث الرباط والمدارس وغیرہا مما کان احداثہ لم یعہد فی الصدر الاول کالتراویح ای بالجماعۃ العامۃ والکلام فی دقائق التصوف واما مکروھۃ کزخرفۃ المساجد وتزویق المصاحف یعنی عند الشافعیۃ واما مباحۃ کالمصافحۃ عقب الصبح والعصر والتوسع فی لذیذ الماکل و المشارب والمساکن وتوسیع الاکمام، وقال الشیخ علی المتقی فی جوامع الکلم البدعۃ منقسمۃ الی واجبۃ ومحرمۃ ومکروھۃ ومباحۃ والطریق فی ذلک ان تعرض البدعۃ علی قواعد الشرع فان دخلت فی قواعد الایجاب فہی واجبۃ او فی قواعد التحریم فمحرمۃ او فی الندب فمندوبۃ او فی المباح فمباحۃ[1]

"بدعت پانچ اقسام پر منقسم ہے۔ کیونکہ جب اسے قواعد شرعیہ کے معیار پر تولا جائے گا تو ان احکام میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگی تو بدعات میں سے بدعت واجبہ کفایہ یہ ہے کہ علوم عربیہ میں انہماک ہو جو واجب ہیں۔ جن پر کتاب اللہ کا فہم و درک منحصر ہے جیسے علم نحو وصرف، لغت، معانی اور بیان، الشیخ عزالدین بن عبد السلام کتاب القواعد کے آخر میں فرماتے ہیں۔ بدعت یا تو واجب ہوگی جیسے علم نحو کی تحصیل جس کے ذریعہ سے کتاب اللہ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سمجھا جاتا ہے ــــ اور

[1] سیف الابرار المسلول علی الفجار، ص ۳۲، ۳۱،

جیسے اصول فقہ کی تدوین اور راویوں کی جرح وتعدیل سے بحث ، بدعت حرام بھی ہوتی ہے ، جیسے جبریہ ومجسمہ کے مذاہب ، مستحب بھی ہوتی ہے جیسے مدارس اسلامیہ اور مسافر خانے اور دوسری ایسی چیزوں کی ایجاد جو قرن اول میں نہ ہوں ، اور جیسے تراویح عام جماعت کے ساتھ اور تصوف وسلوک کے اسرار ورموز کے سلسلہ میں کلام ومباحثہ ، بدعت مکروہ بھی ہوتی ہے جیسے شوافع کے نزدیک مساجد ومصاحف کی تزئین وآرائش ، کبھی بدعت مباح بھی ہوتی ہے جیسے نماز فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی ترویج اور لذیذ مطعومات ومشروبات اور مکانات کی آرائش میں فراخی کی راہ اختیار کرنا ۔ ـــــــ شیخ علی متقی نے جوامع الکلم میں فرمایا ۔ بدعت کی چند قسمیں ہیں ۔ واجب ، حرام ، مکروہ ، مباح اس کی شناخت کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو اصول شرع کے معیار پر پیش کیا جائے ، اگر ایجاب کے اصول کے تحت شامل ہو تو واجب ، تحریم کے اصول پر مشتمل ہو تو حرام مستحبات کے قواعد کے تحت آئے تو مستحب یا اباحت کے اصول پر منطبق ہو تو مباح ؛

قلب ونظر کی مزید سکون وطمانیت کی خاطر مسند الفقہا ء علامہ ابن عابدین شامی کے چمن کی سیر کی جائے دیکھئے کیسے کیسے گل بوٹے نگاہوں کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں ۔ صاحب درمختار کے قول (صاحب بدعۃ) کے تحت رقم طراز ہیں

قولہ صاحب بدعۃ ای محرمۃ والا فقد تکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی اھل الفرق الضالۃ وکعلم النحو المفھم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو مدرسۃ ورباط وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع فی لذیذ الماکل والمشارب والثیاب لہ

لہ (الف) ، شامی ج ۱ ، ص ۲۹۳ ، (ب) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ،

صاحبِ بدعت[۱] یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے۔ ورنہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے، جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لئے دلائل سے استدلال، علم نحو کی تحصیل جس سے قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں۔ مستحب بھی ہوتی ہے، جیسے سرائے اور مدرسے جیسی چیزیں تعمیر کرنا۔ اور ہر وہ نیک کام جو زمانۂ اول میں نہ رہا ہو۔ مکروہ بھی ہوتی ہے، جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت و فراخی کی راہ اختیار کرنا"
محفلِ میلاد و قیام جیسے مستحسن امور کی تردید میں شیخ مجدد سرہندی علیہ الرحمہ کی بعض عبارتوں کا غلط سہارا لے کر ان امور کو بدعت سیئہ کے دائرے میں کھینچنے کی ناروا کوشش عام ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجدد الف ثانی جمہور علمائے اسلام کے مخالف نہیں بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ وہ تمام نئے امور جن کی اصل سنت و شریعت سے ثابت ہو وہ بدعت ہی نہیں بلکہ وہ سنت ہی کے دائرے میں داخل ہیں یعنی جن امور کو دیگر علماء بدعت حسنہ یا واجبہ یا مستحبہ کے دائرے میں شمار کرتے ہیں ان سب کو مجدد صاحب خود سنت کے دائرے میں شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اس موقف کی روشنی میں تعظیم رسول اور ذکر رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے متعلق مذکورہ امور نہ صرف یہ کہ بدعتِ حسنہ ہوں گے بلکہ مسنون شمار ہوں گے۔ ان کے موقف کی توضیح ذیل کے حوالہ میں ملاحظہ ہو۔

فاطوار المشائخ فی الاذکار المرتبۃ والعبادات والمراقبات الموقتۃ من البدع الحسنۃ التی تلقاها الفحول من علماء الاسلام بالقبول واستحسنوا وحثوا علیها واشتغلوا بها بل لم یحسبوها بدعۃ ولم یرضوا باطلاق لفظ البدعۃ علیها کما هو مشهب مرشدنا الاعظم الامام الربانی المجدد للالف الثانی رحمہ اللہ، والامام لایطلق اسم البدعۃ علی القسم الاول ای الحسنۃ لوجود اصلہ فی الصدر الاول فالنزاع بینہ وبین الاقوال المتقدمۃ لفظی فقط[۲]

---

[۱] طریق النجات: ص ۸۸، [۲] منتخبات مکتوبات امام ربانی: ص ۱۰۰،

"مشائخ کرام نے مقررہ ذکر و مراقبہ اور معینہ عبادتوں کے جو طریقے ایجاد کئے ہیں،
یہ ان بدعاتِ حسنہ میں داخل ہیں جن کو نامور جید علمائے اسلام نے قبول کیا، اور
مستحسن قرار دیا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دی۔ اور
خود ان پر عمل پیرا بھی رہے، بلکہ وہ تو ان امور کو بدعت ہی نہیں خیال کرتے، اور
نہ ہی ان امور پر بدعت کا اطلاق پسند کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے مرشد امام ربانی
علیہ الرحمۃ والرضوان کا مسلک و مشرب ہے۔ امام ربانی نے قسم اول (بدعتِ حسنہ)
پر لفظ بدعت کا اطلاق اس لئے روا نہ سمجھا کہ قرونِ اولیٰ میں ان کی اصل موجود
ہے۔ (کما ذکرہ المحدث الدہلوی) تو امام ربانی اور گزشتہ اقوال کے قائلین جو حسنہ
وسیئہ کی تقسیم مانتے ہیں ان حضرات کے درمیان نزاع صرف لفظی ہے۔"

اسلام کے معتمد علماء کی اِن واضح تصریحات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ کر یقین کا درجہ حاصل کر چکی کہ وہ لفظ بدعت جس سے ایک قبیح تصور ذہن پر ابھرتا ہے، وہ اپنا ایک محدود دائرہ کار رکھتا ہے۔ لیکن ہر بدعت اس کے احاطہ سے باہر ہے مگر ہمارے عنوان میں منکرات کے ساتھ بدعات کا استعمال اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس سے مراد بری بدعات اور ناجائز امور ہیں۔ مفتی اعظم قدس سرہ نے امت کی اصلاح و ہدایت کے پیش نظر ہمیشہ ایسی بدعات اور تمام منکرات کی تردید فرمائی ہے اور کبھی کسی غیر شرعی امور پر نکیر فرمانے میں پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ اگلی سطور میں ان کے فتاویٰ کی روشنی میں اس دعوے کا ثبوت فراہم کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں اور حضرت کی ایمانی قوت، منکرات سے نفرت اور ہدایت و اصلاح کے بیکراں جذبات کا اندازہ کریں۔

مسلمانوں کی تکفیر

استفسار ہوتا ہے مسلمانوں کو کافر کہنا کیسا ہے؟ بعض کہتے ہیں کسی کو برا نہیں کہنا چاہیئے۔ جواب ذرا غور سے سنئے فرماتے ہیں۔

مسلمانوں کو کافر کہنا بہت سخت شدید جرم عظیم ہے۔ خود اپنے اوپر بلا وجہ کی تکفیر

عود کرتی ہے، جو کہتے ہیں کسی کو برا نہیں کہنا چاہئے وہ اسی وقت تک کہہ رہے ہیں جب تک ان کا معاملہ نہیں انہیں یا ان کے باپ بھائی یا کسی عزیز کو کوئی تم نے "تو" کہہ دے، بلکہ آپ نے "تم" کہہ دے تو دیکھیں کہ کیسے آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث تو کافروں کو کافر فرمائیں اور یہ ایسا کہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالیٰ اعلم،

استغفار برائے کافر

ایک سوال ہے زید نے اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا کہ سب مسلمان اپنے اپنے محلے کی مسجد میں جمع ہو کر فلاں نصرانی مرحوم کے لئے رحمت کی دعا کریں، لہٰذا زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

ج: زید بے قید اپنے اس اعلان ہادم ایمان کے سبب شدید گنہگار مستحق نار، مستوجب غضب جبار، اسے توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح چاہئے اگر بی بی رکھتا ہے۔ نصرانی یا کسی کافر کو مرحوم کہنا لکھنا حرام حرام حرام سخت اخبث واشنع بدکام ہے۔ اور اس کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعائے رحمت کرنا کرانا تکذیب قرآن ہے۔ قال تعالیٰ:

استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم وقال استغفرت لهم ام لم تستغفر لن يغفر الله لهم وقال تعالىٰ ولا تصل علىٰ احد منهم مات ابدا ولا تقم علىٰ قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فسقون وقال تعالىٰ ومن يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة وما وٰىه النار وقال تعالىٰ ما كان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولي قربىٰ من بعد ما تبين لهم انهم اصحٰب الجحيم ؀

"رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ آپ ان کی مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر بار

بھی طلب مغفرت کریں پھر بھی اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ فرماتاہے۔ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں ان کے لئے سب برابر ہے۔ اللہ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ فرماتاہے۔ تم کسی بھی کافر میت کے لئے دعائے رحمت نہ کرو، اور نہ ان کی قبروں کے پاس کھڑے ہو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور نافرمانی کی حالت میں مرگئے۔ خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا۔ جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اللہ نے اس پر جنت حرام فرمادی۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ نبی اور مومنین کی یہ شان نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔ اگرچہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ جبکہ ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ جہنمی ہیں۔"

تفسیرات احمدیہ میں حضرت سیدی عارف باللہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

المراد من الصلوٰۃ الدعاء للمیت والاستغفار لهم وهو ممنوع فی حق الکفار۔

"قرآن میں صلوٰۃ سے مراد میت کے لئے دعائے رحمت اور استغفار ہے۔ اور یہ کافر کے حق میں ممنوع ہے۔"

اسی میں ہے۔

الدعاء والاستغفار منع فی حق المیت الکافر۔ دعا و استغفار کافر میت کے حق میں مطلقاً ممنوع ہے۔

اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری میں دنیاوی معاملات سے بہت آگے نکل کر دینی مراسم کی ادائیگی بھی اپنی عالی ظرفی کا فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ کچھ کر جاتے ہیں جس کی خود غیر مسلموں کو نہ کوئی توقع ہوتی ہے نہ خواہش، ہندوستان میں گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی کی موت پر نام نہاد توحید پرستوں نے قرآن خوانی وغیرہ کا جو رول ادا کیا۔ اس کا خواہش مند کون تھا؟ مزید ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ سچے پکے موحد

ہیں، اور جو مسلمان اسے غلط اور برا سمجھنے والے ہیں وہ بدعتی اور مشرک،

ہنود کے میلوں میں شرکت

س: ہنود کا مشرکانہ میلہ جو بتوں کی پرستش کے لئے ہوتا ہے جیسے دسہرہ جنم اشٹمی درگا پوجا، ہولی وغیرہ جس میں مراسم کفریہ وشرکیہ کے علاوہ ہر قسم کے ناچ تماشے اور دیگر لہو ولعب ہوتے ہیں ایسے میلوں میں مسلمانوں کا بحیثیت تماشائی شریک ہونا کیسا ہے؟۔

ج: ایسے میلوں میں بحیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام اشد حرام، بہت اخبث نہایت ہی اشنع کام بحکم فقہائے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔ حدیث کا ارشاد ہے ــ من کَثَّرَ سواد قوم فھو منھم۔ جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔ خزانۃ الروایات میں ہے۔

فی الفصول قال الشیخ ابوبکر الطرخانی من خرج الی السدۃ فقد کفر لان فیہ اعلان الکفر وعلی قیاس مسئلۃ السدۃ الخروج الی نیروز المجوس والموافقۃ معھم فی ما یفعلونہ فی ذلک الیوم۔

"فصول میں ہے شیخ ابوبکر طرخانی فرماتے ہیں کہ جو شخص کفار کے میلوں میں گیا تو اس نے کفر کیا۔ کیونکہ اس میں اعلان کفر ہے۔ اور انہیں میلوں کے حکم میں ہے مجوسیوں کے یوم عید میں جانا۔ اور اس دن کے ان کے کاموں میں شمولیت اور موافقت بھی"۔

اسی میں ہے۔

کذلک الخروج فی اللیلۃ التی یلعب فیھا کفرۃ الھند بالنیران والموافقۃ معھم فیما یفعلونہ تلک اللیلۃ فیلزم ان یکون کفرا وکذا الخروج الی لعب کفرۃ الھند فی الیوم الذی یدعوہ الکفرۃ .... والموافقۃ معھم من تزیین البقور والافراس والذھاب الی دور الاشیاء یلزم ان یکون کفرا[1]

[1] فتاویٰ مصطفویہ ج ۱، ص ۸۸،

اور یوں ہی جس شب ہندی کفار آگ بازی کرتے ہیں اس میں شرکت اور جو افعال انجام دیتے ہیں ان میں ان کی موافقت سے کفر کا لزوم ہوتا ہے۔ یوں ہی کفار ہند کے ان میلوں میں جانا .... اور ان کے افعال کی موافقت، مثلاً گھوڑوں اور گایوں کی آرائش، اور مالداروں کے گھروں تک جانا ان امور سے بھی کفر لازم آتا ہے"۔

ان لوگوں پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم۔ واللہ تعالےٰ اعلم

فتاویٰ بزازیہ میں اس قدر اضافہ کے ساتھ ہے۔

واکثر ما یفعل ذلك من کان اسلم منھم فیخرج فی ذلك الیوم ویوافق معھم فیما یفعلونہ فی ذلك الیوم فیصیر بذلك کافرا ولا یشعر بہ۔

"بسا اوقات ان امور کا صدور ان افراد سے ہوتا ہے جو مجوسیت کے بعد ایمان لائے وہ اس دن اس میلے میں جاتے ہیں۔ اور انہیں جیسے افعال کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے غیر شعوری طور پر کافر ہو جاتے ہیں"۔

بحر الرائق اور شرح فقہ اکبر کی عبارتیں بھی اسی مضمون کی مؤید ہیں [۱]

کیا ان اقوال میں جذبۂ اصلاح وارشاد، ملّی روح اور دینی تڑپ کی کارفرمائی نظر نہیں آتی۔ بدعات ومنکرات کا استیصال کسی اور شئ کا نام ہے؟ اصلاح امت کے لئے صرف ان کی تردید وابطال ہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اسلامی فکر سے خوابیدہ قوم کے اذہان کو ہم آہنگ کرتے ہوئے رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ بلاشبہہ یہ آپ کے روحانی جذبۂ دین کی بہترین عکاسی ہے۔

مشرکوں کے تیوہار کی تعریف

س: زید نے کہا ہولی ان کا پاک تیوہار ہے۔ مگر یہ اس میں چوری کرتے ہیں۔ یعنی چوری کے مال سے ہولی جلاتے ہیں تو بکر نے جواب دیا کہ یہ ان

[۱] فتاویٰ مصطفویہ ج ۱، ص: ۹۷، ۹۵،

کا ناپاک تیوہار ہے۔ لڑکی ابھی گوبر لیپ کر گئی ہے۔ حکم فرمایا جائے۔ زید مذکور خارج از ایمان تو نہ ہوا۔

ج: زید بے قید توبہ کرے، تجدید ایمان کرے جس نے مشرکوں کے تیوہار کی تعریف کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

ہندؤں کا ایمان زبردست ہے یہ کہنا کیسا؟

س: زید کا وضو کرنے کی جگہ پر چشمہ اور ڈبی میں کچھ روپیہ رہ گیا۔ اعلان کے بعد ایک شخص نے روپیہ وغیرہ دیدیا۔ اس پر بکر نے یہ بات دیکھتے ہوئے بھی یہ کلمے ادا کئے کہ ہم لوگوں میں کوئی چیز گری ہوئی پالے تو دیتا ہی نہیں، اور ہندؤں میں اس بات کا اتفاق ہے کہ کوئی چیز گری ہوئی پالے تو معلوم ہونے پر دیدیتا ہے۔ تو ہم سے ہندؤں کا ایمان زبردست ہے۔ لاکھ درجے ایمان اچھا ہے۔ بکر پر حکم شرعی فرمایا جائے کہ ایمان ثابت رہا یا نہیں؟۔

ج: جس نے وہ بکا وہ توبہ کرے، تجدید ایمان، تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی منڈانا

س: زید داڑھی منڈاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے تو وہ داڑھی منڈاتے۔ ایسے شخص پر حکم شرع کیا ہے؟۔

ج: داڑھی شعار اسلام ہے۔ تمام انبیائے کرام کی سنت کریمہ ہے۔ زید نے وہ کلمہ بکا، حضور علیہ التحیۃ والثنار پر افترار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کے لئے اپنے پہلے حکم کے خلاف حکم دیتے۔ داڑھی منڈانا شعار کفر ہے۔ رکھنا شعار اسلام، شعار اسلام کو مٹنے اور شعار کفر کو اختیار کرنے کا حکم دیتے؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ کفار کی وضع پسند فرماتے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، اس نے دوسرا کلمہ شنیعہ فظیعہ خبیثہ لعینہ کفریہ بک کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کی۔ والعیاذ باللہ[1]

[1] فتاویٰ مصطفویہ ج ۱، ص: ۱۲۳،

سوانگ کا مسئلہ

س: زید مومن نے اپنے اہتمام سے سوانگ کرایا۔ اور مسجد سے بیس قدم کے فاصلے پر تخت جمایا، اور شور و غوغا کروایا۔ اس پر بکر کہتا ہے کہ زید پر کفر عائد، اس نے اپنی خوشی سے اپنے اہتمام سے سوانگ کرایا تو کیا از روئے شرع زید کافر ہو گیا۔ اور جن مسلمانوں نے سوانگ دیکھا کیا ان کے نکاح خارج ہو گئے، بعد اختتام یہ بھی کہا کہ رات اس نے نقل اچھی اتاری۔ تو اس طرح دیکھنے اور کہنے والے مسلمانوں کا ایمان درست رہا یا نہیں؟۔

ج: سوانگ یا کوئی تماشہ کرانا اس کا دیکھنا، اس سے لذت حاصل کرنا، اس کی تعریف کرنا، حرام حرام حرام ہے۔ سوانگ کرنے والے اگر کفر کرتے ہوں، کلماتِ کفریہ بکتے ہوں تو اس صورت میں جو اس سے راضی ہوا اس کی عورت اس کے نکاح سے خارج، اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے، تجدید اسلام کرے، اور عورت سے پھر سے نئے مہر پر نکاح کرے، وہ سب لوگ جنہوں نے سوانگ دیکھا، اس کی تعریف کی اشد گنہگار مستحق نار ہوئے۔ اور تحسین قول و فعل کفر کی ہو تو ان کا بھی حکم ہے کہ پھر سے مسلمان ہوں اور پھر سے نکاح بھی جدید کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ذکرِ شہادت میں سوگ منانا

س: امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوگ منانے کو مفتیٔ شرع نے بتایا حرام ہے۔ زید کہتا ہے جب ذکر شہادت ہوتا ہے تو لوگ روتے ہیں۔ یہ کیونکر؟ کیا سکوت کے عالم میں سننا چاہیئے۔ نہ خوشی کرے نہ رنج، حکم فرمایا جائے۔

ج: سوگ منانا اور بات ہے اور ذکر شہادت میں رقت طاری ہونا اور بات ہے۔ (یعنی سوگ منانا حرام ہے صرف بیوی کے لئے شوہر کی وفات پر سوگ تین دن منانا جائز ہے۔ اور ذکر شہادت میں محض رقت کے طاری ہونے کی وجہ سے اس پر سوگ کا اطلاق نہیں ہو سکتا) واللہ تعالیٰ اعلم،

محرم میں لنگر وغیرہ لٹانے کا حکم

س: محرم میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ صرف امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی نیاز ہونی چاہئے، اور کسی کی نہیں، اور ہرے کپڑے پہننا چاہئے۔ اور قلادہ جس میں سرخ اور ہرے رنگ کے گنڈے پڑے ہوتے ہیں اس کو گلے میں پہننا چاہئے۔ اور عطر وغیرہ نہ لگانا چاہئے۔ اور عشرہ سے تیرہ تک گھر میں جھاڑو نہ دینا چاہئے۔ اور کام بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ حکم فرمایا جائے کہ مذکورہ بالا کام درست ہیں؟

ج: یہ سب باتیں غلط ہیں۔ محرمیوں کی اختراع، ایسا کہنے اور کرنے والوں پر توبہ لازم، واللہ تعالیٰ اعلم، [۱]

ٹائی باندھنا

بعض لوگ مغربی تہذیب وتمدن پہ اس طور سے فریفتہ ہوئے ہیں کہ اسے اختیار کرنے اور تشہیر کرنے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے۔ انہیں یہ بھی فکر نہیں ہوتی کہ شریعتِ اسلامیہ نے کیا کیا حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ ۳ نومبر ۱۹۷۲ء مطابق شوال ۱۳۹۲ھ میں الجامعۃ الاشرفیہ مجوزہ عربی یونیورسٹی کے جشنِ افتتاح کے موقع پر حضور مفتی اعظم (علیہ الرحمہ) مبارکپور تشریف لائے۔ ایک صاحب انگریزی وضع کے دلدادہ اور جدید تہذیب کی مکمل تصویر ٹائی باندھے ہوئے آپ سے ملنے کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوئے۔ جب قریب آئے تو حضرت مفتی اعظم نے ان کی ٹائی پکڑی اور پوچھا یہ کیا ہے؟۔ پھر خود ہی فرمایا۔ یہ انگریزوں کی تقلید ہے جسے وہ صلیب کی جگہ استعمال کرتے ہیں، جو قرآن سے متصادم عقیدے پر مبنی ہے۔ آپ نے ان کے گلے سے فوراً ٹائی اتروائی۔ اور توبہ وغیرہ کرائی۔ اسی جگہ شمس العلما حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب جونپوری (علیہ الرحمہ) نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انگریز چونکہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دی گئی ہے اور وہ اپنے اس عقیدے کی

---

[۱] دامن مصطفےٰ مفتی اعظم نمبر ۱۹۹۰ء، ص: ۱۶۱،

بنا ر پر جگہ جگہ سولی کا نشان بناتے ہیں۔ اور اسے اپنے گلے میں بھی لٹکاتے ہیں۔ مگر ان کا یہ عقیدہ قرآن کے بالکل مخالف ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ انہیں نہ قتل کیا گیا، نہ سُولی دی گئی۔ بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔ ایسی صورت میں ان کا یہ گلے میں سولی لٹکانا زنّار باندھنے کی طرح ہوا ایسے صلیبی نشان کی جگہ انہوں نے ٹائی کے استعمال کو رواج دیا ہے، جو کسی طرح ایک مسلمان کے لئے درست نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایسا کیا تو اسے توبہ و تجدید ایمان کرنا ہوگا، جیسے بت کے آگے سجدہ کیا تو توبہ و تجدید ایمان کی ضرورت ہے[1]

اس طرز اصلاح کی سادگی پر سیکڑوں رعنائیاں قربان یہ کمال ادا اور عروجِ وفا سب کا نصیب کہاں ؏

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہ ایسی خوبیاں ہیں جن سے ہر کہہ و مہ بہرہ ور نہیں ہوتا، بلکہ یہ خاص عطیۂ خداوندی ہے، اور مخصوص انعام الٰہی۔

س: زمانۂ عرس میں مسجد کی چہار دیواری سے ایک دیوار پر دونوں جانب ذوبتیں مع نفیری بجوائے کیا یہ گناہ نہیں؟ اگر ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے

ج: مسجد کی دیوار کو اپنے کام میں لانا حرام نہ کہ اس پر یہ کچھ نجاست ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم،

مسجد میں دنیاوی لغویات

س: مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، فحش و غیبت، لغویات، خلافِ شرع کام، لڑائی جھگڑا کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔

ج: مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا تو ناجائز ہے۔ فحش و غیبت کا کیا پوچھنا جو خود حرام

---

[1] استقامت مفتی اعظم نمبر، ص ۳۸۸،

ہیں۔ اور مسجد میں سخت تر حرام ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،
غنیہ میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں۔ یجب ان تصان من حدیث الدنیا
دنیاوی باتوں سے مسجدوں کو بچانا واجب ہے۔ اسی میں ہے۔ والکلام المباح
فیہ مکروہ ویاکل الحسنات کما تاکل البھیمۃ الحشیش۔ مباح کلام مسجد
میں مکروہ ہے۔ وہ نیکیوں کو ایسے ہی نگل جاتا ہے جیسے چوپایہ گھاس کو، یہ
مضمون خود حدیث شریف میں موجود ہے۔ یہی علامہ اسی غنیہ میں فرماتے ہیں،
کذا ذکرہ صاحب الکشاف۔ اسی مضمون کی حدیث صاحب کشاف نے ذکر
کی ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا دریافت کرنا جائز ہے —— حدیث
پاک میں فرمایا گیا۔

من سمع رجلا ینشد فی المسجد ضالۃ فلیقل لا ردھا اللہ علیک

فان المساجد لم تبن لھذا۔

جو شخص کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کی تلاش میں آواز لگاتے ہوئے سنے تو کہے کہ خدا
وہ تجھے واپس نہ دلائے کیونکہ مساجد اس کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

ان لوگوں پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

ان ارشادات راشدہ کی روشنی میں اپنے کردار و عمل کی خبر لیجئے کیا آپ کی
روش اس سے ہم آہنگ ہے۔ اگر نہیں تو اپنے خسارے کا سامان کیوں فراہم
کرتے ہیں؟

س: مسجد میں چھوٹے بچے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے اپنے بچے
خود ہمراہ لاتے ہیں۔ اکثر نماز ہوتی ہے اور یہ لوگ شور مچاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان
کے والدین سے کہتا یا ان بچوں کو ڈانٹتا ہے تو وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں
ان کا کیا حکم ہے؟۔

ج: جو لوگ مساجد میں اپنے بچوں کو لاتے ہیں یا ان کے بچے جاتے ہیں وہ انہیں
نہیں روکتے، روکنے والوں سے لڑتے ہیں، گنہگار ہیں۔ ان ارشاد حدیث سید

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ومخالفت کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا۔

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم واقامۃ حدودکم وسل سیوفکم

"تم اپنی مسجدوں میں بچوں اور پاگلوں کو نہ داخل ہونے دو۔ اس میں خرید وفروخت لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ اس میں آواز بلند نہ کرو۔ نہ اس میں حدیں قائم کرو۔ اور اس میں اپنی تلواریں نیام سے باہر نہ کرو۔"

غنیہ میں ہے۔

یجب ان تصان عن ادخال المجانین والصبیان لغیر الصلوٰۃ۔

"یہ ضروری ہے کہ مسجدیں مجنونوں اور بچوں کو نماز کے علاوہ داخل ہونے سے بچائی جائیں۔"

ذرا چشم دل سے ملاحظہ تو کریں کہ یہ کیسی ضیائیں ہیں۔ جن سے نہاں خانۂ دل جگمگاتے جا رہے ہیں۔ افکار کے زاویے روشن ہوتے جا رہے ہیں۔ آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں۔ کیا یہ نور اس قابل نہیں کہ اسے دامن میں جگہ دی جائے۔ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا۔ ایمان کا تاج ہمارے سروں کی زینت ہے۔ سنت کی قبا ہمارے ہی شانوں پہ سجنی چاہیئے۔ اس خلعتِ بے بہا کے حقدار ہم ہی تو ہیں۔ ہمارا ہی کاروان فکر شہنشاہ کونین کے گداؤں کی صف اول کا امین ہے۔ ہمارے ہی اذہان اس دامن نوری کے فیض کرم کے خوشہ چیں ہیں۔ ہماری وابستگی کس درجے ہے کبھی غور کیا؟ آہ! جس کی زلف گرہ گیر کی اسیری کا دعویٰ، اسی سے یہ برگشتہ روی، اسی سے دامن چھڑانے کی سعی، یہی سبب ہے کہ نگاہیں ہماری جانب اٹھتی ہیں۔ طنز، طعنہ وتشنیع بھری نگاہیں۔ ہم کیا تھے کیا ہوگئے ہم خود ہی اس کے سزاوار ہوئے۔ لیکن ان سیہ بخت گھٹاؤں میں بھی کامرانی وسرفرازی کی قندیلیں ہمیں کو فروزاں کرنی ہیں۔ کاروان شوق وعشق کو منزل دوام ہمیں ہی بخشنا ہے۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی

طاعت پر اجرت

س : ایک شخص نمازِ جنازہ پڑھانا جانتا ہے پھر نہیں پڑھاتا ، بلکہ یہ کہتا ہے کہ گاؤں کی نکاح خوانی کے حقوق مجھے دیئے جائیں ، اور لوگ میری زمین کی لگان میری جانب سے اپنی جیب سے ادا کریں تو پڑھاؤں ۔ ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے ؟ ۔

ج : طاعت پر اجرت ٹھہرانا حرام ہے ، یہی اصل مذہب ہے ۔ متأخرین نے بخوفِ ضیاع بعض طاعت کا استثنار کیا ہے ۔ وہ وہی ہیں جن میں ضرورت ظاہرہ ہے ۔ پھر خاص طاعت پر عقد کرنا تو برا ہی ہے ۔ کسی کے نزدیک نہ چاہیئے ——— دربارۂ اجرت بر طاعت شامی میں فرمایا ۔

قد اتفقت کلمتھم جمیعا علی التصریح باصل المذھب من عدم الجواز ثم استثنوا بعدہ ما علمتہ فھذا دلیل قاطع وبرھان ساطع علی ان المفتیٰ بہ لیس من جواز الاستیجار علی کلِّ طاعۃ بل علیٰ ما ذکرہ فقط مما فیہ ضرورۃ ظاھرۃ تبیح الخروج عن اصل المذھب ۔

"ان تمام فقہاء کے الفاظ اس صراحت پر متفق ہیں کہ اصل مذہب یہی ہے کہ طاعت پر اجرت ناجائز ہے ۔ پھر اس کے بعد فقہائے عظام نے کچھ کا استثنار فرمایا ، جسے آپ ابھی جان چکے ۔ پس یہ اس بات پر دلیل قطعی اور برہان روشن ہے کہ مفتی بہ قول یہ نہیں کہ ہر طاعت پر اجرت لینی جائز ہے ، بلکہ صرف مذکورہ چیزوں پر اجرت لینا جائز ہے کیوں کہ ان میں ایسی واضح ضرورت ہے جو اصل مذہب سے رجوع کو مباح کر دیتی ہے ۔"

پھر صاحب بحر کا قول جوہرہ کے حوالے سے اور شیخ رملی کا حاشیہ بحر کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ۔

اقول المفتی بہ جواز الاخذ استحسانا علی تعلیم القرآن لا علی القراءۃ المجردۃ کما صرح بہ فی التاتارخانیہ حیث قال لا معنی لھٰذہ الوصیۃ ولصلۃ القاری بقرائتہ لان ھٰذا بمنزلۃ الاجرۃ والاجارۃ فی ذالک باطلۃ وھی بدعۃ ولم یفعلھا احد من الخلفاء وقد ذکرنا مسئلۃ تعلیم القرآن علی استحسان یعنی للضرورۃ ولا ضرورۃ فی الاستیجار علی القراءۃ علی القبر الخ ۔

میں کہتا ہوں کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے پر اجرت لینا استحساناً جائز ہے ۔ مگر صرف قرآن پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں، جیسا کہ اس کی تصریح تاتارخانیہ میں موجود ہے ۔ انہوں نے فرمایا کہ اس وصیت کا کوئی معنی نہیں ، اور قاری کا قرآن پڑھنے پر صلہ لینے کا کوئی مطلب نہیں ، کیوں کہ وہ اجرت کے مرتبہ میں ہے، اور اس پر اجرت کے لین دین کا معاملہ باطل ہے ۔ اور یہ ایسی بدعت ہے جسے خلفاء میں سے کسی نے نہ کیا ۔ رہا تعلیم قرآن کا مسئلہ تو ہم نے بتایا کہ وہ استحسان یعنی ضرورت کی بنیاد پر ہے ۔ اور قبر پر قرآن خوانی کے لئے اجرت لینے کوئی ضرورت نہیں ۔"

پھر اجرت بھی کیسی معقول کہ نکاح خوانی کے حقوق مجھے دیئے جائیں ۔

نیز فتاویٰ عزیزیہ میں ہے ۔

قاعدۂ اجارہ آنست کہ بر واجب ومندوب منعقد نمی شود وتعلیم القرآن فرض بالکفایہ ومندوب علی العین پس محل اجارہ نیست وتعلیم قرآن را متاخرین جائز داشتہ اند، کہ اجرت بقرآن کرد اما مراد ایشاں ہمیں تعلیم است کہ در وے افعالِ

اِجارہ کا قاعدہ یہ ہے کہ واجب ومستحب پر یہ منعقد ہی نہیں ہوتا ۔ اور تعلیم قرآن فرض کفایہ اور مندوب عین ہے ۔ تو یہ محلِ اجارہ نہیں ، اور تعلیم قرآن کو متاخرین نے جائز فرمایا کہ قرآن پر اجرت ٹھہرائی ہے ۔ اس سے ان کی مراد وہ تعلیم ہے جس میں تعلیم قرآن کے علاوہ دوسرے ایسے افعال بھی مشروط ہوں جو محلِ اجارہ

دیگر ورائے تعلیم مشروط باشند کہ محلِ اجارہ تواتند شد نہ محض تعلیم مثلاً شخصے بیاید کہ مرا فلاں آیت تعلیم کنی و ایں از وے مزدوری خواہد کہ ایں اجرت بالاجماع بین المتقدمین و المتاخرین حرام است

ہو سکتے ہیں نہ کہ صرف تعلیم قرآن جیسے کوئی شخص آئے کہ مجھے فلاں آیت سکھا دیجئے اور یہ اس سے اجرت طلب کرے تو ایسی اجرت متقدمین و متأخرین دونوں کے یہاں بالاجماع حرام ہے ———

اسی میں فرمایا۔

نکتہ دراں کہ اجارہ برادائے طاعت خواہ فرض باشد خواہ نفل، جائز نیست، آں است کہ شخصے مباشر طاعت شدہ است بحکم وعدۂ الٰہی مستحق اجرت اخروی گشتہ پس اگر اجر دنیوی از مخلوق براں طلب نماید اجتماع اجرین و عوضین در حق یک کس بیک فعل لازم خواہد آید، مثل آنکہ شخصے اجیر خاص یک کس قرار یافتہ او را نمی رسد کہ اجیر خاص شخص دیگر شود درہماں وقت،

کسی بھی طاعت پر خواہ فرض ہو یا نفل اجرت لینا جائز نہیں، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص طاعت بجالایا تو بحکم وعدۂ الٰہی اجرت اخروی کا مستحق ٹھہرا تو اگر مخلوق سے بھی اس پر اجرت دنیوی طلب کرے ——— تو شخص واحد کے لئے ایک کام کے بدلے دو دو اجر و عوض کا اجتماع لازم آئے گا ——— جیسے کوئی شخص ایک خاص آدمی کی ملازمت قبول کرے تو اسے یہ حق نہیں پہونچتا کہ کسی دوسرے شخص کا بھی خاص اسی وقت میں ملازم بن جائے۔

÷ ÷ ÷

کذا فی الھدایۃ

ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

لا تحل اخذ الاجرۃ علی الامامۃ والتاذین بالشرط،

اذان و امامت پر مشروط طور پر اجرت لینا جائز نہیں۔

یہاں امامت صلوٰۃ جنازہ پر وہ اجرت ٹھہرا رہا ہے۔ اور اجرت بھی کیا؟ نکاح خوانی کے حقوق، تو یہ ناجائز در ناجائز ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم [۱]

---

[۱] ——— فتاویٰ مصطفویہ، ج ۲، ص: ۵۶،۵۷،

دوستو! تصورات کی دنیا سے باہر نکل کر حقائق کی دنیا میں قدم رکھو، دیکھو تمہارے کردار کے چمن کتنے خزاں رسیدہ ہوگئے۔ انہیں بہاروں سے آشنا کرو انہیں زندگی کی دھڑکنیں عطا کرو۔ یہ تمہاری ہی ذمہ داری تو ہے۔ خواب غفلت میں کیوں پڑے ہو۔

غیر عربی میں جمعہ کا خطبہ پڑھنا

س: جمعہ کا خطبہ غیر عربی میں اردو آمیز پڑھنا کیسا ہے؟۔

ج: جمعہ کا خطبہ خالص عربی ہو، خطبۂ جمعہ میں کسی اور زبان کی آمیزش مکروہ اور خلافِ سنت ہے[1] ——— اس بدعت سیئہ کی ترویج میں وہی حضرات پیش پیش تھے جو مستون اور مستحسن امور پر بڑی بے باکی سے ناجائز اور بدعت ہونے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ مگر اس مکروہ کو ایسا محبوب بنالیا کہ اس کے لئے دور کی کوڑی لاکر اسے رواج دینے کی سعی ناکام میں مبتلا ہوئے۔ حضور مفتی اعظم اور شیر بیشۂ اہلسنت کے فتاویٰ نے ان کے لبوں پر مہر سکوت ثبت کردی۔ اس کے عدم جواز کے سلسلے میں مختلف فتاویٰ اشاعت سے ہمکنار ہوئے۔ شیر بیشہ اہل سنت نے اپنے رسالہ "السنۃ السنیہ فی کون الخطبۃ بالعربیہ" مطبوعہ بریلی میں نقایہ، ہدایہ، کفایہ، مجمع الانہر در منتقی شرح ملتقیٰ، درمختار، فتاویٰ عالمگیری، شرنبلالیہ، حاشیۂ درر، مراقی الفلاح برجندی، عینی، شرح کنز، ردالمحتار، فتح القدیر وغیرہا کتب فقہیہ کے حوالے سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک قرارت، خطبہ اور تشہد پہلے غیر عربی میں جائز مع الکراہت تھے لیکن آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں اپنے صاحبین کے قول کی جانب رجوع فرمالیا۔ اور عدم جواز کا قول ہی صحیح، مفتیٰ بہ، معتمد اور مختار ٹھہرا۔ اس لئے امام صاحب کے قول اول کی بنیاد پر غیر عربی میں جواز خطبہ کی راہ باقی نہ رہی۔ یوں آپ نے مسلکِ حق کے قلعہ کو اپنی قلم کی جولانی

---

[1] فتاویٰ مصطفویہ، ج ۲، ص ۵۰۰،

اور خدا داد فہم و فراست اور قوت ادراک کے ذریعہ استحکام بخشا۔ مزید تفصیل کے لئے نفس رسالہ کا مطالعہ کیا جائے ——— "فتاویٰ علماء الہند علیٰ منع الخطبۃ بغیر العربیۃ" مطبوعہ ترکی استنبول میں بھی اس کی تفصیل مذکور ہے جس میں امام نووی کی تصنیف "روضہ" اور فتح المعین، ردالمحتار اور شرح منہاج کے حوالے سے علامہ رملی وغیرہ کے اقوال قلمبند کئے گئے ہیں۔ اور کافی شرح وبسط کے ساتھ اس کا پورا مستحکم ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ غیر عربی میں خطبہ دینا مکروہ اور بدعت سیئہ ہے۔

مزامیر کے ساتھ قوالی

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ حضور پر نور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا تو بہت کمزور ہو گیا ہے۔ تجھ کو نماز معاف ہے۔ ہر سال قوالی مزامیر کے ساتھ عرس میں کراتا ہے۔ خود سنتا اور لوگوں کو سنواتا ہے۔ ایسا فعل کرنا یا ایسے کی تعظیم کرنا کیسا ہے؟۔

ج: اس سے اس کی کیا شکایت کہ وہ اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے جب وہ اپنے لئے نماز ہی معاف جانتا ہے ما علیٰ مثلہ یعد الخطاء جبکہ اس کی عقل کا دیا اس کی کھوپڑی میں ٹمٹما رہا ہے (المعتمد المستند، ردالمحتار، شفا شریف سے ایسے اشخاص کے بارے میں حوالہ جات نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں) اس کا یہ قول صریح کفر ہے، اور حضور پر نور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر عمداً افتراء قبیح، یہ یوں بھی کفر ہے۔ اور فرضیت نماز کا انکار ہے، یوں بھی، اس قائل کے کافر اور مستحق عذاب نار ہونے میں کیا شک ——— والعیاذ باللہ تعالےٰ، ایسے سے قوالی مع مزامیر سننے سنانے یا کسی حرام کے ارتکاب کی کیا شکایت، بد مذہب کی تعظیم بھی حرام ہے جب تک ایسے لوگ توبہ نہ کریں مسلمان ان سے میل جول موقوف رکھیں، واللہ تعالیٰ اعلم

محترم ناظرین! نفس قوالی کے بارے میں تو مختلف مشاہیر امت کے مختلف

اقوال ملتے ہیں۔ لیکن مزامیر کے ساتھ قوالی کی حرمت پر تو اجماع امت ہے۔ فریقین اس موڑ پر آکر متفق دکھائی دیتے ہیں ـــــــ لیکن آج جبکہ معاشرہ کی نیرنگی حرمت و حلّت سے بالاتر ہو کر سوچنے کی عادی ہو چکی ہے۔ رقص و سرود اور نغموں کے ہجوم میں مزامیر کے ساتھ قوالی کی حرمت پر کس کی نگاہِ التفات اٹھتی ہے؟۔

کیا تثویب بدعت ہے؟

س: اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنا کیسا ہے بعض لوگ اسے بدعتِ سیئہ کہتے ہیں اور اگر جائز ہے تو ہر وقت کی اذان کے بعد کہہ سکتے ہیں یا کسی خاص وقت میں؛ اور دیگر اوقات میں جائز نہیں۔

ج: صلوٰۃ بعد اذان، اعلام بعد اعلام ہے۔ بلاشبہہ یہ جائز و مندوب و حسن مستحسن ہے، عامۂ کتبِ معتبرہ میں اس کا جواز مزبور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسانِ بدعتِ سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے ـــــــ بیشک ہر وقت کی اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کا یہی حکم ہے مگر مغرب کہ اس میں اعلام بعد اعلام کی ضرورت نہیں، لوگ اذان کے ساتھ ہی خود چلے آتے ہیں۔ اور اگر مغرب میں بھی کہیں تو حرج نہیں۔ اکابر ائمہ اور فقہاء متاخرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مطلقاً سب نمازوں میں جماعت کے لئے حسبِ عرف عام وعادتِ اہل ہر بلد (شہر) جو کچھ بھی وہ مقرر کرلیں، تثویب کو جائز و مستحسن فرمایا۔ درمختار میں ہے۔

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ الا فی المغرب۔

سوائے مغرب کے سبھی نمازوں میں اذان اقامت کے مابین اپنے اپنے عرف کے مطابق تثویب جائز ہے

ردالمحتار میں نہر سے اور اس میں مجتبیٰ سے ہے۔

کتنحنح او قامت قامت او الصلاۃ الصلاۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلک جاز۔

جیسے کھانس کر یا قامت قامت کہہ کر یا الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ایجاد کرلیں تو بھی جائز ہے۔

شامی میں عنایہ شرح ہدایہ سے نقل فرمایا۔

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر۔ وما رآہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسنٌ۔

"متاخرین نے نماز مغرب کے علاوہ ہر نماز میں اپنے عرف کے اعتبار سے اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کو جائز قرار دیا۔ باوجودیکہ پہلی یعنی تثویب فجر کو بھی جائز رکھا۔ اور مسلمانوں کا سواد اعظم جسے مستحسن سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی مستحسن ہے۔"

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔

واستحسن المتاخرون التثویب فی کل الصلوات ھو الاعلام بعد الاعلام بحسب ما تعارفہ اھل کل بلدۃ بین الاذانین۔

متاخرین نے ہر نماز میں تثویب کو اچھا سمجھا ہے ــــ تثویب اس کا نام ہے کہ اعلان کے بعد اعلان ہو اذان و اقامت کے درمیان ہر شہر والوں میں جیسا عرف ہو، یہ اسی کے مطابق ہے۔"

ھدایہ میں ہے۔

والمتاخرون استحسنوہ فی الصلوات کلھا لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ۔

"متاخرین نے تثویب کو سبھی نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے۔ کیوں کہ دینی امور میں سستی رونما ہو گئی۔"

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

استحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلھا

"متاخرین نے سبھی نمازوں میں تثویب کو مستحسن جانا ہے۔"

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

وما استحسنہ المتاخرون وهو التثویب فی سائر الصلوات لزیادة غفلۃ الناس وقل ما یقومون عند سماع الاذان فیستحسن التثویب للمبالغۃ فی الاعلام۔

جسے متاخرین نے مستحسن شمار کیاہے وہ تمام نمازوں میں تثویب ہے۔ کیونکہ لوگوں کی غفلت میں کافی اضافہ ہوچکاہے۔ بہت کم لوگ اذان سنتے ہی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اعلان میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے تثویب مستحسن قرار دی گئی۔

اسی طرح بنایہ، کنز الدقائق، تبیین الحقائق، بحرالرائق، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ قاضی خاں، کفایہ، شرح النقایہ، فتاویٰ سراجیہ، جامع الرموز، ارکان اربعہ، اشعۃ اللمعات، مدارج النبوۃ، شرح سفرالسعادۃ، فتاویٰ حجۃ، فتح باب العنایۃ، نورالایضاح، مراقی الفلاح، نہایہ، مختصر وقایہ، غنیہ شرح منیہ، طحطاوی وغیرہا میں ہے۔ بلاد اسلامیہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں یہ تثویب بے نکیر جاری وساری ہے۔ اس کے بعد سیّد اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم علیہ الرحمہ کا فتویٰ نقل کرکے رقم طراز ہیں ——— بحمداللہ تعالےٰ کس قدر عظیم وجلیل ارشادوں شہادتوں سے ثابت ہوا کہ اذان کے بعد صلوٰۃ کہنا خوب مرغوب مستحسن ومندوب اور باعث اجر وثواب ہے۔ بدعتی وہ ہے جو ایسوں کو بدعتی بتائے۔ واللہ اعلم[1]

مزید داد تحقیق دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ بدائع میں ہے۔

ان مشائخنا قالوا لا بأس بالتثویب المحدث فی سائر الصلوات لفرط غلبۃ الغفلۃ علی الناس فی زماننا وشدة رکونهم الی الدنیا وتهاونهم بامور الدین فصار سائر الصلوات فی زماننا مثل الفجر فی زمانهم فان زیادة الاعلام من باب التعاون علی البر

---

[1] القول العجیب فی اجوبۃ التثویب، ص: ۲، ۳، ۴،

والتقوى فكان مستحسنا ولهذا قال ابو يوسف لا ارى بأسًا ان
يقول المؤذن السلام عليك يا ايها الامير ورحمة الله وبركاته
حيّ على الصلوٰة حيّ على الفلاح يرحمك الله لاختصاصهم بزيادة
شغل بسبب النظر فى امور الرعية فاحتاجوا الى زيادة اعلام نظراً
لهم ثم التثويب فى كل بلدة على ما يتعارفونه اما بالتنحنح او بقوله
الصلاة الصلاة او قامت قامت او بايك نماز بايك كما يفعل اهل
البخارى لانه الاعلام والاعلام انما يحصل بما يتعارفونه، والله
تعالىٰ اعلم[1]

"ہمارے مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ جو تثویب ہر نماز میں پیدا کی گئی ہے۔ اس میں
کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگوں کا تغافل بہت بڑھ گیا ہے — دنیاوی
امور کی جانب میلان اور دینی امور میں سستی عام ہوگئی ہے۔ تو ہمارے زمانے میں
تمام نمازیں ان کے زمانے کی فجر کے مثل ہوگئیں۔ (کیونکہ وہاں بھی علتِ جواز تغافل
ہے۔ اور وہی علت یہاں پائی جارہی ہے) زیادتی اعلام امورِ خیر اور تقویٰ پر تعاون
کے قبیل سے ہے، لہٰذا مستحسن ہوگی۔ اسی وجہ سے امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے
فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی حرج نہیں کہ مؤذن یہ کہے السّلام علیک یا ایہا الامیر و
رحمۃ اللہ وبرکاتہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم
فرمائے) کیوں کہ انہیں خاص طور پر رعایا کے کاموں کی دیکھ بھال کی وجہ سے زیادہ
انہماک ہوتا ہے۔ تو اس امر کی رعایت کرتے ہوئے انہیں زیادتی اعلام کی احتیاج
ہے۔ پھر ہر شہر کی تثویب وہاں کے عرف کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے کھانس کر، یا
الصلوٰۃ الصلوٰۃ یا قامت قامت، یا بایک نماز بایک کہہ کر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اہلِ
بخاری کا معمول ہے۔ کیونکہ یہ اعلام ہے اور اعلام عرف ہی کے اعتبار سے حاصل
ہوتا ہے ——— واللہ تعالےٰ اعلم

[1] فتاویٰ مصطفویہ، ص ۸،

اسی اصل کے متعلق صاحب ہدایہ کے قول واستبعدہٗ کے تحت ابوالحسنات مولانا عبدالحئی صاحب حاشیۂ ہدایہ میں فرماتے ہیں [۱]

اقول لا وجہ لاستبعادہٖ اولعلہ یسمع ما ورد فی الاحادیث من ان بلالاً کان یحضر بباب الحجرۃ النبویۃ ویخبرہ بالصلوٰۃ بعد ما اذن الفجر [۲]

"ان کے استبعاد کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث نہ سنی ہو کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوتے اور فجر کی اذان دینے کے بعد انہیں نماز کی خبر کرتے۔"

اگرچہ اس حدیث پاک میں صرف تثویب فجر کا تذکرہ ملتا ہے لیکن ابھی ماسبق میں بدائع کی عبارت گزر چکی کہ عوام الناس کی غفلت فجر میں تثویب کے استحسان کا سبب بھی وہی علت اس دور میں ہر نماز میں موجود نظر آتی ہے۔ اسی بناء پر جمہور متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تثویب آجکل مستحسن ہے۔ مذکورہ بالا تصریحات سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ علمائے جمہور کا تثویب کے استحسان پر اتفاق واجماع ہے۔ اس کے باوجود شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں۔

ومن یقول بین الاذان والاقامۃ فمرادہ المحدث والبدعۃ وھو لیس بجائز اتفاقاً [۳]

"تثویب کے سلسلے میں جو شخص اس کا قائل ہے جو اقامت واذان کے درمیان ہوتی ہے تو اس کی مراد وہ تثویب ہے جو نئی ایجاد شدہ اور بدعت ہے اور وہ اتفاقاً جائز نہیں۔"

---

[۱] امام محمد نے امام ابو یوسف کے اس قول کو مستبعد خیال کیا جو ابھی بدائع کی عبارت میں گزرا۔ اسی پر محشی علام فرماتے ہیں۔ [۲] ہدایہ ج ۱ ص ۸۹ [۳] تقریر ترمذی، ص: ۱۱

ماشاء اللہ! آپ کی شانِ تحقیق کی داد دینی پڑتی ہے۔ اذان و اقامت کے درمیان تثویب کا جواز ابھی ابھی حدیثِ بلال سے زمانۂ رسول میں ثابت ہو چکا۔ پھر اسے بدعت اور نئی ایجاد کہنے کا کیا معنیٰ؟ اور اگر علی سبیل التنزل اس حدیث پاک سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم اسے بدعت ہی تسلیم کر لیں تو کیا ہر بدعت عدم جواز ہی کے زُمرے میں آتی ہے۔ مزید براں مذکورہ بالا حوالہ جات اس امر کی تصدیق کے لئے کافی ہیں کہ ان مصنفین و فقہاء کے نزدیک تثویب مستحسن ہے۔ تو اگر وہ ان کی عبارات کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھ رہے ہیں تو دانستہ طور پر انہیں مروجین بدعت کی صف میں لانا چاہتے ہیں۔ یا یہ عبارتیں انہوں نے دیکھی ہی نہیں؟۔ عدم جواز کے حکم کو ان شواہد کے ہوتے ہوئے اتفاقی قرار دینا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

بحالتِ مجبوری مسجد میں اذان

س: بارش کثرت سے ہو رہی ہے، اس حالت میں اذان مسجد کے اندر یا حجرہ کے اندر پڑھنا درست ہے؟ یہ بھی تحریر کر دیجئے کہ مسجد کے اندر پڑھے، یا حجرہ کے اندر پڑھے؟۔

ج: مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ چھتری لگا کر خارج مسجد اذان دیں۔ اور اگر بیرونِ مسجد کوئی جگہ ایسی ہو جہاں بارش سے بچے وہاں دے۔ حجرے یا دالان کے اندر گھس کر اذان دینے میں خصوصاً بارش کے وقت میں باہر آواز بھی کافی طور پر نہ پہونچے گی۔ اور اذان کا مقصد ہی حاصل نہ ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اذانِ خطبہ مسجد میں دینا

س: اذانِ خطبۂ جمعہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مسجد کے دروازے پر خارج از محل دی جاتی تھی اسے منبر کے قریب محلِ صلوٰۃ میں دلانا بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

ج: اذان مسجد کے اندر بدعت رافع سنت ہے۔ مدخل میں اسی فصل نہی عن الاذان فی المسجد میں فرمایا۔ انظر رحمنا اللہ وایاک الی ھذہ البدعۃ کیف

جوت الی بدع آخر الخ ۔ اوپر معلوم ہوچکا جس کی تفصیل ابھی ذیل میں مذکور ہوگی، ان شاء اللہ کہ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں، کہ اس سے غالباً اعلام غائبین نہیں ہوتا ۔ تو اندر اذان کہلوانا سنت کے مخالف اور اس کا رفع ہے اور اذان کو بے معنی کر دینا ــــــ مدخل میں ہے ۔

الاذان انما هو نداء الی الصلوٰۃ و من هو فی المسجد لا معنیٰ لندائہ اذ هو حاضر و من هو خارج المسجد لا یسمع النداء اذا کان النداء فی المسجد ۔

"اذان نماز کی جانب بلانا ہے جو مسجد میں ہے اسے بلانے کا کوئی مطلب نہیں کیوں کہ وہ خود موجود ہے ۔ اور جو مسجد سے باہر ہے جب مسجد کے اندر اذان دی جائے گی تو وہ سن ہی نہیں سکتا"

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، سنت متروک ہوگئی اور اس کی جگہ یہ بدعت رائج ہوگئی آنکھ کھول کر اپنے گرد و پیش جو یہ بدعت جاری دیکھی تو اب لاکھ کہو کہ یہ بدعت ہے اسے چھوڑو اور حدیث و فقہ سے ہزار ثابت کرو کہ یہ سنت ہے اسے اختیار کرو، مگر کون سنتا ہے بدعت سے استیناس، سنت سے وحشت، اس عادت نے قلب حقیقت کر دیا ۔ سنت کو بدعت کر ڈالا بدعت کو سنت، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،

امام ابن الحاج مدخل میں فرماتے ہیں ۔

انما هی عوائد وقع الاستیناس بها فصار المنکر بها کانہ یاتی ببدعۃ علی زعمهم فانا للہ و انا الیہ راجعون علی قلب الحقائق لانهم یعتقدون ان ما هم علیہ هو الصواب والافضل ولو فعلوا ذالک مع اعتقادهم انہ بدعۃ لکان اخف ان یرجیٰ لاحدهم ان یتوب ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم[1]

---

[1] فتاوی مصطفویہ، ج ۲، ص: ۱۱۱، ۱۱۲،

"یہ ایسی عادتیں ہیں جن سے لوگ مانوس ہو گئے ہیں۔ تو اب یہ اس سے روکنے والے کو اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ایک بدعت کو رواج دے رہا ہے۔ اِنا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون، خدا بھلا کرے حقیقتیں بدل گئیں۔ کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم درست اور راسخ مسلک پر ہیں۔ اے کاش! اگر وہ ان امور کا ارتکاب بدعت سمجھ کر کرتے تو اس سے کمتر گناہ ہوتا۔ کیونکہ اس سے توبہ کی امید تھی۔

اس کی توضیح و تفصیل پیش کرتے ہوئے جواب کے آغاز میں رقم طراز ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللّٰھم اِنی اَعوذ بک مِن ترکِ السنن واتیانھا۔ اذانِ خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم حضور نبی رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی۔ اور زمانۂ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالےٰ عنہما میں بھی ایک اذان اسی طرح دی جاتی رہی۔ جب زمانۂ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہو گئی تو حضرت نے ایک اذان، اذانِ خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی۔ اور اذانِ خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا ہشام کے زمانے میں وہ زوراء والی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی۔ اسی لئے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃً اپنی تصنیفاتِ عالیات میں برابر کھلی کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد اذان مسنون ہے۔ مسجد بمعنی موضع صلوٰۃ میں اذان مکروہ ہے۔ داخلِ مسجد اذان نہ دی جائے۔"

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں۔

الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ

"اذان یا تو اذان گاہ میں دی جائے گی یا مسجد سے باہر اور اقامت مسجد کے اندر کہی جائیگی"

علامہ طحطاوی حاشیۂ مراقی الفلاح میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل۔

یکرہ ان یؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔

اسی میں فتح القدیر سے ہے۔

فان لم یکن ثمہ مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد ——

"تو اگر مسجد میں اذان دینے کے لئے کوئی بلند جگہ نہ ہو تو مسجد کے بیرونی صحن میں اذان دی جائے"

قہستانی میں ہے ۔ لا یؤذن فی المسجد فانہ مکروہ ۔ عامۂ کتب میں ہے

لا یؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان نہ دی جائے ۔ نیز یکرہ الاذان فی المسجد

مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں۔

قولہ والمکان فی مسئلتنا مختلف یفید کون المعہود اختلاف مکانہما

وھو کذالک شرعًا والاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی

المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لا یؤذن فی المسجد

"ہدایہ کی عبارت "ہمارے مسئلہ میں جگہ الگ الگ ہے" اس بات کا افادہ کر رہی ہے

کہ اذان و اقامت کی جگہ جگہ الگ الگ ہونا ہی سلف سے معہود ہے ۔ اور شرعًا ایسا ہی

ہے ۔ اقامت کی جگہ اندرون مسجد ہے ۔ اور یہ ضروری بھی ہے ۔ مگر اذان کی جگہ

مئذنہ (تعمیر شدہ اذان گاہ) ہے ۔ اگر یہ نہ ہو تو مسجد کا بیرونی صحن ، اور فقہاء نے فرمایا

کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے گی"

امام اتقانی غایۃ البیان اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالےٰ

علیہما رفتح القدیر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں۔

ھو (ای الاذان) ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان

فی داخلہ اھ

"اذان مسجد یعنی حدود مسجد میں ذکر خدا کو کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ اندرون مسجد اذان

مکروہ ہے"

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ یکرہ الاذان فی المسجد

ولا یؤذن فی المسجد ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں

مگر بعض لوگ زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذانِ پنجگانہ کے لئے ہے ۔ اذان خطبہ

اس سے مستثنیٰ ہے ۔ مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر

ان کی راہ مسدود کر دی ہے۔ اس کی پوری خبرگیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی ہے، جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے۔ مدخل امام محمد بن الحاج میں نہی عن الاذان فی المسجد کی ایک خاص فصل قائم کر کے فرماتے ہیں۔ "فصل فی النہی عن الاذان فی المسجد"

وقد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار و علی سطح المسجد وعلی بابہ واذا کان ذلک کذلک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوہ احدھا انہ لم یکن من فعل من مضی۔ الثانی ان الاذان انما ھو نداء للناس لیاتوا الی المسجد ومن کان فیہ فلا فائدۃ لندائہ لان ذلک تحصیل حاصل ومن کان فی بیتہ فانہ لا یسمع من المسجد غالبا واذا کان الاذان فی المسجد علی ھذہ الصفۃ فلا فائدۃ لہ ومالیس فیہ فائدۃ یمنع۔ الثالث ان الاذان فی المسجد فیہ تشویش علی من ھو فیہ یتنفل او یذکر بفعل غیر ذلک من العبادات التی بنی المسجد لاجلھا وما کان بھذہ المثابۃ فیمنع لقولہ علیہ السلام لا ضرر ولا ضرار۔ اھ مختصراً

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ اذان دینے کے لئے تین جگہیں ہیں۔ منارہ سطح مسجد، اور مسجد کا دروازہ، جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان چند وجہوں سے ممنوع ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ ہمارے اسلاف کی روش نہیں۔ دوسری وجہ ہے کہ اذان لوگوں کو پکارنا ہے تاکہ وہ مسجد میں آئیں اور جو مسجد میں موجود ہے اسے پکارنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ اور جو گھر میں ہو، تو مسجد کے اندر کی اذان عموماً نہ سن سکے گا۔ اور جب اذان مسجد میں مذکورہ صورت پر ہو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور جو شئی بے فائدہ ہوتی ہے ممنوع ہوتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینے سے اس میں جو نفل وغیرہ ایسے اذکار وعبادات میں مصروف ہو جن کے لئے مسجد بنائی ہی گئی ہے اس سے وہ تشویش

میں مبتلا ہو جائے گا، پس یہ فعل ممنوع ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ نہ ضرر ہو، نہ ضرر رسانی۔

اذان اعلام غائبین کے لئے ہے۔ اذانِ خطبہ اعلام غائبین کے لئے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لئے جاننا نری زیادتی اور تغییرِ سنت ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اولِ عہد عثمانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لئے تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لئے اضافہ ہوئی۔ اس نے اس اذانِ خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔ مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا۔ اور جو شئی اپنے مقصود سے خالی ہوتی ہے باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر اذان، اذان ہی نہیں۔ ابھی مدخلِ امام ابن الحاج سے گزرا۔

اذا کان الاذان فی المسجد علیٰ ھٰذہ الصفۃ فلا فائدۃ لہ ومالیس فیہ فائدۃ یمنع۔

"جب اذان مسجد میں اس طور سے ہو تو کوئی فائدہ نہیں، اور بے فائدہ چیز ممنوع ہوتی ہے۔"

نیز علماء فرماتے ہیں۔

اذا خلا الشئ عن المقصود بطل۔	جب شئی اپنے مقصود سے خالی ہو جاتی ہے، تو بیکار ہو جاتی ہے۔

جو لوگ مسجد میں اذان دلاتے ہیں اور یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بلکہ ایک اذان کو باطل کر دیتے ہیں۔ جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں یقیناً مُعاتَب ہیں۔ اس وعید سے ڈریں۔

مَنْ تَرَکَ سُنَّتِیْ لَمْ یَنَلْ شَفَاعَتِیْ [1]	جو میری سنت ترک کرتے ہیں، وہ میری شفاعت نہ پائیں گے۔

---

[1] فتاویٰ مصطفویہ، ج۲، ص: ۱۰۷، ۱۰۸۔

اس طویل اقتباس اور علامہ محمد بن الحاج، علامہ ابراہیم حلبی، علامہ طحطاوی، قہستانی، علامہ اتقانی، اور امام بن الہمام صاحب فتح القدیر جیسے جلیل القدر فقہائے کرام کے اقوال کی نقل کے بعد اس پر مزید تبصرہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، لیکن مزید تفصیل کے لئے ان کتب کی طرف مراجعت فائدہ سے خالی نہیں ــــــ وقایہ اہل السنّۃ، سلامت اللہ لاہل السنۃ، مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ، سد الفرار، مقتلِ کذب وکید، مقتلِ اکذب واجہل، التحقیق الحسان، اذانِ خطبہ کہاں ہو، تنقید برمحل وغیرہا ــــــ ان کتبِ مذکورہ سے اس کی مکمل توضیح ہو جائے گی کہ اذان ثانی کس جگہ دینا سنت ہے۔ اور نام نہاد "موحدین" نے ایک بدعت کی ترویج کے لئے کتنا زور صرف کیا۔ اور کیوں؟ ان شواہد سے ان کا سارا بھرم کھلتا نظر آئے گا اور مسلک اہل سنت کی حقانیت کا آفتاب افق در افق اپنی درخشاں کرنیں بکھیرتا دکھائی دے گا۔

قبر پر اذان

س: قبر پر اذان دینا کیسا ہے؟۔

ج: اصل اباحت، حرمت یا کراہت عارض ــــــ

ھٰذا مما لا یخفی علی المبتدی فضلاً عن الماھر آیت کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم سے یہ امر ظاہر و باہر، تو جس بات سے قرآن عظیم نے منع نہ فرمایا، حدیث کریم نے اسے ممنوع نہ ٹھہرایا ہو تو وہ اپنی اصل اباحت پر ہے۔ اسے ممنوع و ناجائز بتانا شرع مقدس پر افترا ہے۔ یوں ہی کراہت کے لئے بھی دلیل خاص درکار ہے، بے دلیل خاص دعوی کراہت باطل، علما فرماتے ہیں ــــــ لَا بُدَّ لَھَا مِنْ دَلِیْلٍ خَاص (اس کے لئے کوئی خاص دلیل چاہیے) اذانِ قبر بھی ایسا ہی امر ہے، جس کے کرنے پر ممانعت کہیں بھی قرآن و حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں۔ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان اذانِ قبر کے سلسلے میں ظاہر ہے کہ وہ ذکر الٰہی و ذکر حضرت رسالت پناہی، جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ذکر الٰہی کی نسبت ارشاد ہے ــــــ واذکرہا

عند کل شجر وحجر ـــــ ہر پیڑ پتھر کے پاس یعنی ہر جگہ ذکرالٰہی کرو، تو قبر کے پاس اذان دینا اس میں داخل، پھر اذان ذکراللہ ہے۔ اور ذکرالٰہی دافعِ عذاب، بلکہ خاص اذان کا دافع عذاب ہونا حدیث سے ثابت ـــــ اذان دافع وحشت وباعث جمعیتِ خاطر اور میت پر اس وقت کی وحشت کا کیا پوچھنا ـــــ والعیاذ باللہ تعالیٰ، اذان سے تلقین اتم حاصل اور میت کو اس وقت تلقین کی حاجت، اور تلقین نزد قبر بتصریحات علمار مستحب ومستحسن، جس طرح ہو، حدیث میں ہے۔

مامن شئ انجی من عذاب	عذاب الٰہی سے نجات دلانے میں کوئی شئ
اللہ من ذکر اللہ۔	ذکرالٰہی سے بڑھ کر نہیں۔

حدیث ہی میں فرمایا۔

اذا اذن فی قریۃ امنہا اللہ	جس جگہ اذان کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن
من عذابہ فی ذلک الیوم	عذاب الٰہی سے مامون فرمادی جاتی ہے۔

حضور کا ذکر، ذکرالٰہی اور ذکرالٰہی بلاشبہہ باعث نزول رحمت الٰہی، و سکون وراحت قلب۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ القلوب ـــــ ذاکرین کی نسبت حدیث میں وارد، حفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ ـــــ کہ اللہ کو یاد کرنے والوں کو ملائکہ گھیرے میں لے لیتے ہیں اور رحمتِ خداوندی اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، اور اللہ کی جانب سے ان پر سکون قلب کی نعمت نازل ہوتی ہے۔ جہاں صالحین کا ذکر ہوتا ہے، وہاں نزول رحمت، پھر حضور سیّد الصالحین ہیں صلے اللہ علیہ وسلم خود ذکر سے دفع وحشت وحصول اطمینان ظاہر، اور حدیث میں دفع وحشت کے لئے اذان ہونا ثابت ـــــ جب حضرت سیّدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم جنت سے ارضِ ہند میں نازل ہوئے انہیں گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی، جب حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتر کر اذان دی تو دفع ہوئی ـــــ امام اجل

ابو سلیمان خطابی در بارۂ تلقین قبر فرماتے ہیں۔ لا نجد لہ حدیثاً مشہوراً (الیٰ قولہ) و کل ذلک حسنٌ ـــــ کہ ہم کو اس بارے میں کوئی حدیثِ مشہور تو نہیں ملتی لیکن یہ سب مستحسن ہے۔

امامِ اجل نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا۔

یستحب ان یقعد عند القبر بعد الفراغ ساعۃ قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمہ و یشتغل القاعدون بتلاوۃ القرآن والدعاء للمیت والوعظ والحکایات لاھل الخیر والصالحین۔

مستحب یہ ہے کہ تدفین سے فراغت کے بعد قبر کے پاس اتنی دیر بیٹھے رہیں جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے۔ بیٹھنے والے قرآن کی تلاوت میت کیلئے دعاء خیر وصلاح والوں کے واقعات اور وعظ میں مشغول رہیں۔"

حضرت شیخ محقق نے بعض علماء سے نقل فرمایا کہ نزد قبر کسی مسئلہ فقہی کا ذکر مستحب ہے۔ پھر خود فرمایا کہ مسئلہ فرائض زیادہ مناسب، اور فرمایا کہ ختم قرآن کریں تو یہ اولیٰ وافضل ہے۔ ان امور مذکورہ میں یعنی تلاوتِ قرآن نزد قبر و دعائے میت، و وعظ و ذکر صالحین میں بالخصوص کون سی حدیث وارد ہے۔ پھر یہ کیوں مستحب و مستحسن اور اذان کیوں ناجائز و نار وا ٹھہرے۔ بعض علماء نے اذان عند القبر کو سنت فرمایا اور وہ بنظر عمومات شرع ضرور فرد سنت مگر ہم اسے فرداً سنت نہیں جانتے یعنی ذکر سنت ہے۔ اور اذان افراد ذکر سے ایک فرد، نہ یہ کہ خود یہ اذان ہی سنت ہے۔ مگر مستحب و مستحسن قطعاً ہے، جس سے ممانعت سخت جرأت اور شریعت پر افترا و تہمت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [1]

مزید انشراح صدر کے لئے ایذان الاجر فی اذان القبر، اور جاء الحق مبحث اذانِ قبر کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

---

[1] فتاویٰ مصطفویہ، ج ۲، ص: ۲۹، ۳۰،

س: نماز کے بعد امام کو کس رخ پر

نماز کے بعد کس رخ پر دعا مانگنی چاہیئے

بیٹھ کر دعا مانگنی چاہیئے۔ ہر اوقات کی تفصیل علیحدہ معلوم ہونی چاہیئے۔
ج: امام مخیر ہے چاہے جس طرف انصراف کرے، خواہ داہنے ہاتھ یا بائیں ہاتھ، چاہے روبمشرق ہو کر بیٹھے، مگر جبکہ اگلی یا پچھلی صف میں کوئی مصلی اس کے محاذات میں ہو، مگر داہنے ہاتھ کا انصراف محبوب ہے۔ یعنی رُو بشمال ہو کر بیٹھے داہنے ہاتھ کو مقتدی ہوں بائیں کو قبلہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تیامن محبوب ہے۔ اور حضور کا انصراف یوں ہی ہوتا۔ حدیث مسلم میں ہے۔ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ۔ اور کانَ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں! بیان جواز کے لئے کہ کوئی اس مداومت سے یہ اعتقاد کرے کہ یہی حق، یہی لازم ہے کہ یوں ہی انصراف کرے۔ بہت بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیاسُر (بائیں جانب) بھی اختیار فرمایا یعنی روبجنوب پشت بشمال ہو کر تشریف رکھنا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لا يجعل احدكم للشيطان شيئا من صلاته يرى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره۔

تم اپنی نماز کا کوئی گوشہ شیطان کے لئے نہ بناؤ یعنی یہ سمجھو کہ صرف داہنی جانب مڑنا ہی درست ہے۔ میں نے بار ہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بائیں جانب رخ فرما کر دعا مانگتے۔

غلیہ شرح منیہ میں ہے۔

اذا تمت صلوٰة الامام فهو مخير ان شاء انحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه او جعل القبلة عن يساره وهذا اولى لما فى مسلم من حديث البراء كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا

ان تکون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجہہ فان مفہومہ ان وجہہ عند الاقبال علیہم کان یقابل من ہو عن یمینہ وذلک انما یکون اذا کان المسجد عن یمینہ والقبلۃ عن یسارہ وقیل معناہ حتی یقبل علینا بوجہہ قبل من ہو عن یسارہ فیفید الانصراف عن یمینہ لا انہ یجلس منحرفا بل یستقبلہم فی القعود بعد الانصراف عن یمینہ کما فی حدیث انس فی مسلم ایضا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وما فی الصحیحین وغیرہما حدیث ابن مسعود قال لا یجعل احدکم الخ۔ لا یعارض ذلک لانہ فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ذلک تعلیم للجواز مع محبتہ للتیامن واعتیادہ بہ۔ وہو ای الجواز مراد ابن مسعود فانہ انما نہی عن ان یری الانصراف عن الیمین حقا لا یجوز غیرہ والمراد من الانصراف الالتفات عن جہۃ الصلوٰۃ وہی القبلۃ اعم من ان یجلس بعدہ اولا (الی قولہ) وان شاء استقبل الناس بوجہہ ای وجلس لما فی الصحیحین وغیرہما عن سمرۃ بن جندب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجہہ وہذا اذا لم یکن بحذائہ ای فی مقابلتہ عند استقبال القوم مصلّ حتی لو کان بحذائہ مصلّ لا یستقبلہم بل ینحرف یمنۃ ویسرۃ سواء کان المصلی فی الصف الاول او فی الصف الاخر اذا لم یکن بینہما حائل۔ اھ

"جب امام کی نماز پوری ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بائیں جانب رخ کرے اور قبلہ کو اپنی دائیں جانب رکھے یا اپنی بائیں جانب کرے اور یہ اولیٰ ہے کیونکہ مسلم شریف میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو ہماری آرزو یہ ہوتی کہ ہم آپ کے دائیں جانب ہوں، تاکہ آپ اپنے رخ زیبا کے ساتھ ہماری جانب متوجہ ہوں۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ آپ کا روئے منور ان کی جانب متوجہ ہونے کے وقت اس کے سامنے ہوتا، جو آپ کی دائیں جانب ہوتا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب مسجد آپ کی دائیں جانب اور قبلہ بائیں جانب ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تاکہ ہماری جانب بائیں جانب والوں سے پہلے حضور کا رخ انور ہو ـــــ تو یہ داہنی جانب سے انصراف کا افادہ کرے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان سے منحرف ہو کر جلوس فرماتے ـــــ بلکہ داہنی جانب سے پھرنے کے بعد بیٹھنے میں انہیں کی جانب رُخ فرماتے جیسا کہ مسلم شریف میں بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم داہنی جانب انصراف فرماتے۔ اور جو بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا تم اپنی نماز میں سے کوئی حصہ شیطان کے لئے نہ بناؤ (جیسا کہ ابھی گزرا) یہ حدیث، حدیثِ انس کے معارض نہیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کو کرنا تعلیم جواز کے لئے ہے، باوجودیکہ تیامن آپ کو محبوب تھا۔ اور یہی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد بھی جواز ہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ داہنی جانب رخ کرنے ہی کو لازم سمجھے کسی دوسری طرف پھرنے کو ناجائز جانے۔ اور انصراف سے مراد جہت نماز یعنی قبلہ سے مڑجانا ہے ـــــ خواہ اس کے بعد بیٹھے یا نہ بیٹھے (الیٰ قولہ) اور اگر چاہے تو لوگوں کی جانب رخ کر کے بیٹھے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں سمرہ ابن جُندب سے مروی ہے کہ حضور جب نماز پوری فرما لیتے تو ہماری جانب رُخ انور سے متوجہ ہوتے۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ قوم کی جانب متوجہ ہوتے وقت سامنے کوئی مصلی نہ ہو کیونکہ اگر سامنے کوئی مصلی ہو تو لوگوں کی جانب متوجہ نہ ہو، بلکہ دائیں جانب یا بائیں جانب مڑجائے۔ خواہ مصلی پہلی صف میں ہو یا آخری صف میں ہو، جب درمیان میں کوئی حائل شئ نہ ہو۔"

یہ کچھ نہیں کہ فجر میں اس رخ پر انصراف کرے، ظہر میں اس رخ پر، عصر مغرب عشاء میں اس رخ پر، اولیٰ یہی ہے کہ رو بشمال کرے اور کبھی کبھی رُو بجنوب بھی بیٹھے

اور کسی صف میں اگر کوئی مصلی نہ ہو تو پشت بقبلہ رو بمشرق بیٹھ سکتا ہے ۔ واللہ اعلم[1]

ان اقتباسات سے عیاں ہے کہ مفتی اعظم قدس سرہ نے بھی اپنے والد گرامی کی طرح کسی بھی ناجائز و منکر چیز سے کبھی مصالحت نہ کی ۔ ہر وہ امر جو شریعت سے متصادم اور سنت کا مخالف نظر آیا اس پر سخت نکیر فرمائی ۔ گزشتہ اقتباسات آپ ایک بار پھر دیکھ لیں کہ کس شدت کے ساتھ انہوں نے بری باتوں سے پرہیز کی ہدایت فرمائی ہے ۔

یہ اسی کے قلم کا کرشمہ ہو سکتا ہے جس کا دل عشق مصطفٰے سے سرشار ، اتباعِ سنت پر نثار ، اور تحفظ شریعت کے لئے ہمہ وقت تیار ہو ، جو قول رسول کے خلاف کچھ گوارا نہ کر سکے ۔ جو ادائے محبوب سے متصادم کسی امر سے مصالحت روا نہ رکھے جو اہل اسلام کا سچا خیر خواہ ہو ۔ انہیں فکری و عملی بے راہ روی سے نکال کر جادہ مستقیم پر لانے کے لئے مستعد ہو ۔ جو مسلمانوں کی دنیا و آخرت بنانے اور سنوارنے کے جذبات سے آراستہ ہو ۔ جو بدعات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہو یقیناً ایسے ہادیانِ امت پر بدعات کی اشاعت کا الزام اپنی نظریاتی بدعات پر پردہ ڈالنے کی ایک مذموم اور منصوبہ بند کوشش سے زیادہ [illegible] ئی حیثیت نہیں رکھتا ۔ چونکہ امام احمد رضا قدس سرہ نے چودھویں صدی میں فروغ پانے والی فکری گمراہی اور رسول دشمنی کا شدت سے مقابلہ کیا ۔ اس لئے اپنی بد اعتقادی کو چھپانے کے لئے لوگوں نے امام موصوف کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراش لئے اور یہ توفیق نہ ہوئی کہ ان کی ہدایات سے اکتساب نور کرتے ہوئے اپنی گمراہی سے تائب ہوں ۔ خدا و رسول سے تعظیم و ادب کا رشتہ استوار کریں ۔ اور جادۂ حق پہ گامزن ہوں ۔

واللہ الھادی الی سواء السبیل ۔

---

[1] فتاوی مصطفویہ ، ج ۲ ، ص : ۶۰ ،

مختصر تعارف

تصانیفِ مفتی اعظم قدس سرہٗ

محمد شکیل شیش گڑھی، بریلوی درجہ سابعہ ۱۴۱۲ھ

حضور مفتی اعظم ہند علم و فضل کے تاجدار، کردار و عمل کے گوہر آبدار تھے۔ آپ ایک بافیض مدرس بھی تھے اور عظیم مرشد بھی، ایک پرخلوص داعی بھی، اور ایک تحریک آفریں قائد بھی، آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ دینی و ملی، سیاسی و سماجی خدمات سے لبریز ہے۔ ہر شعبۂ زندگی میں آپ کی پُرخلوص کاوشوں کے قابل تقلید نقوش موجود ہیں۔ اِن جملہ صفات کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک عظیم محقق و مصنف بھی ہیں۔ اور قابلِ اعتماد فقیہ و مفتی بھی، آپ کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات بہت زیادہ نہیں، مگر جو ہیں ان سے آپ کے بے پناہ علم و فضل، ذہانت و طباعی، دور اندیشی اور ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے ——— تلاش و جستجو کے بعد آپ کی تصنیفات کے متعلق اب تک جو علم ہو سکا ان کی مجموعی تعداد اڑتیس ہے ——— یہ مقالہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ تصنیفات، تالیفات اور حواشی،

تصنیفات:

(۱) القسورۃ علیٰ ادوار الحمر الکفرۃ

یہ رسالہ ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے اسے ۱۳۴۳ھ میں تصنیف کیا۔ اسی رسالہ کا جدید ایڈیشن "ایک اہم فتویٰ" کے نام سے ۹ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ کو مکتبۂ رضا دار الاشاعت بہیڑی سے شائع ہوا ہے۔ یہ ۴۸ صفحات پر بکھرا ہوا ہے ایک پاکستانی شاعر کی نظم بعنوان "فیصلہ کفر و اسلام" ۷، رجون ۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اس رسالہ میں شاعر کی نظم کے تین کفری اشعار کا حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے ردِّ بلیغ فرمایا ہے ——— اشعار ملاحظہ ہوں ؎

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو	مگر ہم اس بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں	وہیں پہونچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی	خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے قلم سے ان اشعار کفریہ کا رد ملاحظہ فرمائیں۔

رد شعر اوّل: اس شعر کے دونوں مصرعے کفر خالص ہیں۔ پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔ یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ کاملہ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کا رد و انکار ہے کہ ایک شئی ایسی بھی ہے جس پر خدا کی قدرت نہیں، اور اس پر اس کو قابو نہیں وہ اس سے عاجز ہے ——

تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللہ تعالے ان تمام باتوں سے منزہ و پاک ہے، جن کو ظالم کہتے ہیں — یہ سرے سے اُلوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ تو مصرعہ خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقتاً رد و ابطال کیا تو وہ اور جو اسے قبول کرے وہ ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا۔ جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہوگا ——

ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضروری ہے۔ یونہی کفر کو کفر ماننا، جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا کہ الاشیاء تعرف باضدادھا —— چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اندھا روشنی کی قدر کیا بتائے گا۔ اور دوسرے نے شک کیا۔ اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے۔ تو شک اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے۔ اور وہ بحالت شک ناممکن،

اور دوسرے مصرعہ میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا۔ تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا رتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث تر کفر ملعون ہوا اس دوسرے مصرعہ میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا۔ پہلے میں خدا کی اُلوہیت سے اسی لئے انکار کیا تھا۔

ردِ شعرِ ثانی: یہ اس کا دوسرا شعر جس کفر خاص ہے۔ مسلمانوں کا دین مقدس اسلام اللہ کو جسم و جسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔ مکان جسم ہی کے لئے مخصوص ہے۔ تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسم نہیں، نیز مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔ مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شئ اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم و قدرت سے ہر شئ کو محیط ہے ——— وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَئٍ مُحِیطٌ اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے۔ اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے۔ جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبہ میں نہیں لندن میں ہے، بے شک وہ اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کافر ہے۔

ردِ شعرِ ثالث: یہ اس کا تیسرا شعر بھی کھلا الحاد و زندقہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ خدا اور رام ایک ہیں۔ کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں ——— ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا، رام رام کر لیا بات ایک ہی ہے، حاصل وہی ہے۔ حالانکہ ہرگز خدا رام نہیں، اور ہرگز رام خدا نہیں ——— تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً سبحٰن اللہ عما یصفون سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک و منزہ ہے جن کو وہ بکتے ہیں۔ اللہ کو پاکی ہے ان باتوں سے جن کو یہ بتاتے ہیں۔ اور جن چیزوں میں شریک کرتے ہیں لہ

اس رسالہ پر ۲۰ اکابر علمائے اہل سنت کی تصدیقات ہیں۔ جن میں حضرت صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت صدر الافاضل مولینا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا سید غلام قطب الدین سہسوانی شُہیلِ ہند، حضرت محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد صاحب، حضرت مفتی تقدس علی صاحب، حضرت مفتی محمد حشمت علی صاحب قادری لکھنوی کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں ——— اس رسالہ کا لقبی نام "ظفر علی دمتر من کفر"

ہے اور عرفی نام "سیف الجبار علی کفر زمیندار" ہے۔

۲ القول العجیب فی جواز التثویب

یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا رسالہ ہے۔ جو حجم کے لحاظ سے تو چھوٹا ہے لیکن معانی و مفاہیم کے اعتبار سے نہایت ہی جامع ہے۔ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اذان کے بعد صلاۃ وسلام پکارنے کو دلائلِ ساطعہ و براہین قاطعہ سے ثابت کیا ہے ——— چند فتاویٰ پر مشتمل ہے نمونے کے طور پر ایک فتویٰ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: از شہر محلہ اعظم نگر ۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان کے بعد صلاۃ پکارنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت سیئہ بتاتے ہیں۔ اور جائز ہے تو ہر وقت کی اذان کے بعد کہہ سکتے ہیں یا کسی خاص وقت کہیں اور اوقات میں جائز نہیں، بیان فرمائیں، اجر پائیں۔

الجواب: اسے تثویب کہتے ہیں۔ اور وہ اعلام بعد اعلام ہے۔ بلاشبہ یہ جائز و مندوب و مستحسن ہے۔ عامہ کتب معتبرہ میں اس کا جواز مذکور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسانِ بدعتِ سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے۔ بے شک ہر وقت کی اذان کے بعد صلاۃ پکارنے کا یہی حکم ہے۔ مگر مغرب کہ اس میں اعلام بعد اعلام کی ضرورت نہیں۔ لوگ اذان کے ساتھ ہی خود چلے آتے ہیں۔ اور مغرب میں بھی کہیں تو حرج نہیں۔ اکابر ائمہ فقہاء متاخرین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے مطلقاً سب نمازوں میں جماعت کے لئے حسبِ عرف عام و عادات اہل ہر بلد (شہر) جو کچھ بھی وہ مقرر کرلیں۔ تثویب کو جائز و مستحسن فرمایا۔ درمختار میں ہے۔

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ الا فی المغرب

ردالمحتار میں نہر سے اور اس میں مجتبیٰ سے ہے۔

کتنحنح او قامت قامت او الصلاۃ الصلاۃ و لواحد ثوا اعلامًا مخالفًا لذالک جاز۔

شامی میں عنایہ شرح ہدایہ سے نقل فرمایا۔

احدث المتأخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوٰت سوی المغرب مع القاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن۔

منتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔

واستحسن المتاخرون التثویب فی کل الصلوات وھو الاعلام بعد الاعلام بحسب ما تعارفہ اھل کل بلدۃ بین الاذانین۔

ہدایہ میں ہے

والمتاخرون استحسنوہ فی الصلوات کلھا لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

واستحسن المتأخرون التثویب فی الصلوات کلھا۔

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

وما استحسنہ المتأخرون وھو التثویب فی سائر الصلوات لزیادۃ غفلۃ الناس وقل ما یقومون عند سماع الاذان فیستحسن التثویب للمبالغۃ فی الاعلام۔

اسی طرح بنایہ وکنز الدقائق وتبیین الحقائق وبحر الرائق وفتاویٰ عالمگیریہ وفتاویٰ قاضی خان وکفایہ شرح النقایہ وفتاویٰ سراجیہ وجامع الرموز وارکان اربعہ واشعۃ اللمعات ومدارج النبوہ وشرح سفر السعادۃ وفتاویٰ حجہ وفتح باب العنایہ ونور الایضاح ومراقی الفلاح ونہایہ ومختصر وقایہ وغنیہ شرح منیہ وطحطاوی وغیرہا میں ہے۔

بلاد اسلامیہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں یہ تثویب بے نکیر جاری وساری ہے

بدعتی وہ ہے جو ایسوں کو بدعتی بتائے ۔ واللہ اعلم[۲]

③ التکتہ علیٰ مراء کلکتہ

یہ مسئلۂ اذان کے سلسلہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا رسالہ ہے جو ۸ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں آپ نے بیان کیا ہے کہ اذان حدود مسجد یا فنائے مسجد میں ہو ، داخلِ مسجد مکروہ وممنوع ہے ۔ یہی ائمہ کی تصریحات ہیں ۔ اور یہی حدیث سے ثابت ہے ۔ حدود مسجد میں مسجد کی دیواریں ، فصیلیں دروازہ یہ سب داخل ہیں ۔ اس رسالہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ائمہ کی دس تصریحات پیش کی ہیں ۔ اور ان کی روشنی میں اپنے مدعی کو روشن تر بنا دیا ہے ۔ اور اذان سے متعلق علمائے کلکتہ کے شبہہ کا ازالہ ان الفاظ میں فرمایا ہے ۔

> شاید علمائے کلکتہ کو غلط خبر پہونچی یا اشتباہ ہوا کہ اہل حق دروازے سے احاطۂ بیرونی کا پھاٹک مراد لیتے ہیں نہ کہ عمارت مسجد کا دروازہ ، اور مسجد کی چہار دیواری سے باہر اذان دینا ضروری جانتے ہیں ۔ اور حدود مسجد میں مکروہ مانتے ہیں ، لہذا خلاف کا نام لیا لیکن اہل حق کا فتویٰ ، عمل ، رسائل ، سب شاہد ہیں کہ یہ اشتباہ محض بے اصل ہے ۔ ہم خود حدود مسجد میں اذان مانتے اور اسی کو زمانۂ رسالت سے ثابت کرتے اور ہمیشہ سے اسی پر عمل رکھتے ہیں ۔

اس رسالہ میں مولوی ولایت حسین صاحب ، اشرف علی ، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی ، مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری ، خاص طور سے آخر الذکرتین حضرات ملحوظ نظر ہیں ان سے چالیس سوالات کئے ہیں ۔ اور جواب کے لئے پندرہ دن کی مہلت دی ہے اور اس رسالہ کے آخری صفحہ پر یہ درخواست کی ہے کہ

① ہر سوال کے جواب میں پہلے صاف صاف لا یا نعم فرمادیں ۔ اس کے بعد تاویل وتوجیہ وغیرہ جتنی چاہیں فرمائیں ۔

② جوباتیں ثبوت طلب ہیں ائمہ معتمدین سے ان کے ثبوت مع حوالۂ صحیحہ کتب معتمدہ سے دیئے جائیں ۔ خالی زبانی ارشاد پر قناعت نہ ہو ۔

(۳) ہر سوال کا جواب نمبر وار عنایت ہو، بہت جگہ ایک سوال میں کئی کئی استفسار ہیں۔ ہر ایک کا جواب مرحمت ہو۔

(۴) چالیس سوال ہیں اگر باہم تقسیم فرمالیں تو فی کس تیرہ اور ایک ثلث یا دس آئیں گے۔ ہر ایک رات دن میں ایک ایک دینی سوال کا جواب عطا ہو تو دو ہفتہ سے کم میں ممکن، لہذا روز اول سے پندرہویں دن محض خالصًا لوجہ اللہ اعانتِ امرِ دین کے لئے جواب ارسال فرمادیں دینی معاملہ ہے، شرعی مکالمہ ہے علماء کو اس سے پہلوتہی کے کیا معنیٰ ؟

یہ رسالہ ۱۱/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو پایۂ تکمیل کو پہونچا۔

(۴) مقتلِ اکذب واجہل

یہ مسئلہ اذان سے متعلق حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا ایک رسالہ ہے جو ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے

اس میں مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی پانچویں تحریر کا حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے رد بلیغ فرمایا ہے۔ اور مولوی صاحب رام پوری کی یہ تحریر پہلی تحریروں سے بھی زیادہ اکذب واجہل ہے۔ مولوی صاحب رام پوری نے ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں انہوں نے اندرون مسجد اذان سے متعلق اپنی دلیلیں پیش کیں۔ اور فقہاء و شریعت پر افترا کیا۔ خود تراشیدہ اور گڑھی ہوئی عبارات پیش کیں۔ جھوٹی احادیث دل سے گڑھ کر بیان کیں۔ ادعا کیا اور مؤکد بحلف شدید کہ قسم ہے عرش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ ہم نے جو عبارات نقل کی ہیں وہ کتابیں سرکاری کتب خانہ میں موجود ہیں ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں ایک حرف کا تفاوت نہ پائیں گے

رام پوری صاحب کے اس اشتہار پر مفتی اعظم قدس سرہٗ نے درج ذیل سوالات کئے،

(۱) وہ کون سی کتاب ہے جس میں صلاۃ مسعودی کے حوالہ سے یہ عبارت صفحہ ۱۷ والی نقل کی ہے۔

(۲) اس کا مصنف کون ہے اور کسی نے کبھی اس کتاب کا کہیں حوالہ دیا ہے۔ اس وقت اس سوال میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگر وہ کوئی کتاب نہیں بلکہ وہ کسی قلمی کتاب کے حاشیہ پر کسی نے کچھ لکھ دیا ہے۔ تو وہاں ناقل نے اپنا نام لکھا ہے یا ایک گمنام کتابت

ہے۔ آپ اگر اسے زید یا عمر کی بتائیں تو اس بتانے پر کوئی دلیل شرعی ہے یا نری آپ کی زبان،

(۳) تصحیح نقل جس کتاب سے دکھائی جائے آیا اس میں صلاۃ مسعودی کے حوالہ سے بعینہٖ یہی اور اتنی ہی عبارت لکھی ہے۔ جو صفحہ ۱۰ پر نقل کی ہے یا کم و بیش ہے۔

(۴) کم و بیش ہے تو وہ پوری عبارت کیا ہے۔

(۵) اس عبارت میں بیرون مسجد کا لفظ صاف صاف موجود ہے یا نہیں ؟

(۶) اس عبارت میں اس مضمون کا حوالہ فتاویٰ خانی پر دیا یا نہیں ؟

(۷) فتاویٰ خانی میں مئذنہ ہے یا منبر ؟

اور اس رسالہ میں مفتی اعظم قدس سرہٗ نے مولوی صاحب رام پوری کے علانیہ فرار اور ان کی تحریر پر ایک سو چھبیس ضربات شمار کرائی ہیں۔

اور اس رسالہ کے آخری صفحہ پر مسئلہ اذان سے متعلق علمائے پشاور و کابل و کاشغر کی بزبان فارسی تصدیقات موجود ہیں ۔[۴۲]

(۵) حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرۃ

یہ رسالہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۳۴۲ھ میں بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اور ممانعت حج کی بنا مضمون نگار نے اس پر رکھی ہے کہ شریف ظالم ہے اور اس کے مظالم قرامطہ جیسے ہیں۔ اور اس وقت علماء نے ممانعت فرمائی تھی۔ اب بھی ممانعت ہونی چاہیئے۔ اس قیاس، قیاس مع الفارق سے لکھ دیا کہ "حج ناروا ہے" شریف کے نو مظالم گنائے ہیں، جن میں بعض مندرجہ ذیل ہیں،

(۱) دنیا کو معلوم ہے کہ شریف حسین نے جنگ یوروپ میں عیسائیوں کا شرمناک اور خلاف اسلام ساتھ دیا۔ اور نصاریٰ کی دیرینہ مخالفت خلافت کو اپنی بغاوت سے قوی کر کے نظم اسلام و مسلمین کی پراگندگی میں کافی مدد کی۔ اور محض ذاتی منفعت کے واہمہ اور دنیاوی عزت و مفاد کے تخیل میں دین و آخرت، عزت و استقامت اور اپنی حقیقی شوکت و وقعت کو برباد کر دیا۔ جس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو عہد قرامطہ میں ہوا تھا۔ اور اب تک اس کے غارت گر آثار باقی و جاری ہیں۔

(۲) کیا انکار کیا جا سکتا ہے کہ نصرانیوں کی فوج ارض مقدس حجاز مکہ حرم میں نہ داخل ہوئی اور بحر احمر کے ساحل پر نہ اتری۔

(۳) کیا فخری پاشا گورنر مدینہ کا فریب سے محاصرہ نہ کیا گیا۔ اور مدینۃ الرسول کے شیوخ وسادات جلا وطن اور غارت نہ کیے گئے۔

(۴) کیا مخدرات مدینہ طیبہ پر مظالم نہ ہوئے ۵ء

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے اس رسالہ میں ان لیڈروں کا بالغ رد فرمایا ہے، اور فرضیت حج کے بعد فی الفور حج کی ادائیگی واجب ہے اس کا روشن ثبوت دیا ہے،

(۶) مقتل کذب وکید

یہ رسالہ ۷۶ صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔ اس میں مسئلہ اذان میں مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری

یہ رسالہ رام پور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہٗ فرق ارد و میں اندراج نمبر ۲۵۳ ہے۔ ۲۵ ر ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو پہلی بار بریلی سے شائع ہوا ہے

(۷) وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان

یہ کتاب ۷۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں مکمل کی گئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع اعلیٰ پرنٹنگ بریلی سے شائع ہوا تھا ـــــــ اس کے اندر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب بسط البنان پر اور مولوی قاسم نانوتوی کی تحذیر الناس پر بھرپور تنقید کی گئی ہے اس کے اندر تھانوی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں سے ایک سو تیس سوالات کئے گئے ہیں ـــــــ یہ سوالات کتاب الکادی فی العادی والغادی (۱۳۳۰ھ) اور القثم القاصم للداسم القاسم (۱۳۳۰ھ) اور اشد الباس علیٰ عابد الخناس (۱۳۲۸ھ) (جو تحذیر الناس کا رد ہے) اور نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطان وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔ یہ سوالات مسلک دیوبند پر بھرپور وار ہیں۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے جو گرفتیں کی ہیں وہ بہت مضبوط ہیں۔ یہی وہ وار ہیں جنہیں نیزہ کی مار کا عنوان دیا گیا

ہے ۔ یہ مجموعہ سوالات بذریعہ رجسٹری جناب تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے ۔
جن کے جوابات سے وہ تاحیات عاجز رہے ۔ اور ان کی پوری جماعت تا قیامت
ان شاء اللہ عاجز رہے گی ۔

سوالات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو ۔

سوال اول : ——— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا جو قرآن عظیم میں منصوص اور مسلمانوں کے ضروریاتِ دین سے ہے صرف یہ لفظ ضروریات سے ہے ۔ معنیٰ کچھ گڑھ لیجئے ۔ یا ان کے کوئی معنیٰ ضروریات سے ہیں ۔ بر تقدیر ثانی وہ معنیٰ کیا ہیں ؟ ۔

سوال دوم : ——— جو معنیٰ کہ ایک شخص نے تیرہ سو برس کے بعد تراشے اور ان کے ایجاد بندہ ہونے کا خود بھی مقر ہوا اور وہ مقر نہ ہوتا تو سلف صالحین سے آج تک کسی سے ان کا منقول نہ ہونا خود ان کے حدث پر شاہد عدل ہو گیا ۔ وہ ضروریات دین سے ٹھہریں گے یا وہ معنیٰ جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وائمہ دین سے متواتر اور عام مسلمانوں میں دائر وسائر ہیں وہ ضروریاتِ دین سے ہوں گے ، ضروریاتِ دین کے کیا معنیٰ ہیں ؟

سوال سوم : ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وائمہ دین نے خاتم النبیین کے یہی معنیٰ بتائے کہ حضور سب سے پچھلے نبی ہیں ۔ بعثت اقدس کے بعد اب کوئی جدید نبی نہیں ہوگا ، یا یہ بتائے ہیں کہ حضور نبی بالذات ہیں ۔ اور انبیاء نبی بالعرض ہیں ۔ اور ما بالعرض کا قصہ ما بالذات پر ختم ہو جاتا ہے ۔ یہ معنیٰ خاتم النبیین اگر بتائے ہوں تو ثبوت دیجئے ۔ نہ بتائے ہوں تو اقرار کیجئے کہ واقعی یہ حادث محدث ہے ۔ اور ضروریاتِ دین سے وہی معنیٰ اول ہیں ؟ ۔

سوال چہارم : ——— جو معنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وائمہ دین بتاتے آئے ان کو خیال عوام کہنے والا ضروریاتِ دین کا منکر ہے یا نہیں ؟ اور سبھی صحابہ وائمہ حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ معنی قرآن مجید سے جاہل و

ناتمام ٹھہرایا یا نہیں ؟ ایسا ٹھہرانے والا کافر ہے یا مسلمان سنی ہے ؟ یا بد دین بندۂ شیطان ؟ ؎

اس رسالہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے تھانوی صاحب کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی ہے کہ تھانوی صاحب آپ نے دیکھا کفر کی مدد کرنے والا اور بڑھ کر کفر در کفر بر کفر میں پڑتا ہے۔ تھانوی صاحب ابھی آپ کی سانس کا ڈورا چل رہا ہے۔ اپنے کلام کو کفر مان چکے، اپنے آپ کو کافر مان چکے۔ اب ایمان لانے، مسلمان ہونے، اپنے جدید اسلام کا اعلان کرنے، پھر زوجہ شریفہ راضی ہوں تو ان سے جدید نکاح کرنے میں کیا عذر ہے۔ ہم تمہارے بھلے کی کہتے ہیں —— وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ؎ یہ رسالہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا مناظرۂ فرق اردو میں اندراج نمبر ۲۹۸ ہے۔

---

⑧ الموت الاحمر

یہ کتاب ۸۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۸ر صفر المظفر ۱۳۲۷ھ کو پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۳۹۴ھ میں مکتبۃ الحبیب سے طبع ہوا، جو ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں مسلک دیوبند پر بھرپور نقد وتبصرہ کیا گیا ہے۔ اور حق کی حقانیت کو واشگاف کیا گیا ہے۔ اور مذہب دیوبند پر بڑے ٹھوس اعتراضات اور مضبوط مواخذے کئے گئے ہیں۔ اس کے اندر کل اسّی سوالات ومواخذات ہیں۔ تیس بحث اول میں، دس بحث دوم میں، بیس بحث سوم میں اور بیس تذئیل ہیں۔ مسئلہ خاتمیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر فقہی کی بحثیں بھی نہایت تحقیق کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

عقائد دیوبند سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ رب عزوجل کا جھوٹا ہونا ممکن ہے۔ مولوی اسمٰعیل نے دلیل یہ دی ہے کہ آدمی تو جھوٹ پر قادر ہے۔ خدا قادر نہ ہو تو آدمی کی قدرت اس سے بڑھ جائے۔ اس عقیدہ کا مدلل ومفصل رد "سبحٰن السبوح" از امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ میں ملاحظہ ہو۔ حضرت مصنف فرماتے ہیں۔

مولانا غلام دستگیر مرحوم نے اس پر نقض کیا کہ یوں تو تمہارے خدا کا چوری کرنا اور شراب پینا بھی ممکن ہو جائے کہ آدمی چور اور شرابی ہوتے ہیں۔ خدا سے نہ ہو سکے تو آدمی سے قدرت میں گھٹ رہے۔ اس پر دیوبند کے بڑے معتمد مولوی محمود الحسن دیوبندی نے ضمیمہ اخبار نظام الملک ۲۵ر اگست ۱۹۰۹ء میں صاف چھاپ دیا کہ چوری، شراب خوری، جہل ظالم ہے، معارضہ کم فہمی معلوم ہوتا ہے۔ غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت بندہ سے زائد ہونا ضروری نہیں۔ حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے جو مقدور العبد ہے وہ مقدور اللہ ہے۔ اس پر حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا تیور اور ان کی گرفتیں ملاحظہ ہوں۔

یہ تو آنکھیں بند کر کے کہہ ہی بھاگے اور آپ تھانوی صاحب ظاہری وغیرہ جس دیوبندی یا کسی قسم کے وہابی سے پوچھئے یہی کہے گا۔ ورنہ امام الطائفہ کی دلیل کیسے بنائے گا۔ کیا اسے گمراہ بددین ٹھہرائے گا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے معبود کو تمام ذلتوں ، خواریوں، فاحشہ عیبوں گھنونی باتوں کا قابل بتایا ہے۔ اب ان کے خدا کا جوف دار کھگل ہونا تو امکان شراب خوری سے ظاہر، انسان کا شراب پینا یہی ہے کہ باہر سے شراب اپنے جوف میں داخل کرے۔ ان کا خدا اگر کھگل نہ ہو گا اس پر قادر نہ ہو گا۔ تو قدرت انسان سے گھٹا رہے۔ رہے کروڑوں خدا وہ یوں سمجھئے، فرمائیے چوری کیا ہے۔ پرائی ملک بے اس کی اجازت کے اس سے چھپا کر لینا، اپنی ملک کسی کے پاس سے لینے کو بکے پاگل کے سوا کوئی چوری کہہ سکتا ہے۔ اور ہو بھی تو یہ صورۃً چوری ہو گی نہ حقیقۃً، اور آدمی حقیقی چوری پر قادر ہے جس کا نفس وجود بے ملک غیر عقلاً ناممکن و نامتصور، محال بالذات مجمع الاضافات، تو چند باتیں قطعاً ثابت ہوئیں۔

(۱) بعض اشیاء خدا کی ملک سے خارج اور دوسرے کی ملک مستقل ہوں، جب تو چوری کر سکے گا۔

(۲) وہ دوسرا مستقل خدا ہے کہ اگر تقریر تحذیر الناس کے طور کا خدا بالعرض ہوا۔ تو مالک بھی بالعرض ہو گا اور اس چیز کا بھی مالک بالذات، پھر اللہ واحد قہار رہے گا اور چوری ناممکن ہو گی۔

(۳) جب وہ دوسرا مستقل خدا ہے تو ازلی ابدی ہوگا یہ نہیں کہ امکان سرقہ (چوری) کے لئے اس کا امکان کفایت کرے اور بالفعل موجود نہ ہو کہ خدا کا وجود واجب ہونا لازم نہ کہ محض ممکن۔

(۴) انسان لاکھوں کروڑوں اشخاص کی چوری کر سکتا ہے خدا اگر ایک ہی کی چوری کر سکے زیادہ پر قادر نہ ہو تو انسانی قدرت سے گھٹ رہے۔ لہذا واجب کے لاکھوں کروڑوں ازلی ابدی خدا موجود واجب الوجود ہوں تو قطعاً ثابت ہوا کہ دیوبندیہ وہابیہ کروڑوں کروڑوں خداؤں کے پجاری ہیں۔ ہے تھانوی وغیرہ کسی دیوبندی یا وہابی میں دم کہ اس کا جواب لا سکے۔ کذالک العذاب و لعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔

---

(۹) طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد

یہ رسالہ ۱۳۴۱ھ

میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے تحریر لیا۔ اس کا خطبہ عربی میں ہے اور طویل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی فصیح و بلیغ ہے۔ عربی ادب کا ذوق رکھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خطبہ کا ایک جملہ ہے۔

وحرم علی عبادہ موالاۃ سائر الکفرۃ والمشرکین۔ اور اس نے اپنے بندوں پر کفار و مشرکین سے تعلق و دوستی حرام فرمائی۔ اس سے رسالہ کے مضمون کی طرف اشارہ ملتا ہے اسے اہل بلاغت کی اصطلاح میں براعتِ استہلال کہتے ہیں اس رسالہ میں اہل کفر و شرک سے محبت و مودت اور وداد و اتحاد کی حرمت بتائی گئی ہے۔ اور اہل ایمان کو بڑے جوش و محبت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اور احساس کمتری کے شکار مسلمانوں کو ان کا صحیح مقام و منصب بتایا گیا ہے کہ اگر سچے پکے اور حقیقی مسلمان بن جائیں تو ان ہی کے لئے سربلندیاں ہیں مسلمان کسی کے دست نگر نہ بنیں۔ اور رب تعالےٰ پر اعتماد و بھروسہ رکھیں۔ اور

اسس کے احکام پر عمل کریں۔ اسی میں ان کی کامیابی کا راز مضمر ہے ـــــ اس میں حضرت مصنف نے مسلمانوں کو ان کی پچھلی تاریخ یاد دلائی ہے کہ اے مسلمانو! پہلے تم کیا تھے، اور اب کیا ہو گئے ہو۔ اور یہ جو کچھ بھی ہوا ہے تمہارے کرتوتوں کے سبب ہوا ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ ہدایتوں اور نصیحتوں کو قرآن واحادیث سے مدلل کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ (طرق الہدیٰ الخ) جو باعتبار حجم بہت مختصر ہے مگر نہایت ہی مدلل وجامع ہے، مخالفین کے زعم باطل، خیال عاطل اور وہم فاسد کا قامع ہے۔ (رسالہ ہذا ص ۲۵ مطبع فیض منبع سنی بریلی، محلہ سوداگراں) اھ

رسالہ ۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے۔ جس کا مناظرہ فرق اردو میں اندراج نمبر ۲۸۵ ہے۔ جسنی پریس بریلی کا چھپا ہوا ہے۔ اس رسالہ پر آخر میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب سنبھلی، حضرت مفتی عبدالسلام، حضرت مولانا حسنین رضا، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مفتی سید محمد میاں اولاد رسول مارہروی، حضرت مفتی برہان الحق مولانا محمد طاہر رضوی، مولانا محمد اسمٰعیل بلہری وغیرہ علیہم الرحمۃ والرضوان کی تصدیقات ہیں

---

⑩ فتاویٰ مصطفویہ

بریلی شریف کے دارالافتاء سے ماضی قریب میں جتنے فتاویٰ صادر ہوئے ہیں شاید ہی کسی اور جگہ سے اتنے فتاویٰ لکھے گئے ہوں۔ آپ کے والد ماجد امام الفتاویٰ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے ساتھ ساتھ کئی پشتوں سے لوگ مرجع فتاویٰ رہے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے تو اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال فتاویٰ صادر کرنے ہی میں گزارے۔

دنیا کے گوشہ گوشہ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات پہونچتے۔ اور آپ ان کا تشفی بخش اور تحقیقی جواب قلمبند فرماتے۔ صرف امام احمد رضا قدس سرہ کے قلم سے لکھے جانے والے فتاویٰ سے ایک ایک ہزار کی بارہ جلدیں بن گئی ہیں، جن میں سے آٹھ

جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ فتاویٰ کی تعداد بھی عظیم ہے۔ اس طرح فتویٰ نویسی کی خدمت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو ورثہ میں ملی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بعد اس مسند سے سب سے زیادہ فتاویٰ صادر کرنے والی شخصیت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ ہی کی ہے۔ ممالک عرب، امریکہ، افریقہ، یوروپ اور برصغیر کے گوشے گوشے سے آئے کثیر سوالات کے شرعی جوابات آپ نے تحریر فرمائے ہیں[۱۲]

یہ کتاب (فتاویٰ مصطفویہ) ۱۳۴۹ھ تک کے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے دو جلدوں میں مولانا فیضان علی رضوی بیسلپوری نے مکتبۂ الرضا بیسلپور ضلع پیلی بھیت سے شائع کیا[۱۳]

(۱۱) اِدخال السّنان

یہ رسالہ ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ بسط البنان کا دوسرا ردو جواب ہے۔ اس کے بارے میں خود مصنف علیہ الرحمہ (الموت الاحمر) میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس میں آپ (تھانوی صاحب) سے ایک سو ساٹھ قاہر سوال نہیں، سروہا بیہ پر ایک سو ساٹھ جبال ہیں۔ چھ سال ہوئے کہ آپ تھانوی صاحب ظاہر (براہ راست خطاب میں تھانوی صاحب، باطنی لکھا گیا ہے) کے یہاں رجسٹری شدہ گیا ہے۔ اور آج تک بحمد اللہ تعالےٰ لاجواب ہے[۱۴] یہ رسالہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا مناظرہٗ فرق اردو میں اندراج نمبر ۱۵۶ ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں یہ رسالہ بریلی سے شائع ہوا۔

---

(۱۲) سامانِ بخشش عرف گلستانِ نعت نوری

یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کا نعتیہ دیوان ہے۔ جو ۲۴۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں حمد باری تعالیٰ مناقب غزل اور رباعیات وغیرہ بھی ہیں۔ آپ کی شاعری میں جگہ جگہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا عکس نظر آتا ہے۔ اور شاعری کی زبان جدلیاتی اور فکری اپچ

سے وجود میں آتی ہے۔ اختصار، اشارہ، پردہ داری اس کے اوصاف ہیں۔ جبکہ نثر وضاحت اور صراحت سے پہچانی جاتی ہے۔ زبان کا جدلیاتی استعمال، استعارہ سازی وغیرہ کی ہنرمندی کہیں کم اور عطائی زیادہ ہے۔ اور یہ چیز جذبہ کی مرہون ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی نے یہ کہا ہے کہ "وہ شخص شاعر ہو ہی نہیں سکتا جس نے عشق نہ کیا ہو" ——— مفتی اعظم جیسی بزرگ شخصیت کے حصہ میں یہ عشق، عشق رسول کی شکل میں رونما ہوا۔ اور اس کے اظہار کے لئے آپ نے نعت گوئی کا سہارا لیا جہاں تک نعتیہ مواد کا تعلق ہے مفتی اعظم کی شخصیت برصغیر میں آفتاب علم وکمال کی حیثیت رکھتی تھی۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم کے علاوہ فلسفہ اسلامی اور عقائد دینی پر ان کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ علوم مشرقیہ کے باریک سے باریک نکات ان پر واضح تھے۔ نتیجے کے طور پر عشق کی آگ نے جہاں جذبہ کو مہمیز کیا وہیں علمی تبحر نے احتیاط کو راہ دی۔ اور پھر ان دونوں کی آمیزش نے مفتی اعظم کے کلام کو سادگی اور معنوی حسن عطا فرمایا۔ عشق مصطفےٰ سے سرشار دل کی آواز میں پاکیزگی، لطافت اور دلوں کو منور کر دینے والی وہ کیفیت ہے جو ایک صاحب دل بزرگ کے دل کے گداز کا پتہ دیتی ہے۔ نمونہ شعر ملاحظہ ہوں

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں
تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خونبار کا

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں مے کے پھاہا مرہم زنگار کا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیونکر
فرط غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا

جو ہو قلب سونا تو ہے یہ سہاگہ
تری یاد سے دل نکھارا کروں میں

روئے ایمان کی تابش کے لئے خشیت الٰہی اور حب رسول دو لازمی جز ہیں۔ خدا برتر کی وحدانیت اور رسالت کا قائل ہر مسلمان تو ہوتا ہے مگر ایمان کی معراج تو بندۂ مومن کو اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کی نگاہ جہاں خدائے برتر کی تجلیوں کی متلاشی ہو وہیں اس کا سینہ عشق مصطفےٰ کا گنجینہ بنا ہو۔ اور اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول کے ذکر اور یاد کا امین ہو۔ صاحب حال شاعر کی یہ

کیفیت اس کے قال میں ملاحظہ ہو ؎

تراذکر لب پر خدا دل کے اندر　　یونہی زندگانی گذارا کروں میں

اور یہ تمنا بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دم واپسیں تک ترے گیت گاؤں　　محمد محمد، پکارا کروں میں

اور پھر منزل قبر کی دشواریوں کا حل دیکھیں

مرا دین وایماں فرشتے جو پوچھیں　　تمہاری ہی جانب اشارہ کروں میں

مفتی اعظم قدس سرہٗ کا ایک اور سادہ سا شعر ملاحظہ ہو۔

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے،　　ہاں حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے،

حُسین کا تصور دنیا کے اکثر لوگوں کے سامنے فتنہ سامانیوں کا سبب رہا ہے۔ مگر مفتی اعظم کے اس شعر نے حُسن کو ایک نئی معنویت عطا کی ہے۔ حسین وہ کیا جو فتنہ سامانیوں کا سبب بنے۔ حسین تو دراصل سرکار کی ذات اقدس ہے جس نے زمانہ سے فتنوں کا خاتمہ کیا۔ اور کرب میں سسکتی ہوئی اس زمین کو امن واخوت کا گہوارہ بنادیا "حُسین" لفظ کا اتنا حسین وخوبصورت استعمال خود شاعر کی طہارت نفسی کا پتہ دیتا ہے۔

مفتی اعظم کی اکثر نعتیہ غزلوں کی زمینیں سادہ اور سہل ہیں۔ مگر کچھ مشکل ردیفوں میں اشعار ملتے ہیں۔ ردیفوں کی سختی کی وجہ سے شعر کی زمین سخت اور سنگلاخ ہو کر رہ گئی ہے۔ مگر ان زمینوں میں بھی مفتی اعظم کا قلم اپنے مزاج کے اشعار نکال لیتا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

حق کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے ہو تمہیں، نور چشم انبیاء، مہر عجم، ماہ عرب

کب ہوتے یہ شام وسحر کب ہوتے یہ شمس وقمر،　　جلوہ نہ ہوتا اگر ترا، مہر عجم ماہ عرب[۱۵]

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی شاعری از ابتدا تا انتہا، توحید ربانی اور فضائل ومحامد سید المرسلین میں ڈوبی ہوئی ہے اور آپ کے شاعر ماہر ہونے کا مبرہن ثبوت ہے۔ آپ کو شاعری ورثہ میں ملی۔ زبان ان کے گھر کی باندی ہے۔ آپ نے حمد، نعت، منقبت سب کچھ کہا ہے۔ ہر ایک میں رنگ تغزل جھلملاتا ہے۔ رس اور نغمگی

پڑھنے اور سننے والے کو مسحور کردیتی ہے۔ لطافت، صداقت، گہرائی، بلند فلسفہ اور بلاغت اشعار کی جان ہیں۔

اور سامان بخشش کا دوسرا نام گلستاں نعت نوری ہے۔ یہ دیوان ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۴ھ کے درمیان مکمل ہوا۔ اس لئے دونوں سنوں کے حساب سے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے دو نام رکھے۔ اور پورا نام اس طرح رکھا سامان بخشش عرف گلستانِ نعت نوری۔

---

⑭ طرد الشیطان (عمدۃ البیان)

عبدالنعیم عزیزی حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے رسالہ "طرد الشیطان" کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

نجدی حکومت نے جو ٹیکس لگایا تھا اس کے رد میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ (مفتی اعظم ہند ص ۶۴) غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کے بارے میں جناب امید رضوی ایڈیٹر ماہنامہ نوری کرن بریلی رقمطراز ہیں۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی فضیلت اور جلالت علمی کا یہ عالم کہ جب پہلی بار حاضری حرمین ہوئی تو وہاں کے اجلہ علمائے کرام نے آپ کے سامنے نہ صرف زانوئے عقیدت و ادب تہہ کئے بلکہ علم حدیث کے اجازت نامے بھی باصرار لکھوائے۔ اور جس کا سلسلہ بعد واپسی مدت تک جاری رہا۔ اسی قیام حرمین کے زمانہ میں آپ سے علمائے حرمین نے دریافت کیا کہ

موجودہ حکومت عربیہ حجاج سے جو ٹیکس لیتی ہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے چند گھنٹوں کی قلیل مدت میں سیر حاصل رسالہ تحریر فرمایا۔ جس میں پرزور دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ یہ ٹیکس لینا شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ (افسوس ہے کہ سفر حج سے واپسی پر یہ رسالہ ضائع ہوگیا) ماہنامہ نوری کرن بریلی (خاص نمبر) ص ۹ مجریہ شوال و ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ/اپریل و مئی ۱۹۶۰ء ص ۱۶

⑭ صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان

مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی کتاب

آثار المبتدعین کا یہ بہلا رد ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی اس کتاب میں مسئلہ اذان کے متعلق مسلمانوں کو سو کتابوں کا جھوٹا نام لیکر دھوکا د فریب میں ڈالا ہے۔ اکثر باتیں واقعات سے متعلق ہیں۔ مثلاً مولوی صاحب نے عبارتیں دل سے گڑھ لیں۔ ان میں قطع و برید یں، تحریفیں کیں۔ سچی دیقینی باتوں کو جھٹلا دیا۔ ترجموں میں ملونیاں کردیں۔ مسئلہ دل سے تراش لیا۔ فقہا پر افترا، شریعت پر افترا، خود اپنے اوپر افترا اپنے طرف مقابل پر افترا بہتان کہ یہ کہا ہے۔ حالانکہ کہیں نہیں کہا ہے۔ کتاب کا جھوٹا نام لکھ دیا۔ کتب دعبارات واحادیث کی محض جھوٹ گنیاں ٹرھائیں۔ مردود باتوں کو بے رد جواب سامنے لائے وغیرہ وغیرہ، نمونہ کذب ملاحظہ ہو۔

نری جھوٹی عبارت دل سے گڑھ لی۔

صلاۃ مسعودی کے نام سے ایک عبارت تراشی کہ "اذان در مسجد مکروہ ہے مگر اذان در منبر" حالانکہ یہ محض کذب وافترا ہے۔ صلاۃ مسعودی میں اس کا کہیں پتہ نہیں، اگر سچے ہیں تو اس میں یہ عبارت دکھائیں۔

اس رسالہ (صلیم الدیان الخ) میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے مسئلہ اذان کو اپنی تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا ہے۔ اور مولوی صاحب کی غلط بیانی وفساد گوئی کا انکشاف تام کیا ہے۔ ۱۳۳۲ھ

---

⑮ وقایۃ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ

یہ رسالہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں

مسئلہ اذان ثانی کے متعلق جہالتوں سفاہتوں کا اس رسالہ میں رد کیا گیا ہے مسئلہ اذان کے سلسلہ میں کسی کانپوری دیوبندی نے ایک کتاب تصنیف کی حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اس تحریر کی اصل بنیاد کی بیخ کنی کی ہے۔ اور اس امر کا روشن

اظہار کیا ہے کہ وہ عیار تحریر اہل سنت کے صحاح ستہ وائمہ اربعہ دمذہب حنفی سب کو باطل و بے اعتبار کرنے کی خواستگار ہے۔ یہ رد دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے اپنے سنی بھائیوں سے گزارش کی ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں دیوبندی وہابی وغیرہ سے گریز کریں ان کو اپنا دینی دشمن شمار کریں۔ اور ہر بددین وگمراہ سے کنارہ کش رہیں۔

⑯ الٰہی ضرب بہ اہل الحرب

یہ رسالہ وقایۃ اہل السنۃ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔ صفحہ ۷۶ سے شروع ہوا ہے۔ یہ رد کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے دیوبندیوں پر قہر کی بارش کی ہے کہ ان شاء اللہ تعالےٰ وہ ان کی اوندھی مت پر قہر الٰہی ہوگا اس حصہ میں اس عیارہ کی ضلالتوں، جہالتوں، سفاہتوں کا بیان ہے ۔ اور کانپوری تحریر کا بھرپور رد بلیغ فرمایا ہے۔

---

⑰ مسائل سماع

یہ رسالہ ۴۲ صفحات پر بکھرا ہوا ہے جس میں محفل سماع و سرور، راگ و رقص اور مزامیر و معازف سے متعلق دو استفتاء ہیں۔ پہلے استفتاء میں پانچ شقیں ہیں۔ ان سب کا جواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے نہایت جامع اور مفصل طور پر تحریر فرمایا ہے جو انیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا جواب حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے جو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے صفحہ ۲۰ سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ یہ رسالہ مکتبۃ الیشیق استنبول ترکی سے شائع ہو چکا ہے۔

⑱ سیف القہار علی اعبید الکفار

یہ آثار المبتدعین کا دوسرا ردہے۔ مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری نے فتویٰ مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفۂ حنفیہ محرم ۱۳۲۲ھ پر اعتراضات میں کمال نافہمی کی داد دی۔ یہاں تک کہ خود عبارت فتویٰ سمجھنا محال اور اعتراض کو تیار، اس کی بھرپور پردہ دری اور

حجاب فاشی کی گئی ہے [۱۸]

⑲ مسلک مرادآباد پر معترضانہ ریمارک

صولت پبلک لائبریری رام پور کی فہرست مطبوعات اردو (مناظرۂ فرق) کے صفحہ ۱۲۴ سطر ۱۱ میں اس کتاب کو حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی تصنیف تحریر کیا ہے۔ اندراج نمبر ۲۹۷ ہے۔ کیفیت کے خانہ میں یہ تحریر ہے کہ "مسلک مرادآباد پر معترضانہ ریمارک" اخبار نظام الملک کے ساتھ شامل ہے۔ مگر کتاب طلب کرنے پر نہ مل سکی [۱۹]

⑳ فصل الخلافۃ

یہ رسالہ ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء کو پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اس کا لقب سوراج درسوراخ ہے۔ اس رسالہ میں مسئلہ خلافت اور ترکوں کے ہاتھوں ختم خلافت پر بحث کی ہے [۲۰]

㉑ کانگریسیوں کا رد

یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی ایک مطبوعہ تصنیف ہے، جو کانگریسیوں کے رد میں ہے۔ دو سو صفحات پر مشتمل ہے [۲۱]

㉒ الرمح الدیانی علیٰ رأس الوسواس الشیطانی

یہ رسالہ ۱۳۳۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ یہ حسام الحرمین کا گویا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ اس میں تغیر نعمانی کے مؤلف پر حکم کفر وارتداد ہے۔ کلاں سائز میں ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع روز بازار امرتسر سے طبع ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہما وغیرہ کی کتاب میں تصدیقات ہیں۔ رام پور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا مناظرۂ فرق اردو میں اندراج نمبر ۹۸ ہے [۲۲]

㉓ نہار السنان

یہ بسط البنان کا تیسرا رد ہے۔ ادخال السنان کے آخر میں ٹائیٹل پر اس رسالہ کا اعلان ہے۔

㉔ تنویر الحجۃ بالتواء الحجۃ

یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔ تاج الشریعۃ جانشین حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ کے یہاں

مرکزی دارالافتاء بریلی میں موجود ہے ۲۳

راقم کو درج ذیل چند کتابوں کے متعلق نہ کوئی معلومات حاصل ہو سکی اور نہ کوشش بسیار کے بعد ان کی زیارت ہو سکی۔ اس لئے صرف اسمائے کتب کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۲۵) داڑھی کا مسئلہ ۲۴ (۲۶) وہابیہ کی تقیہ بازی ۲۵ (۲۷) القسم القاصم للداسم القاسم ۲۶ (۲۸) الکاوی فی العادی والغاوی ۲۷ (۲۹) اشد الباس علی عابد الخناس ۲۸ (۳۰) نور الفرقان بین جند الالٰہ واحزاب الشیطان ۲۹،

بعد میں معلومات فراہم ہوئی۔

(۳۱) شفاء العی فی جواب سوال بمبئی

یہ حضور مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں نوری کا بمبئی کے سوال کا مدلل جواب ہے، جو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ مصطفویہ جلد اول میں موجود ہے آخر میں حضور مفتی اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں۔ "الحمد للہ ثم الحمد للہ جواب باحسن وجوہ تمام ہوا۔ اور شفاء العی فی جواب بمبئی اس کا نام ہوا" ۳۰

تالیفات

(۳۲) الطاری الداری لہفوات عبد الباری (۳ حصص)

۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا اور مولانا عبد الباری کے درمیان مراسلت ہوئی۔ جو ۱۶ر رمضان ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء کو شروع ہوئی۔ اور ۲۰ر صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو ختم ہوئی۔ مولانا عبد الباری نے ۱۶ خطوط لکھے۔ اور امام احمد رضا نے ۲۲۔ اس جملہ مراسلت کو حضور مفتی اعظم نے حسنی پریس بریلی سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں بعنوان الطاری الداری لہفوات عبد الباری تین حصوں میں شائع کیا۔ خود امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایک رباعی میں اس

تالیف کا ذکر فرمایا ہے ؎

رہِ علم وفن جناب عبدالباری — خوش سکہ زن جناب عبدالباری
یک کودک من طاری داری بنوشت — دندان شکن جناب عبدالباری

جانبین سے مراسلات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

امام احمد رضا اور مولوی عبدالباری کے درمیان مراسلت کے دوران مولوی عبدالباری کی فکر ونظر مختلف نشیب و فراز سے گذری۔ انہوں نے توبہ نامہ بھی شائع کیا مگر جملہ کلمات پر توبہ کے اصرار نے ان کو برہم کردیا ـــــــ چنانچہ اخیر میں انہوں نے مکتوب محررہ ۱۴ ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء بھیجنے کے بعد خاموشی اختیار کرلی جس نے امام احمد رضا کو اور زیادہ مضطرب کردیا۔ اور انہوں نے مولوی عبدالباری کی خاموشی کے جواب میں پے در پے چھ خطوط ارسال فرمائے۔ ان خطوط میں امام احمد رضا کے خیالات وافکار نے شعر کا روپ اپنایا۔ اور ایک ماہ دس دن کی قلیل مدت میں ۲۱۶ عربی وفارسی اشعار کا ذخیرہ سامنے آیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان اشعار میں وہ شعریت وآفاقیت نہیں جو ان کے نعتیہ کلام میں ہے ـــــــ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ تاریخی وسیاسی حیثیت سے یہ اشعار نہایت اہم ہیں۔ اور تحریک آزادی ہندوستان پر کام کرنے والوں کے لئے ایک اہم ماخذ ہیں۔ مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

اواخر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں لکھنؤ سے مولوی ریاست علی خاں شاہجہانپوری مولوی عبدالباری فرنگی محلی کا پیغام لے کر امام احمد رضا کے پاس آئے کہ مولانا عبدالباری ملنا چاہتے ہیں۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ مولانا اگر اقوال کفریہ سے توبہ کرلیں تو میں خود ہی جاکر ملوں گا۔ مولوی ریاست علی خاں واپس لکھنؤ گئے۔ اور وہاں سے مولوی عبدالباری کی طرف سے یہ پیغام بھیجا کہ آپ کی نظر میں جو اقوال کفریہ سرزد ہوئے ہیں ان سے مطلع کردیں تاکہ توبہ نامہ شائع کردیا جائے۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ۱۔ اکلماتِ کفریہ پر مشتمل ایک مجمل فہرست مرتب کرکے جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں مندرجہ ذیل خلفاء وتلامذہ کے ہاتھ بھیج دی۔

(۱) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفیٰ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)

(۲) صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)

(۳) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی (م ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء)

(۴) مولانا حشمت علی لکھنوی (م ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء)

اس کے بعد مولوی ریاست علی خاں صاحب کا خط محررہ ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء ملا، جس میں امام احمد رضا سے استفسار کیا گیا تھا کہ مرسلہ فہرست میں مندرجہ تمام اقوال کفریہ ہیں یا بعض حرام یا بعض ناجائز؟ ——— اس کے بعد امام احمد رضا نے یکم رجب ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو خط لکھا۔ جس کے جواب میں مولوی ریاست علی خاں نے لکھا کہ کفریات، محرمات، ضلالات کو الگ الگ کردیا جائے۔ چنانچہ ۳ر شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کے خط میں امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل تین قسم کے توبہ نامے دستخط کے لئے مولوی عبدالباری فرنگی محلی کو روانہ کئے۔

(۱) تحریر مختصر ہدایت توبہ (۲) تحریر متوسط ہدایت توبہ (۳) تحریر مفصل ہدایت توبہ

تحریر مفصل کو دو فصلوں پر تقسیم کیا۔ فصل اول میں مرتدین کی حمایت میں مولانا عبدالباری نے جو کلمات کہے تھے مع حوالے ان کو جمع کیا۔ اور فصل ثانی میں مشرکینِ ہند کے ذیل میں جو اقوال کہے تھے ان کو جمع کیا۔

امام احمد رضا نے تحریر مختصر، تحریر متوسط اور تحریر مفصل کے اخیر میں مندرجہ علمائے اہل سنت کی تصدیقات ثبت کرائیں کہ یہ سب حضرات امام احمد رضا کے اس فیصلہ کی تائید کرتے ہیں کہ جو کلمات مولانا عبدالباری نے فرمائے تھے اور امام احمد رضا نے اس پر اعتراض اٹھائے تھے وہ سراسر کفر و ضلالت ہیں۔

(۱) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی متوفیٰ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

(۲) صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی " " "

(۳) مولانا عبدالسلام صدیقی جبل پوری " ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء

(۴) مولانا عبدالباقی برہان الحق جبلپوری متولد ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء

(۵) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی　　متوفی ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

(۶) مولانا محمد افضل کریم　　(۷) مولانا غلام محی الدین راندھیری

(۸) تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی متوفی ۱۳۵۸ھ / ۱۹۶۷ء

(۹) مولانا محمد میاں برکاتی　　" ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

(۱۰) مولانا محمد یعقوب بلاسپوری

(۱۱) مولانا غلام احمد شوق فریدی　　" ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۱۲) مولانا محمد دیدار علی الوری حنفی　　" ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

امام احمد رضا کی تحریر کا یہ اثر ہوا کہ مولانا عبدالباری نے روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ شمارہ نمبر ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء میں اپنی توبہ شائع کردی۔ امام احمد رضا نے ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو مولانا عبدالباری کے نام مبارکبادی کا خط بھیجا مولانا عبدالباری نے اپنے طور پر توبہ شائع کرا دی۔ لیکن امام احمد رضا کے مرسلہ توبہ نامہ پر دستخط نہیں کئے۔ اس سے ایک نئی بحث کا آغاز ہوا۔ اور جانبین سے مندرجہ ذیل مراسلات لکھے گئے۔

(۱) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

(۲) " امام احمد رضا " مولٰنا عبدالباری " ۱۹ / " " "

(۳) " مولانا عبدالباری " امام احمد رضا " ۲۲ / " " "

(۴) " امام احمد رضا " مولٰنا عبدالباری " ۲۶ / " " "

(۵) " مولانا عبدالباری " امام احمد رضا " ۲۶ " " "

(۶) " امام احمد رضا " مولٰنا عبدالباری " ۲ / شوال المکرم " "

(۷) " مولانا عبدالباری " امام احمد رضا " ۴ / " " "

(۸) " امام احمد رضا " مولٰنا عبدالباری " ۹ / " " "

(۹) " " " " ۱۹ " " "

مؤخر الذکر پے در پے دو خطوط ملنے کے بعد مولانا عبدالباری نے ۱۹ / شوال المکرم

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا، جس میں برہمی کے آثار نمایاں ہیں۔ مثلاً یہ جملہ
"عام ظن یہ ہے کہ جناب کو اپنی رائے سے عدول کرانے میں بڑے بڑے محقق
کو بھی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ امید ہے کہ یہ ظن فاسد و باطل ہو گا" [۱۳۱]
امام احمد رضا نے ۲۶ر شوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا۔ اور مولینا عبدالباری
سے مندرجہ بالا اظہار خیال کی تائید میں مثالیں طلب کیں۔ اسی اثنا میں مولینا عبدالباری
سندھ کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ ماہ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں واپس
آئے۔ ۱۰ر ذی القعدہ کو امام احمد رضا نے خط لکھا۔ پھر ۱۳ر ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ کو لکھا۔
۱۶ر ذی القعدہ کو مولانا عبدالباری نے خط لکھا۔

مگر اس میں ۱۳ر ذی القعدہ کے مفصل و مطول خط کا ذکر تک نہ کیا۔ اس پر امام
احمد رضا نے ۱۹ر ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا۔ اور حقیقت حال دریافت
کی۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل مراسلت ہوئی۔

① مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ر ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
② " امام احمد رضا " مولانا عبدالباری، ۱۹ر ذیقعدہ " "
③ " مولانا عبدالباری " امام احمد رضا " ۲۱ر ذیقعدہ " "
④ " امام احمد رضا " مولانا عبدالباری " ۲۶ر ذیقعدہ " "
⑤ " مولانا عبدالباری " امام احمد رضا " ۲۸ر ذیقعدہ " "

مؤخر الذکر مکتوب میں مولانا عبدالباری نے قدرے برہمی کا اظہار فرمایا کہ مجھے افسوس
ہے کہ میں اب تک آپ کی طرف سے حسن ظن رکھتا تھا وہ اب نہیں رہا۔ لیکن اس
برہمی و رنجش کے باوجود سلسلۂ مراسلات جاری و ساری رہا۔ جانبین سے مندرجہ
ذیل مکاتیب لکھے گئے۔

① مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
② " مولانا عبدالباری " امام احمد رضا " ۳ر " " "
③ " " " " " ۵ر " "

④ مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء

⑤ ״ مولانا عبدالباری ״ امام احمد رضا ״ ۱۳/ ״ ״

مؤخرالذکر مکتوب میں مولانا عبدالباری نے امام احمد رضا کو لکھا۔ آئندہ سے اگر کام کی بات نہ ہوگی۔ فضولیات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا نے جواب لکھا۔ اسی تاریخ کو مولانا عبدالباری نے جواب بھیجا ——— اور لکھا جس قدر دیدہ ریزی میرے مغالبہ کی غرض سے کی ہے۔ ہم لوگوں کے نزدیک تضییع وقت کے سوا کچھ نہیں ہے؟ کیوں کہ ہم آپ کی نیت سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ اس آخری مکتوب کے بعد مولانا عبدالباری نے خاموشی اختیار کرلی ——— اور امام احمد رضا کے خطوط کے جواب نہیں دیئے، اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے افکار وخیالات اور جذبات نے شعر کا روپ دھار لیا ——— ان اشعار میں امام احمد رضا نے مولانا عبدالباری پر سخت تنقید کی جس میں طعن وتشنیع کے تیر ونشتر بھی ہیں۔ لیکن اس کا محرک جذبۂ ایمانی تھا، نفسانی جذبہ نہ تھا کیوں کہ اس اختلاف سے قبل دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے، دشمن نہ تھے۔ امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل چھ خطوط مولانا عبدالباری کے نام ارسال کئے جن میں تقریبًا دو سو سولہ عربی وفارسی کے اشعار رباعیات قطعات کی صورت میں بے ساختہ نوک قلم پر آگئے ہیں۔

① مکتوب محررہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء
② ״ ״ ۲۰/ ״ ״ ״
③ ״ ״ ۲۵/ ״ ״ ״
④ ״ ״ ۶/ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ ״
⑤ ״ ״ ۲۵/ ״ ״ ״
⑥ ״ ״ ۲/ صفر المظفر ״ ״

۲/ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کے بعد امام احمد رضا نے مراسلت بند کردی۔ اور یہ

سارا ریکارڈ ان کے صاحبزادہ مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تالیف "الطاری الداری لہفوات عبدالباری" (خرافات عبدالباری پر آخری ضرب) میں محفوظ کر دیا ـــــ اور یہ کتاب اسی زمانے میں حسنی پریس بریلی سے طبع ہو کر شائع ہو گئی ۳۲ے

(۳۲) الملفوظات (چار حصص)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ بریلوی کے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ الملفوظ ہے، جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں، بلکہ ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جواہر پاروں اور ذخائر علم و حکمت کا ایک گنج گراں مایہ ہے۔ اور احسان ہے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی علمی مجالس کے ان خزائن و ذخائر کو قلم بند فرمایا۔ اور الملفوظ کے نام سے انہیں چار جلدوں میں شائع کر دیا ـــــ جلد اول ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے، جلد دوم ایک سو بارہ پر، جلد سوم اسی، اور جلد چہارم بھی اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو حضور مفتی اعظم ہند نے رشتۂ تحریر میں منسلک نہ کیا ہوتا تو آج ہم علم و حکمت اور دین و سنت کے ان نادرۂ روزگار ذخائر سے محروم رہ جاتے جن کی چمک سے دلوں کے آفاق پر اجالا پھیلتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

الملفوظ کے مقدمہ میں حضور مفتی اعظم ہند نے اس کے جلوہ ہائے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی مجلس علم و حکمت اور فیض و برکت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ـــــ تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں جو دیکھا کہ شریعت و طریقت کے وہ باریک مسائل جن پر مدتوں غور و خوض کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف اَنَا لَا اَدرِی کا دم بھریں۔ وہ یہاں ایک فقرہ میں ایسے صاف فرما دیئے جائیں کہ ہر شخص سمجھے گویا اشکال ہی نہ تھا۔

اور دقائق ونکات مذہب وملت جو ایک چیستاں اور معمہ ہیں جن کا حل دشوار سے دشوار تر ہو وہ یہاں منٹوں میں حل فرما دیئے جائیں۔ تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ اور زواہر غالیہ یونہی بکھرے رہے اور انہیں سلکِ تحریر میں نہ لایا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ضائع ہو جائیں۔

پھر یہ ہے کہ ان ملفوظات عالیہ سے یا تو خود متمتع ہوتے یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشاں دربار عالی ہی کو پہونچتا۔ باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں' بلکہ ان کا نفع جس قدر عام ہو اتنا ہی بھلا، لہذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔

مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا۔ اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا۔ اس لئے بار بار ہمت کرتا، اور بیٹھ جاتا۔ میری حالت اس وقت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادہ سے کھڑا ہوا مگر مذبذب ہو۔ ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہے۔

مگر دل بے چین تھا۔ کسی طرح قرار نہ لیتا تھا۔ آخر اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللہِ کہتا کر ہمت چست کرتا اور حَسْبُنَا اللہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھتا اٹھا۔ اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوشنما ہار تیار کرنا شروع کیا۔ اور میں اپنے رب عزوجل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار ہی کو میری جیت کا ذریعہ بنائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ بریلوی کے ارشادات کو جمع کرنے کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری نہیں تھا۔ دوسری مصروفیات کے باعث اکثر ناغے بھی ہو جایا کرتے تھے، جیسا کہ خود جامع ملفوظات نے اپنے مقدمہ میں اس کی صراحت فرمائی ——— ارشاد فرماتے ہیں۔

میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی۔ اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولا تعالےٰ سے سائل ہوں۔

جامع ملفوظات حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ مجلس میں

بیٹھنے والے کسی سائل کے سوال کو "عرض" اور اعلیٰ حضرت کے جواب کو "ارشاد" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ سوالات کے درمیان کوئی فنی ترتیب نہیں ہے اس لئے اعلیٰ حضرت کے ارشادات علم وفن کے بے شمار اصناف پر مشتمل ہیں۔ اور رنگا رنگ پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح چار سو صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ کتاب میں پھیلے ہوئے ان منتشر مباحث کو بڑی حد تک مندرجہ ذیل اصناف میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

(۱) حکایات وقصص (۲) معارف قرآن (۳) مباحث حدیث (۴) عقائد و ایمانیات (۵) فقہی مسائل (۶) رد فرقہائے باطلہ (۷) ہیئت وفلسفہ (۸) تاریخ (۹) تصوف (۱۰) ہند وبیرون ہند کا سفر نامہ ۳۳ھ

(۳۴) نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار

یہ رسالہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اذان جمعہ میں مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری کی تیسری تحریر کا حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے مدلل رد فرمایا ہے۔ اور اس رسالہ میں مولوی صاحب پر کل رد ایک سو سولہ ہیں۔ ان کی طرف سے ایک پرچہ شائع کیا گیا، جو کذب وفریب، مردودات و مہملات، من گھڑت اور خود تراشیدہ عبارات سے پر تھا۔ اس کے آخر میں جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کے نام سے ایک سطر عبارت بے معنی کو جلوہ دیا۔ یہ اشتہار بوجہ کمال اہمال قابل توجہ نہ تھا۔ مگر بخاطر عوام دو حضرات نے اس کے دو رد تحریر فرمائے۔ ایک جناب قاضی عطا علی صاحب بیسل پوری نے، دوسرا جناب مولوی سید ظہیر حسن صاحب الہ آبادی نے یہ دونوں رد اپنی اپنی نوعیت میں جدا جدا طرز پر تھے۔ بعض اعتراضات مشترک اور اکثر علاحدہ بعض احباب نے درخواست کی ان دونوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جائے کہ فی الجماعۃ برکۃ، لہذا حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے مکررات کو ملخص کیا۔ اور بہت افادات کا اضافہ فرمایا۔ اور ان تینوں تحریری مجموعوں کو بنام تاریخی "نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار" مسمیٰ کیا۔ اور اس میں آپ (حضور مفتی اعظم ہند) نے مولوی صاحب کی علمی غلطیوں اور خیانتوں کی پردہ کشائی بھی کی ہے اور

آخر میں مسئلہ اذان سے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شہزادہ سرکار بغداد واولاد وامجاد حضور سیدالاسیاد حضرت سیدنا و مولانا فخرالملۃ والدین حضرت پیر سید ابراہیم صاحب آفندی قادری جیلانی حموی بغداد دامت برکاتہم العالیہ کی تصدیق اعظم ہے ۳۴؎

حواشی

(۳۵) کشفِ ضلالِ دیوبند (حواشی و تکمیلات الاستمداد) الاستمداد میں کل ایک سو بیاسی صفحات ہیں، جو کہ تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل اردو میں ایک قصیدہ ہے جسے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے نظم فرمایا ہے۔ ان اشعار پر حواشی اور ان کی شرح حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے قلم سے ہے۔ اس مجموعہ کے تعارف اور شرح کے بارے میں خود حضرت شارح مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں۔

یہ سلیس اردو زبان ہلکی بحر روشن بیان میں تین سو ساٹھ اشعار کا ایک مبارک قصیدہ ہے۔ ۳۵ میں لغت والا ہے۔ باقی میں عموماً وہابیہ اور خصوصاً دیوبندیہ کے دو سوتیس اقوال کفر و ضلال کا نمونہ ہے۔ حاشیہ پر ان کی چھپی ہوئی کتابوں سے بحوالہ صفحہ عبارات نقل کر دی ہیں۔ عام بھائیوں پر آسانی کے لئے فارسی عبارتیں ترجمہ سے لکھی گئی ہیں۔ جس کا جی چاہے ان کتابوں سے مطابقت کر دیکھے۔ جو بیان طالب تفصیل ہے اس کے لئے آخر میں تکمیل ہے۔ آپ کا ایمان آپ کو بتادے گا کہ اللہ و رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جن کے یہ عقیدے یہ اقوال ہیں وہ اللہ جل وعلا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، یا دوست؟ ان کے دلوں میں اسلام کا مغز ہے، یا پوست؟ جو نہ دیکھے یا دیکھ کر انصاف نہ کرے اس کا حساب اللہ واحد قہار کے یہاں ہے ——— اور جو دیکھے اور اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سامنے رکھ کر جانچے تو بحمداللہ حق آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔

فضول قصوں، ناولوں کی نظمیں، نثریں دیکھتے پڑھتے گھنٹوں گزریں۔ یہ بھی ایک مزہ دار نظم ہے۔ اس میں رسول اللہ کے لئے زینت بر ہے۔ قیامت قریب ہے۔ اللہ

حبیب ہے۔ اس کا ثواب عظیم اور عذاب شدید ہے۔ دین کو جھگڑا سمجھنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے۔ تنہا یا دو دو اطمینان سے، انصاف و ایمان سے، دو تین بار سچے دل سے، یا ایک ہی نگاہ دیکھ تو لیجئے۔ مگر یہ کہ صاف بات میں نہ ایچ پیچ کی حاجت، نہ اللہ جل وعلا ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل کسی کی رعایت[۳۵]

یہ حضور مفتی اعظم کے متبرک کلمات تھے۔ زبان بھی کتنی رواں اور شستہ اور ان میں مسلمانوں کے لئے محبت و شفقت کے جذبات فراواں بھی کس قدر موجزن ہیں۔ ان فتاوی اور تصانیف کی روشنی میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ ایک عظیم فقیہ، اور جلیل القدر محقق اور باکمال مصنف کی حیثیت سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ آپ کے فتاوی کی غیر معمولی اہمیت ہی کے باعث دنیائے سنیت نے آپ کو مفتی اعظم ہند کا خطاب عطا کیا۔ جواب آپ کا علم بن چکا ہے[۳۶]

مذکورہ کتاب کے متعلق پیرزادہ محترم اقبال احمد فاروقی ایم اے رقمطراز ہیں۔

زیر نظر کتاب الاستمداد کے حواشی و تکمیلات ملقب بہ لقب تاریخی کشف ضلال دیوبند" آپ ہی کے رشحات کا نتیجہ ہیں[۳۷]

(۳۶) حاشیہ تفسیر احمدی

یہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا قلمی حاشیہ ہے[۳۸]

(۳۷) حاشیہ فتاویٰ عزیزی

حضرت مفتی محمد اعظم رضوی مفتی رضوی دارالافتاء بریلی بیان کرتے ہیں کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بہت سی کتابوں پر قلمی حواشی و فوائد رضوی دارالافتاء میں تھے۔ مگر جب سے رضوی دارالافتاء کی کتابیں خرد برد ہوئیں وہ سب ادھر ادھر ہوگئے۔ اس وقت رضوی دارالافتاء میں حضور مفتی اعظم ہند کے صرف دو حاشیے

(۱) حاشیہ تفسیر احمدی (۲) حاشیہ فتاوی عزیزیہ قلمی موجود ہیں[۳۹]

(۳۸) حاشیہ فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح | اس پر حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے فوائد

وحواشی ہیں۔ جو مولانا حسنین رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے اپنے اہتمام سے حسنی پریس بریلی سے چار حصوں میں چھاپ کر شائع کئے۔ ان چار حصوں کے ٹائیٹل پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے۔

"بتصحیح واضافہ فوائد از فقیر مصطفےٰ رضا قادری برکاتی رضوی غفرلہٗ"۔ ۱۹۰۷ء

اللہ عزوجل حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے ان کی تربت پر رحمت و نور کی بارش برسائے، اور ان کے صدقہ وطفیل ان کے محبین ومتبعین کی بخشش فرمائے ــــ آمین بجاہ سید المرسلین۔

نوٹ: سَلُّ الحُسَامِ الھندی لِنُصرۃِ مولانا خالد النقشبندی کو خلفائے مفتی اعظم نیں تصانیفِ مفتی اعظم کے تحت شمار کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں، یہ علامہ ابن عابدین کا مشہور رسالہ ہے جس کا حوالہ انہوں نے ردالمحتار میں بھی دیا ہے۔ ردالمحتار سے علامہ شامی کی ایسی ہی ایک عبارت فتاویٰ مصطفویہ میں نقل کر کے حضرت مفتی اعظم نے اس کا ترجمہ کیا ہے جسے عجلت میں دیکھتے ہوئے اسے خود مفتی اعظم کی عبارت سمجھ کر مذکورہ رسالہ کو مفتی اعظم کا رسالہ سمجھ لیا گیا جبکہ ایسا ہرگز نہیں۔

حواشی

۱؎ ___ ایک اہم فتویٰ، ص: ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، مکتبۂ رضا دارالاشاعت بہیڑی،

۲؎ ___ القول العجیب
مطبوعہ: رضوی کتب خانہ بازار صندلخاں بریلی،

۳؎ ___ النکتہ علیٰ مرأ کلکتہ ص: ۱، ۲، ۳، ۸،

۴؎ ___ مقتل اکذب واجہل ص: ۲، ۳، ۱۶، ۴، مطبوعہ: بریلی،

۵؎ ___ حجۃ واہرہ ص: ۴، ۵، نظامی کتابستان، نخاس کہنہ الہ آباد،

۶؎ ___ مقتل کذب وکید ص: ۲، ۵، ۶، ۷،

۷؎ ___ پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۳۱، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی

۸؎ ___ وقعات سنان ص: ۴،

۹؎ ___ " ص: ۶۴،

۱۰؎ ___ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۳۱، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی

۱۱؎ ___ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۳۲، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی

۱۲؎ ___ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۳۱، ۳۲، مجریہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا افتخار احمد قادری مصباحی

۱۳؎ ___ خلفائے حضور مفتی اعظم ص: ۹۷ مقدمہ، حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری

۱۴؎ ___ للوت الاحمر ص: ۲۱، مطبوعہ: مکتبۃ الحبیب ۱۴۰، اتر سوئیا الہ آباد،

۱۵؎ ___ ماہنامہ استقامت کانپور (مفتی اعظم نمبر) ص: ۱۸۲، ۱۸۳ و ص: ۱۸۵، ۱۸۶، مجریہ ۱۹۸۳ء

۱۶؎ ___ خلفائے حضور مفتی اعظم ص: ۹۹، مقدمہ، سید شاہد علی رضوی،

۱۷؎ ___ مقتل کذب وکید ص: ۲، ۳، ۴،

۱۸؎ ___ " ص: ۲،

۱۹؎ ___ خلفائے حضور مفتی اعظم ص: ۹۹

۲۰؎ ___ حیات مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی ص: ۱۸۳،

۲۱؎ ___ خلفائے حضور مفتی اعظم ص: ۱۰۰،

۲۲ھ " " ص، ۹۴،

۲۲ھ (ا) " " ص، ۹۸،

۲۲ھ (ب)۔ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۶، مجریہ ۱۵ ار دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا حسن رضا خاں ایم اے پٹنہ،

۲۳ھ (ا) ـــــ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۶ مجریہ ۱۵ ار دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مولانا حسن رضا خاں ایم اے پٹنہ،

۲۴ھ (ب) ـــــ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۱۵، مجریہ ۱۵ ار دسمبر ۱۹۸۱ء مضمون مفتی محمد اشرف رضا قادری دار العلوم امام احمد رضا بمبئی

۲۵ھ (ا) ـــــ محدث اعظم پاکستان، مولٰینا جلال الدین قادری ج ۱۲ ص: ۹۰، مطبوعہ لاہور

۲۵ھ (ب) ـــــ پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۶، مجریہ ۱۵ ار دسمبر ۱۹۸۱ء

۲۶ھ (ا) ـــــ محدث اعظم پاکستان، مولٰینا جلال الدین قادری ج ۱۲، ص: ۹۰، مطبوعہ لاہور

۲۶ھ (ب) پندرہ روزہ رفاقت (مفتی اعظم نمبر) ص ۶

۲۷ھ (ا) " " " "

۲۷ھ (ب) " " " "

۲۸ھ (ا) " " " "

۲۸ھ (ب) " " " "

۲۹ھ ـــــ خلفائے حضور مفتی اعظم ص ۹۴،

۳۰ھ ـــــ محمد مصطفٰے رضا خاں، الطاری الداری لہفوات عبد الباری، مطبوعہ: بریلی حصہ ۳ ص، ۸۰، ۸۱، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

۳۱ھ ـــــ محمد مصطفٰے رضا خاں، الطاری الداری لہفوات عبد الباری، مطبوعہ بریلی حصہ ۲ ص: ۷۵ تا ۸۷،

۳۲ھ ـــــ معارف رضا لاہور، ص: ۸۴ تا ۱۹۱، مجریہ ۱۹۸۹ء، مضمون پروفیسر محمد مسعود احمد

۳۳ھ (ا) ـــــ ماہنامہ استقامت کانپور ـــــ (مفتی اعظم نمبر) ص: ۷۹ تا ۸۲ مجریہ مئی ۱۹۸۳ء

۳۳ھ (ب) ماہنامہ حجاز دہلی (مفتی اعظم نمبر) ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۰ء

۳۴ھ نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار ص ۲۱، ۲۷، مطبوعہ بریلی،

۳۵ھ ـــــ مقدمہ الاستمداد ص ۳۰۲،

۳۶ھ ـــــ ماہنامہ استقامت کان پور، (مفتی اعظم نمبر) ص: ۴۳۶، ۴۳۷، مئی ۱۹۸۳ء

۳۷ھ ـــــ الاستمداد ص: ۹۸، مطبوعہ بریلی

۳۸ھ ـــــ خلفائے حضور مفتی اعظم ص: ۱۰۱،

۳۹ھ ـــــ " " "

۴۰ھ ـــــ " " "

عـہ ـــــ فتاوی مصطفویہ ج ۱۲ ۵۰۰ تا ۴۱۲، مطبوعہ: پیلی بھیت،

ـــــــــــــــ

مقالات

صد سالہ جشنِ مفتیٔ اعظم

قدس سرہٗ

منعقدہ

۱۱/۱۲/۱۳/ رجب ۱۴۱۲ھ

مطابق

۱۷/۱۸/۱۹/ جنوری ۱۹۹۲ء

زیر اہتمام

رضا اکیڈمی بمبئی

مفتی اعظم عوام و خواص کا مرکزِ عقیدت

مولٰنا محمد احمد مصباحی ، رکن المجمع الاسلامی ، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا شاہ قادری بریلوی قدس سرہ کو ایک علامۂ اجل اور ایک ولی باکمال کی حیثیت سے آج دنیا جانتی اور پہچانتی ہے۔ میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں ان کی عظمت و بزرگی کے تذکرے سنتا رہا۔ مگر میں نے ان کی سب سے حیرت انگیز اور امتیازی خصوصیت جو دیکھی وہ یہ ہے کہ ان کے معاصر علماء و اکابر بھی برملا ان کی جلالت شان اور عظمت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ــــــــ یہ شرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کی بارگاہ میں قبول خاص سے سرفراز ہو چکا ہو۔ اور جس کا سینہ عداوت و حسد، بغض و عناد، دوسروں کی تحقیر اور اپنی تعلّی سے پاک ہونے کے ساتھ علم و اخلاص کا مخزن ہو۔ جس کی زبان غیبت و بدگوئی سے دور اور شریعت و طریقت کی پابندی سے آراستہ و مزین ہو ہو جس کا علم نفسانی آویزشوں کے بجائے معارف و حقائق کی سچی عقدہ کشائی سے سرشار ہو جس کا تفقہ و تدبر اس پائے کا ہو کہ اس کے کردار و گفتار اور زبان و قلم سے بجائے اس کے کہ امت میں کسی بے جا اختلاف و افتراق یا نفاق و شقاق کی راہ کھلے۔ اتفاق و اتحاد کے سوتے پھوٹیں بکھرے ہوئے شیرازے مجتمع ہو جائیں اور لوگوں کے دل وحدت ملّی کے درد و غم سے بیقرار و مضطرب نظر آئیں۔

میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ مفتی اعظم اپنی حیات مبارکہ میں ایسے ہی تابناک نقوش کے حامل رہے جن کے نتیجے میں وہ نہ صرف یہ کہ "تاجدار اہل سنت" کہلائے بلکہ ان کی حیات تک امت میں بڑی حد تک اتفاق و اتحاد کا قابل صد رشک جلوہ کارفرما رہا۔ میں اس اجمال کی تفصیل میں چند شواہد بھی پیش کروں گا۔ سب سے پہلے ان کے بارے

میں چند شہادتیں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ بلا شبہہ مفتی اعظم کے معاصر، مولانا وصی احمد محدث سورتی اور امام احمد رضا قادری علیہما الرحمہ کے شاگرد جلیل تھے۔ مگر مفتی اعظم سے متعلق ان کے خیالاتِ عظمت و برتری کا ایک منظر آج بھی ایک فتوے کے ذیل میں محفوظ ہے جس پر محدث اعظم نے ان الفاظ میں تصدیق کی ہے۔

"ھٰذا قول العالم المطاع وما علینا الا الاتباع"۔

ان جاندار الفاظ میں جو اعتراف عظمت کارفرما ہے وہ اہلِ علم پر عیاں ہے۔

(۲) حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ سابق سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے جامعہ اشرفیہ کی نئی درسگاہ بلڈنگ کے جشن افتتاح کے موقع پر ۱۶؍۱۷؍ار نومبر ۱۹۷۲ء کے لئے مفتی اعظم قدس سرہ کو دعوت دی تھی۔ حضرت تشریف لائے۔ افتتاح کا کام حضرت ہی کے ہاتھوں انجام پانے والا تھا۔ جس کے لئے پہلے دن بعد مغرب نئی عمارت میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ ابتدائی سال تھا۔ اور شوال کی ۱۹ ار ۲۰ر تاریخوں کی درمیانی شب تھی۔ اس وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری رضوی علیہ الرحمہ تھے۔ درجۂ فضیلت کے طلبہ کو درس بخاری شریف شروع کرا کے افتتاح کی رسم ادا ہونے والی تھی۔ اس موقع پر افتتاح سے قبل حافظ ملت نے ایک مختصر تقریر کی تھی جس کا حاصل کچھ اس طرح ہے۔

"حضرت مفتی اعظم مدظلہٗ سے اس عمارت کا افتتاح اور ان سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھ لینا بہت بڑی سعادت ہے۔ وہ بلاشبہہ ولی ہیں۔ آج جو ان سے سبق پڑھ رہا ہے کل اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے مفتی اعظم سے ایک سبق پڑھا ہے۔ جو ان سے بیعت ہوگا اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں مفتی اعظم سے بیعت ہوا ہوں۔ جو ان سے مصافحہ کرے گا وہ اس پر فخر کرے گا کہ میں نے ان سے مصافحہ کیا ہے۔ جو ان کی زیارت کرے گا وہ اس پر فخر کرے گا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ علم و فن کا سمندر ہیں۔ خود ایک بار فرمانے لگے کہ جب کوئی مسئلہ لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیتا ہوں تو نوکِ قلم

پر علمی مضامین کی اس قدر بارش ہونے لگتی ہے کہ سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ان کی ذات ہمارے لئے بہت غنیمت ہے۔ ان سے سبق پڑھنا آپ کی بہت بڑی سعادت ہے۔ مولا تعالےٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر دراز فرمائے۔

حضرت قاضی شمس الدین احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

"جہاں تک مجھے علم ہے حضرت نے کسی کو بخاری شریف شروع نہ کرائی ۔ یہ سعادت ان طلبہ کا مخصوص حصہ ہے" اس کے ساتھ وہ حافظ ملت کے بیان کی تصدیق بھی کرتے جاتے تھے۔

(۳) میں رمضان سنہ ۱۳۹۰ھ میں رانچی پہونچا۔ اس وقت مدرسہ غریب نواز رانچی کے بانی مولانا شاہ عبدالحق چشتی امجدی اعظمی وہیں تشریف فرما تھے۔ دو دن ان کے مدرسہ میں میرا قیام رہا۔ اس دوران ان سے بہت سے موضوعات پر گفتگو رہی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ تم کسی سے مرید ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا ——— "مرید ہونا ہے تو مفتی اعظم سے مرید ہونا۔ سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں"۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ خود بہت بڑے پیر اور سید تھے۔ مگر مفتی اعظم سے ان کی عقیدت اور ان کی طرف سے اپنے ایک ہم وطن کی مخلصانہ رہنمائی اس سطوت و شوکت کا پتہ دیتی ہے جو ان بزرگ پیروں کے دلوں پر بھی حکمرانی کررہی تھی۔ وہ محفل سماع کے عادی تھے۔ مگر جب بھی مفتی اعظم اجمیر شریف پہونچ جاتے تو شاہ صاحب بہت محتاط ہوجاتے اور کہتے کہ انہوں نے اگر دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔

(۴) حضرت مولانا غلام آسی بلیاوی جو ایک سلسلے کے معروف پیر اور درس نظامی کے جید فاضل ہیں۔ ان سے جمشید پور وغیرہ میں اکثر میری ملاقات اور گفتگو رہتی۔ ایک بار فرمانے لگے کہ اس وقت تین اکابر ہیں ——— مفتی اعظم، حافظ ملت، مجاہد ملت (مولینا شاہ حبیب الرحمن قادری اڑیسوی علیہ الرحمہ) ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے۔ خدا ان کا سایہ دراز کرے ——— ان کے بعد پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔

مجھے موصوف کی یہ بات بار بار یاد آتی ہے۔ اور اس وقت سے آج تک برابر میرے

کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ (ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے) انہوں نے بڑی تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا تھا۔ اور خود میں بھی جب نگاہ غور کرتا ہوں تو ان کا قول حرف بحرف صحیح نظر آتا ہے ـــــــ یہ تو اکثر حضرات کو علم ہے کہ مفتی اعظم قدس سرہ کی حیات تک جب کسی مسئلہ میں کوئی خلجان ہوتا یا کوئی اختلاف نظر آتا، تو مفتی اعظم کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا۔ اور تمام علماء ان کی فقہی و کلامی باریک بینی کے قائل نظر آتے۔ صرف لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کے مسئلے میں بعض علماء نے ان سے اختلاف کیا اور اپنے اختلاف پر قائم رہ گئے۔ مگر مفتی اعظم نے جو دلائل پیش کئے ان کا جواب آج تک نہ ہوسکا۔ اور جمہور علماء نے حضرت ہی کی تائید کی۔

اس اختلاف کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس خصوص میں مفتی اعظم نے اپنی تحریروں میں صرف مسئلے کا اثبات کیا۔ اور کسی کی ذات یا علم و فن کو طنز و تعریض کا نشانہ ہرگز نہ بنایا۔ نہ ہی اس اختلاف کو علمی اختلاف کی سرحدوں سے کسی طرح متجاوز ہونے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف کرنے والے بھی حضرت کے ادب و احترام سے دور اور ان کی عظمت و عبقریت کے اعتراف سے منحرف نہ ہوسکے۔ اور قلم کی متانت و شرافت بھی آلودہ نہ ہوسکی اس صورت حال سے مفتی اعظم کا اخلاص عمل، ان کی سنجیدگی، ان کی بالغ نظری، اور حکمت و تدبر سبھی عیاں ہے۔ یقیناً اس میں ہمارے لئے بہت عظیم درس عبرت ہے۔

ان کی حیات کا بہت روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی خلاف شرع قول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے، بلکہ اس پر نکیر ضروری تھی۔ اس کردار کے خصوص میں ان کا التزام، ان کی جسارت، ان کا قلبی اضطراب اور ان کا حسنِ اخلاص دیکھ کر دل بے اختیار گواہی دیتا کہ بلاشبہہ یہ سچے نائب رسول اور واقعۃً وارثِ علوم انبیاء ہیں ـــــ رسول کے سامنے اگر کسی نے کوئی کام کیا ـــــ یا کوئی بات کہی اور رسول نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ انکار نہ فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ فعل یا قول درست اور صحیح ہے اگرچہ غیر رسول کی یہ شان نہیں۔ مگر سچے نائب رسول کی یہ ذمہ داری ضرور ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو مُنکَر (برائی) سے روکے، اور معروف (نیکی) کا حکم دے۔ لیکن اِنکارِ مُنکَر سے عالم کو

اگر فتنے کا اندیشہ یا جان وعزت کا خطرہ ہو یا اس منکر کی برائی سے مرتکب اور دوسرے بھی آگاہ ہوں۔ ساتھ ہی منع کرنے سے باز آنے کی توقع بھی نہ ہو تو بعض حالات میں عالم کے لئے سکوت کی رخصت مل جاتی ہے۔

مگر مفتی اعظم بجائے رخصت کے عزیمت پر عامل تھے۔ اور ان کی جلالت وسطوت یہ تھی کہ کوئی کیسا ہی صاحب ثروت یا صاحب اقتدار کیوں نہ ہو مگر حضرت کی زبانِ شریعت ترجمان کے آگے مجال دم زدن نہ تھی۔

انہوں نے بڑے بڑے قدآور اور نامور خطبار کو بھی بر سرِ عام ٹوک دیا۔ اور بعض صورتوں میں توبہ بھی کرائی ہے۔ مگر عموماً ان کی یہ اصلاح بڑی آسانی اور خندہ پیشانی سے قبول کرلی جاتی۔ اور تقریر کرنے والے اپنی ممنونیت کا اعتراف و اعلان کرتے۔ آج کسی کے لئے یہ کام بڑا مشکل ہے۔

ایک طرف تقریر کی سطحیت اور بازاری پن کا یہ حال ہے کہ تاریخی واقعات وحکایات میں بے سروپا ملاوٹ، اور تہ بہ تہ غلطیاں تو الگ رہیں۔ احادیث کے متن میں اس قدر آمیزش کی جاتی ہے کہ قول رسول کی اصل صورت ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ فقہ و عقائد اور علم وفن کے لحاظ سے غلط، ناروا اور تکلیف دہ جملوں اور عبارتوں کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے ——— اسی پر بس نہیں بلکہ اس قسم کی تقریروں کو چھاپ کر فروخت بھی کیا جارہا ہے۔ اور جہالت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ نئی نسل ان غلط سلط تقریروں کو رٹ کر عوام سے داد وتحسین اور زر ومال کے انبار لوٹ رہی ہے۔ اور کسی کو ہمت نہیں کہ ان چرب زبانیوں پر کوئی قدغن لگادے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو انجام اور زیادہ خطرناک ہے ——— مقرر صاحب بجائے اس کے کہ ممنون ہوں، اور توبہ واعتراف کر کے دنیا میں اپنی غلطیوں سے باز آئیں اور آخرت میں اپنی نجات کا سامان کریں۔ الٹے اپنے بزرگ محسن ہی خلاف ایک طوفان کھڑا کردیں گے۔ اور اعترافِ قصور میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہوئے اس بزرگ کی تذلیل وتحقیر کے درپے ہوجائیں گے۔ اور اسی میں اپنے وقار، اپنے شرف اور اپنی مقبولیت کا سارا راز مضمر سمجھیں گے۔

یہ وہ المیہ ہے جس سے ہم مفتی اعظم کی حیات کے بعد دوچار ہیں۔ صد افسوس کہ آج کی دنیا علم، عمل، انصاف اور اعتراف حقائق سے کس قدر دور ہوتی جارہی ہے اور کوئی ایک شخصیت تو کیا علماء کی کوئی ایک مجلس یا یونین بھی ایسی نہیں جو ہمارے اس خلاء کو اس طرح پُر کردے کہ نہ کوئی اختلاف ہو نہ کوئی فتنہ برپا ہو۔ کوئی ایسی تدبیر بروئے کار لائی جائے جس سے عوام اس قابل ہو جائیں کہ غلط بولنے والے مقررین کو گوارا نہ کرسکیں یا مقررین اتنے ذمہ دار بن جائیں کہ بغیر تیاری اور کافی علم و آگہی کے لب کشائی کی جرأت نہ کرسکیں۔ یا کم از کم اپنے دل میں ایمان و انصاف اور اخلاص و امانت کا اتنا جوہر ضرور رکھتے ہوں کہ اعتراف خطا کو اپنی ذلت کے بجائے اپنی عزت، اپنی عافیت اور اپنی نجات تصور کریں ـــــــ بہرحال آج دردمندان ملت اور دانشوران قوم کا یہ فریضہ ہے کہ اس طرح کے امراض کا علاج تلاش کریں۔ بیماریوں سے مصالحت کو بیماریوں کا علاج ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مفتی اعظم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے حلقۂ ارادت میں علماء اس کثرت سے داخل ہوئے کہ بہت سے پیروں کے مریدین کی مجموعی تعداد بھی ان کے برابر نہ ہوگی۔ ان علماء کو بھی دیکھئے تو ان میں ایک قابل ذکر تعداد ایسے علماء کی مل جائے گی جو اپنے علم و فضل اور تدین و تقویٰ کے لحاظ سے نہ معلوم کتنے پیروں پر بھاری ہوں گے ایسے علماء جس کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے وہ اپنے علم و فضل اور اخلاص و تقویٰ میں یقیناً یکتائے روزگار ہوگا۔

مفتی اعظم کے مریدین میں عوام کی بھی بڑی تعداد ہے۔ ان میں اہل ثروت بھی بکثرت ہوں گے۔ مگر حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاہد ہے کہ انہوں نے اپنے مریدین کو کبھی بھی اپنی منفعت بخش "جائداد" تصور نہ کیا۔ نہ کبھی اس کی کوشش ہوئی کہ کوئی دولت مند حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائے۔ ان کا فیضان عام تھا غریب و امیر یکساں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا۔ خصوصاً اپنے والد گرامی بلکہ اپنے رسول عظمت مآب علیہ التحیات والصلوات کی سنت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے غریب کی

دلداری کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھتے۔ اور کسی امیر کی رعایت میں کسی غریب کی دل شکنی ہرگز گوارا نہ تھی۔

ظاہر ہے کہ جس کا دل حبِ دنیا سے پاک ہو، جو مریدوں کی دولت کے بجائے اپنے مولیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھتا ہو، جو کسی ناروا قول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتا ہو جو عوام تو عوام علماء کو بھی علمی و عملی خطاؤں پر نظر انداز کر دینا مصلحت اندیشی کی تاریخ کا جرم عظیم تصور کرتا ہو۔ جس کے اخلاص و عزیمت کے آگے علماء و اکابر کی گردنیں خم ہوں جس کے فقہ و فتویٰ اور ورع و تقویٰ کی ستائش میں اَجلّۂ زمانہ رطب اللسان ہوں، جس کی جلوتوں کے ساتھ اس کی خلوتیں بھی سنت رسول کی آئینہ دار، اور یادِ خدا و رسول سے آباد و سرشار ہوں وہی علمائے زمانہ کا امام۔ ملت اسلامیہ کا بے باک رہنما اور گروہِ اولیا کا سرخیل، کہا جا سکتا ہے ——— عوام و خواص کی مرجعیت کا تاج اسی کے سر زیب دیتا ہے۔ امت کی نباضی و رہنمائی کا فریضہ اسی کی زبان و قلم کا بے داغ گوہر آبدار ہے۔ بلاشبہہ وہ تمام اہل حق اور تمام ارباب علم و فن کا بے بدل تاجدار ہے ———

رحمہ اللہ تعالیٰ و رحمنا بہ رحمۃً واسعۃً

مفتی اعظم ہند کے رسالہ

الموتُ الاحمرُ کا ایک جائزہ

مولانا حافظ عبدالحق رضوی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وارثِ علم و فضل، مرآۃِ جمال و کمال، مفتیِ انام، مقتدائے خواص و عوام، جنرامت، امام ملت، سیدی سندی مرشدی حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر فضائل کے ابواب اتنے کثیر ہیں کہ ان سب کا احاطہ مجھ جیسے بے مایہ کے بس میں تو کیا ہوگا۔ پوری ملت کے ارباب علم و دانش اگر ان سب کو نماحقہا بیان کرنا چاہیں تو شاید ہی بیان کر سکیں علم و فضل، زہد و ورع، عمل بالعزیمت، استقامت علی الشریعۃ، ربط باللہ، ارشاد و تبلیغ، حسن صورت، حسنِ سیرت، شفقت علی الخلق وہ عنوانات ہیں کہ ان سب پر اگر تفصیلی گفتگو کی جائے تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں۔ اللہ عز وجل کا شکر ہے کہ ہماری جماعت کا جمود و تعطل حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی ذات بابرکات کے تعلق سے بہت حد تک ٹوٹ چکا ہے۔ حضرت کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور حضرت کے فضائل و مناقب کے بہت سے گوشے عوام و خواص کے سامنے آچکے ہیں رضا اکیڈمی بمبئی کے باحوصلہ جواں ہمت ارکان حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ اقدس میں اپنا نذرانہ پیش کرنے کے لئے عالمی سطح پر جشن صد سالہ منا رہے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے منتخب روزگار عمائد پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں۔ جن میں علماء بھی ہیں اور مشائخ بھی، ارباب علم و دانش بھی ہیں اور صحافی بھی، اہل قلم بھی ہیں اور اہلِ

لسان بھی ۔ اور یہ سب حضرات اپنی اپنی توانائیوں کو بروئے کار لاکر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے حلیۂ جمال وکمال تحریر نقش کو عمدہ سے عمدہ طریقے سے سنوار اور سجا کر لائے ہیں ۔

میں سخت کش مکش میں تھا، کہ حضرت مفتی اعظم ہند کے اس خصوصی جشن میں شریک ہونے کے لئے حضرت کی زندگی کا کون سا باب سپرد قلم کروں ۔

بالآخر بہت غور وخوض کے بعد یہ خیال آیا کہ میں اپنے مقالے کا عنوان حضرت مفتی اعظم ہند کے مناظرانہ فضل وکمال کو بناؤں ۔

بظاہر مناظرہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے جو بھی چرب زبان ، ذہین وفطین تیز وطرار ہو لوگ اسے مناظر سمجھنے لگتے ہیں ۔

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے ایک موقع پر فرمایا ۔ سب سے مشکل کام مناظرہ ہے ۔ مناظرہ کے لئے تمام علوم و فنون کا ماہر ہونا بھی لازم ہے ۔ اور بیدار مغز ، حاضر جواب ، شگفتہ بیان ہونا بھی ضروری ہے ۔ مناظرہ میں اگرچہ موضوع متعین ہوتا ہے مگر کسے معلوم کہ اثنائے مناظرہ کس فن کا کون سا مسئلہ بحث کے لئے پیش ہو جائے ۔

مناظرہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا قادر الکلام ہو کہ اپنے مافی الضمیر کو بلا جھجک اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کرے کہ مخالف دم بخود ، اور ساکت رہ جائے ۔ اور سامعین کے دل میں بات اتر جائے ۔

جب اکابر دیوبند پیہم اپنی شکست وہزیمت کے بعد مناظرے سے تنگ آگئے تو اپنی عافیت گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے ہی میں تھی ۔ لیکن جناب تھانوی صاحب کے کچھ نادان دوستوں نے انہیں مجبور کیا ۔ یہاں تک کہ تھانوی صاحب نے ایک طالب علم کو مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد سے کچھ سکھا پڑھا کر طالب حق کے بھیس میں ذوالحجہ ۱۳۲۷ھ میں آستانہ عالیہ بریلی شریف بھیجا ۔ جب اس کے سامنے براہین قاطعہ گنگوہی صاحب والا قول پیش کیا گیا ۔ تو اس کو سنکر

بے تکان اس نے کہا یہ اسلام سے کوسوں دور ہے۔ پھر اس کو براہین قاطعہ کی عبارت دکھائی گئی تو اب اس کے نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی اوپر رہ گئی۔ اسے غور کرنے کی ہدایت کی گئی اور یہ حکم دیا گیا کہ آستانہ پر حاضر ہوا کرو۔

کچھ دنوں بعد مدرسہ شاہی مسجد سے اس طالب حق بننے والے نے ایک خط آستانہ عالیہ پر، محرم کو حاضر کیا، جس میں اس شیطان والے قول کا کچھ تذکرہ نہیں تھا۔ البتہ اس خط میں اپنے دو شبہہ کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ دونوں شبہے اس سے چھ سال قبل ۱۳۳۱ھ میں علمائے دیوبند نے ایک مجہول شخص کے نام سے اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجے تھے اس کے جواب میں اعلیحضرت قدس سرہٗ نے اپنا فتوی رقم فرما کر ارسال کر دیا تھا۔ اب پھر اسی فتوے کی نقل اس خط نویس کے یہاں ارسال کر دی گئی، اور یہ ہدایت بھی کی گئی کہ جناب تھانوی صاحب ظاہری سے سمجھ لیں اور اگر وہ بھی نہ سمجھا سکیں تو اپنے عجز کا اظہار کر دیں سمجھا دیا جائے گا۔ اس فتویٰ مبارکہ کے ارسال کے بعد ایک طویل خاموشی رہی۔ علمائے اہل سنت کو گمان ہوا کہ شاید سچ مچ طلب تحقیق تھی جوابِ مسکت نے خاموش کر دیا۔ مگر حاشا وہ تو صرف ایک تھانوی مکر تھا چوبیسویں دن دوم صفر کو مہملات واختراعات اور مکابرات سے پر ایک خط آستانہ عالیہ بریلی شریف بھیجا —— جو اعتراضات اور شبہات اس خط میں پیش کئے گئے تھے وہ پوری دیوبندی جماعت کے اکابر کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھے۔ اور ان لوگوں کا گمان یہ تھا کہ یہ شبہات واعتراضات لاینحل ہیں۔ ہرگز ان کے جوابات ہو ہی نہیں سکتے۔ مگر الموت الاحمر نے ان کا یہ گمان غلط ثابت کر دکھایا۔

اب میں جناب تھانوی صاحب اور ان کی پوری جماعت کی مشترکہ کوشش سے جو اعتراضات پیش کئے گئے تھے وہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور ان کے وہ جوابات جو شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے کمال متانت اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ ارقام فرمائے

ہیں، قلمبند کر رہا ہوں ـــــــ قارئین سے گزارش ہے کہ انصاف کے ساتھ بغور مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد صلاحیت پورے طور سے آشکارا ہو جائے گی۔ اور مذہب اہل سنت کی حقانیت کا آفتاب خورشید نیمروز کی طرح درخشاں وتاباں دکھائی دیگا۔

شبہہ اول خاتم النبیین کی بحث کرتے ہوئے اہل دیوبند نے امکان ذاتی کا قول کیا ہے۔ اور حضور نے بھی امکان ذاتی ہی کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ المعتقد کے حاشیہ ص ۱۰۹ پر آپ نے تحریر فرمایا ہے "اما الذاتی فلا یحتمل الا کفار" اس تصریح کے بعد آپ میں اور اہل دیوبند میں کچھ فرق باقی نہیں رہا۔ یعنی امکان وقوعی نہ جناب کے یہاں درست نہ دیوبندیوں کے یہاں،

اور جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے امکان ذاتی کے قائل ہوئے تو اگر ایک وقت میں دس بیس نبی ہوئے تو وہ بھی ممکن بالذات ہوئے۔ اور اگر وہ سب ایک ہی وقت میں اس عالم سے تشریف لے گئے تو سب کے سب خاتم زمانی بھی ہوں گے۔ اب آپ امکان ذاتی تعدد خواتم کے بھی قائل ہو گئے۔ اور جو امکان ذاتی کا قائل ہوگا اس کو امکان تعدد خواتم خود بخود لازم آئے گا ـــــــ زبان سے اگر تعدد خواتم کا انکار بھی فرما دیں تو اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا۔ خاتمیت زمانی کے تو صرف اتنا ہی منافی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو سکے۔ سو اس کے آپ خود بھی مقر اور صاحب تحذیر بھی، اور جو خاتمیت ذاتی صاحب تحذیر الناس نے حضور کیلئے ثابت کی ہے وہ آپ کے نزدیک بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اس میں فضیلت نہیں ہے۔ اور اگر ثابت ہے تو پھر صاحب تحذیر الناس اور آپ میں کیا فرق ہے۔

رہ گیا آپ کا یہ فرمانا کہ صاحب تحذیر الناس کی تکفیر اس پر ہے کہ خاتم النبیین

بمعنی آخر النبیین جاننا جاہلوں کا خیال ہے۔ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ یہ مقام مدح میں ذکر کے قابل نہیں ــــــ تو یہ مضمون تحذیر الناس میں نہیں ہے۔ تحذیر میں نہ ختم زمانی کا انکار ہے اور نہ فضیلت کا، بلکہ ختم زمانی کے ساتھ ختم ذاتی کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اور ختم زمانی کو قرآن و حدیث، تواتر و اجماع امت سے ثابت کرکے اس کے منکر کو کافر بتایا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ صاحب تحذیر کی تکفیر آپ حضرات کس بنیاد پر کرتے ہیں۔

بحثِ اول تکفیر نانوتوی صاحب

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر "ادخال السنان" اور "وقعات السنان" لکھ کر جناب نانوتوی صاحب کے پاس رجسٹری بہت پہلے بھیج دی تھی، جس میں مفصل رد مذکور ہے۔ یہاں ان دونوں رسالوں کے مطالعے کی ہدایت، اور اگر کوئی جواب ان دونوں رسالوں کا علمائے دیوبند کی طرف سے لکھا گیا ہو تو اس کے مطالعے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ۔

اوّلا ــــــ اے تھانوی صاحب باطنی، آپ اور سارے علمائے دیوبند جواب دیں۔ ولید اپنی ایک کتاب لکھے کہ "عوام کے خیال میں تو اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، تنہا خدا ہے۔ مگر اہلِ فہم پر روشن کہ ایک یا اکیلے ہونے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ نہ یہ مقامِ مدح میں ذکر کے قابل ــــــ آدم بھی ایک ــــ ابلیس بھی ایک ہے بلکہ معنی توحید یہ ہے کہ اللہ معبود بالذات ہے۔ دوسرے اگر ہوتے بھی تو معبود بالعرض ہوتے۔ اس سے تنہائی آپ ہی لازم آجائے گی۔ پھر دوسرا خدا نہ ہونا قرآن و حدیث، تواتر و اجماع سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہوگا۔ توحید اگر بایں معنی تجویز کی جائے، جو میں نے عرض کیا تو اللہ کا واحد ہونا بندوں ہی کی نظر سے خاص نہ ہوگا۔ بلکہ بالفرض ازل میں بھی کہیں اور کوئی خدا ہو جب بھی اللہ کا واحد ہونا بدستور باقی رہتا ہے، بلکہ بالفرض اگر بعد ازل بھی کوئی خدا ایک

یا دو، یا دس بیس، یا لاکھ دس لاکھ پیدا ہو جائیں تو پھر بھی توحید الٰہی میں کوئی فرق نہیں آئے گا ــــــ انتہیٰ

یہ ولید مسلم موحد ہے یا مشرک کافر، بر تقدیر اول کیا مسلمان ایسی ہی توحید مانتے ہیں جو اور خداؤں کی نافی منافی نہ ہوئی۔ اور اس معنی کو کہ اللہ ایک ہے جاہلوں نافہموں کا خیال ناقابل مدح وخالی از کمال سمجھتے ہیں؛ ــــ بر تقدیر ثانی وہ کیوں کافر و مشرک ہوا حالانکہ اس نے دوسرے خدا نہ ہونے کے ساتھ الوہیت بالذات کو بھی ثابت کیا ہے۔ اور دوسرے خدا نہ ہونے کو قرآن و حدیث تواتر و اجماع امت سے ثابت کرکے اس کے منکر کو کافر بتایا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ تکفیر کس بنا پر ہے۔ یہ کیا غضب ہے کہ متکلم اپنی مراد، اپنا مطلب صاف صریح لفظوں میں اپنی اسی کتاب، اسی بحث میں، اسی مسئلہ میں بیان کرتا ہے۔ مگر اس کی کچھ شنوائی نہیں ہوتی۔

ثانیاً ــــــ تحذیر الناس شاید آپ نے دیکھی نہیں، صرف سُنی سنائی کہہ دی کہ اس میں یہ مضمون نہیں۔ اب دیکھئے شروع کلام اسی سے ہے کہ عوام کے خیال میں رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔" دیکھئے وہ معنی کہ ائمہ علما تابعین صحابہ سب سمجھے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے انہیں جاہلوں نافہموں کا خیال بتایا۔

ثالثاً ــــــ ص ۳ دیکھئے۔ "اس میں ایک تو خدا کی جانب یاوہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و شکل، رنگ، سکونت وغیرہ اوصاف میں جنہیں فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے؟ دوسرے رسول کی جانب نقصان قدر کا احتمال، کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال۔"

دیکھئے کیسی صریح تصریح ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصہ عظیمہ بمعنی آخر الانبیاء خود کوئی فضیلت ہونا درکنار اسے فضیلت میں دخل تک نہیں

وہ کوئی کمال نہیں ۔ بلکہ ایسوں ایسوں کے ذلیل احوال کی طرح ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ دائمًا ــــــ میں نے اپنے مراسلہ میں کفریات نانوتوی میں سے یہ بھی گنایا تھا کہ "حضور کے زمانے میں بلکہ حضور کے بعد بھی اگر کوئی نیا نبی مانا جائے تو خاتمیت میں خلل نہیں" ــــــ الحمد للہ ! کہ آپ نے تحذیر الناس میں اس کے وجود کا انکار نہیں کیا ۔ ملاحظہ ہو کہ یہ خاتم النبیین پر ایمان نانوتوی صاحب کا خاتمہ کر گیا ۔ ختم زمانی کے اس ریائی اقرار اور اس کے منکر کے تصنّعی اکفار کا پردہ اتر گیا ۔

یہ تو بدیہی ہے کہ اس تقدیر پر کہ بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو، ختم زمانی باطل ہو جائے گا کہ وہ تو یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں"۔ (تحذیر ص ۲)

اور جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہو تو سب میں آخری نبی کب رہیں گے، کہ ان سے آخر اور ہوا ــــــ غرض اس سے ختم زمانی کا انتفاء بدیہی اور اس کے انتفاء سے نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم کہ اسے ختم زمانی لازم تھا ۔

"ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے" (تحذیر ص ۹) اور لازم کے انتفاء سے ملزوم کا انتفاء لازم ــــ تو نہ ختم زمانی رہا ، نہ ذاتی بچا ، سب فنا ، اور خاتمیت بجا ، اس میں کچھ خلل نہ آیا ۔

یہ کیسا شدید کفر ہے ۔ اور کتنی ڈھٹائی کے ساتھ ۔ دیوبندی تعصب وعناد کے مارے ہوئے ہیں ۔ تھانوی صاحب آپ تو اب طالب تحقیق ہیں ۔ ضرور اس پر غور کریں گے ۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل ان کے بدگویوں کی حمایت نہ لیں گے ۔ (الموت الاحمر ملخصاً ص : ۲۱ تا ۲۴)

تھانوی صاحب باطنی نے جو نبی کے امکان ذاتی ماننے پر تعدد خواتم کو لازم قرار دیا اور اس پر اعتراض کیا تھا ۔ اس کا جواب پڑھیں ۔ اور شہزادہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو جو اپنے آباء و اجداد سے موروثی علم و فضل ملا ہے

اس کا دلکش نظارا کریں ۔

خامسًا ــــــ تعدد امکان، امکانِ تعدد نہیں، جیسے اجتماعِ امکانات امکان اجتماع نہیں ــــــ یعنی جس چیز میں تعدد محال ہے اور علیٰ سبیل البدلیہ دو یا سو کا احتمال ہے ۔ وہاں تعدد امکان تو ہوا، یعنی متعدد احتمالات تو ممکن ہیں مگر امکان تعدد نا ممکن کہ مفروض یہ ہے کہ اس شئی میں تعدد محال ہے ــــــ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خاتم الانبیاء ہونے میں علیٰ سبیل البدلیہ دو یا سو کا احتمال تو ہے تو تعدد امکان ہوا، مگر امکان تعدد ناممکن، یعنی جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہو گئے تو پھر کسی اور کا ہونا محال، پھر اس کے بعد اس کی پانچ نظیریں پیش فرمائی ہیں ۔

(۱) حصول فردیت ہر شخص سے ممکن اور تعدد محال بالذات

(۲) ممکن کے وجود و عدم دونوں ہر وقت ممکن اور اجتماع محال بالذات

(۳) ہر تضاد میں دونوں ضدیں ہمیشہ ممکن کہ ممکن کبھی محال نہیں ہو سکتا ورنہ انقلاب مواد لازم آئے گا ۔ اور اجتماع محال

(۴) جو وقت لیجئے اس میں رات اور دن دونوں ممکن، اور دونوں ہوں، یہ محال،

(۵) اس کی نظیر شرعیات میں تَحِلُّ لِلْاَزْوَاجِ ہے ۔ عورت ہر نا محرم کے لئے حلال اور اجتماع شرعاً محال،

تو تھانوی صاحب باطنی کا امکان ذاتی سے امکان تعدد خواتم سمجھنا کیسا باطل خیال، اتنی نافہمی کے بعد اس کی کیا شکایت، کہ سب اس عالم سے ایک ہی وقت میں تشریف لے جائیں تو سب خاتم ہوں گے۔

ایک بھی نہ ہو گا کہ خاتم کے معنی باقرار تحذیر الناس (ص : ۲) یہ ہیں کہ سب میں آخر نبی ــــــ جب دس بیس ایک ساتھ ہوئے تو سب میں آخر ایک بھی نہ ہوا ۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ المعتمد المستند کی عبارت (ص : ۱۰۹) جس کا آپ

نے حوالہ دیا ہے۔ خود اسی میں اس شبہہ باطل کے کشف کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے ——— اما الذاتی فلا یحتمل الا کفاء بل ھو ھھنا صحیح وان بطل فی تعدد خاتم النبیین لان الآخر بالمعنی الموجود ھھنا لا یقبل الاشتراک عقلاً۔" مگر کشف کے باوجود آپ کو سمجھ میں نہ آیا۔

سادساً ——— محض غلط ہے کہ دیوبندیہ دوسرے نبی کے امتناع بالغیر کے قائل ہیں۔ انصافاً غور کیجئے کہ ممکن بالذات کسی محال بالذات کے لزوم سے ممتنع بالغیر ہوگا یا ممکن بالذات کے؟ ممکن کے لزوم سے ممکن کا محال ہونا بداہتہً باطل حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ہونا بلاشبہہ نافی خاتمیت ہے۔ اور خاتمیت کا انتفا محال کہ اس سے معاذ اللہ کلامِ الٰہی کا کذب لازم آئے گا۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اور کذب الٰہی قطعاً محال بالذات تو اس کے لزوم نے اسے محال بالغیر کر دیا۔ لیکن دیوبندیہ بلکہ سارے کے سارے وہابیہ کے نزدیک کذب الٰہی ممکن تو اس کا لزوم اسے کیونکہ ممتنع بالغیر کردے گا۔ مسلمانوں کے خوف سے اپنے کفر پر پردہ ڈالنے کے لئے زبانی امتناع رٹنا کیا مفید، اب تو آپ کو مسلمانوں اور دیوبندیوں کا فرق کھل گیا

سابعاً ——— انصافاً ملاحظہ ہو نانوتوی صاحب نے اس دیوبندی ڈھول کی کھال تک سلامت نہ رکھی کہ امتناع بالغیر تھا تو اسی لئے کہ خاتمیت میں فرق آئے گا۔ اور وہ فرما چکے (تحذیر ص ۳۲) "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

اب کہیے وہ امتناع بالغیر کس گھر سے لائیں گے۔ تو آپ کا یہ ادعا کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہ ہوسکنے کے نانوتوی صاحب بھی قائل ہیں کیسی صریح ڈھٹائی ہے۔

ثامناً ——— ہاں! یہ قاعدہ آپ نے بہت مفید باندھا کہ جس امر میں فضیلت سمجھی جائے اسے ثابت ماننا ضروری ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے

کسی ورود کی ضرورت نہیں۔ یہی دلیل کافی ہے کہ وہ فضیلت ہے لہذا ثابت ہے ـــــ الحمدللہ! یہ قاعدہ وہابیت اور دیوبندیت کا خاتمہ کردے گا۔ فی الحال اتنا ہی بتائیے کہ بعطائے الہٰی علم محیط زمین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اس میں فضیلت نہیں ہے۔ اور اگر ثابت ہے تو گنگوہی صاحب اس پر ایمان سے کیوں منحرف ہیں۔ اور کیوں کہتے ہیں کہ ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ثابت ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے ـــــ اور کیوں کہتے ہیں کہ بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے۔

افسوس کہ آپ کا یہ باطنی لباس ان کے وقت میں نہ ہوا کہ ان کی آنکھیں کھولتا۔ اور فضائل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر انہیں ایمان لانے کی طرف بلاتا۔ اگرچہ من یضلل اللہ فماله من هادٍ۔

شبہہ دوم

براہین کی عبارت دیکھنے سے پہلے جو میں نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شرک میں تفریق نہیں ہوسکتی۔ جو بات مخلوق میں ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو جس کسی کے لئے ثابت کی جائے گی شرک ہوگی۔ کیونکہ خدا کا کوئی بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ میں اپنے اس عقیدے پر اب بھی قائم ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اب مجھ کو سخت حیرت اور تعجب ہے کہ حضور نے براہین قاطعہ کے متعلق کیا تحریر فرمایا ہے۔ جس علم کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرنا شرک خالص کہا گیا ہے، جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں، وہ علم ذاتی ہے اور جس علم کو ابلیس لعین کے لئے ثابت مانا وہ علم عطائی ہے۔ تو جو غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک ہے (یعنی ذاتی) وہ شیطان کے لئے ثابت نہیں مانا اور جس علم کا ثبوت شیطان کے لئے تسلیم کیا ہے، ـــ (یعنی عطائی) وہ کسی کے لئے ثابت کرنا شرک نہیں کہا گیا ہے ـــ تو اب حاصل کلام یہ ٹھہرا کہ شیطان کو علم عطائی ہے اور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ذاتی نہیں، فرمایئے اس میں کون سی

بات تکفیر کی ہے۔ حضور نے تمہید ایمان ص: ۳۳ پر فرمایا ہے کہ فقہائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ جس مسلمان سے کوئی ایسا لفظ صادر ہو کہ جس میں سو پہلو نکل سکیں۔ اس میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے کوئی خاص کفری پہلو مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہیں کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے۔ کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔

اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اگر واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوئے کفر ہے تو ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا۔ وہ عند اللہ کافر ہی رہے گا۔ آگے چل کر آپ نے اپنا مذہب بھی یہی قرار دیا۔

اب حیرت اس بات پر ہے کہ صاحب براہین اپنی مراد اپنی دوسری تصنیف میں نہیں، خاص براہین میں اسی مسئلہ میں اسی قول میں بیان کرتا ہے۔ اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کرکے یہ عقیدہ کرے جیسے جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔

پھر بھی آپ خلاف تصریح متکلم کے ایک معنی کفریہ اپنی طرف سے متعین فرما کر متبین سے نکال کر متعین کا فرد بناتے ہیں، جو حقیقت میں متبین کیا خفی بھی نہیں کس قدر افسوس کی بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے بعد صاحب براہین کی تکفیر کے لئے آپ کے پاس کیا وجہ رہ جاتی ہے۔

بحث دوم تکفیر گنگوہی صاحب

براہین قاطعہ میں علم محیط زمین شیطان کے لئے ثابت مانا گیا ہے۔ اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے اسی علم کی نفی کی گئی ہے اور حضور کے لئے ثابت ماننے پر کہا گیا ہے کہ یہ شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔

اس کا مفصل رد حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور رسالہ

"اِدخال السنان" میں فرمایا ہے جس میں ایک سو ساٹھ وہ قاہر ایرادات اور سوالات کئے گئے ہیں جن کے جوابات سے پوری جماعتِ دیوبندیہ تقریباً ایک صدی سے عاجز ہے اور دم بخود ہے۔ اور تھانوی صاحب باطنی کے جواب میں جو رسالہ "الموت الاحمر" تحریر فرمایا خود اس میں بھی تیس وجوہ سے ایسا ردِ بلیغ فرمایا ہے، جس کے مطالعہ کے بعد میں پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ تکفیر گنگوہی میں ذرہ برابر شک وشبہہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اور جس کسی کے دل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی محبت اور کچھ غیرتِ ایمانی ہو گی اس میں تو ایسے شاتم رسول سے شدید ترین نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور گنگوہی صاحب اور ان کے جملہ اصحاب واذناب کا کفر اس کے نزدیک روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

ناظرین پہلے براہین قاطعہ کی وہ ایمان سوز عبارت جس پر علمائے عرب و عجم نے تکفیر فرمائی ملاحظہ فرمالیں۔

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر ہو جائے چہ جائیکہ زیادہ، اور قیاس سے اس کا اثبات جہل ہے۔ الغرض یہ تحقیق داہی مؤلف کی محض جہل ہے۔ وہ آپ شاید شرک میں مبتلا نہ ہوں مگر ایک عالم کا راہ مار دیا۔ بعد اس کے جو حکایات اولیا کی مؤلف نے لکھی ہیں ان اولیاء کو حق تعالےٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونا اس سے زیادہ عطا فرما دے ممکن ہے۔ مگر ثبوت فعلی اس کا کہ

عطا کیا ہے، کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کا کیا جائے۔ اس امر کا محض امکان سے کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہیے، اور ثبوت نص سے واجب ہے۔ مگر سوء فہم مؤلف کا ہے۔ اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی کوئی آپ کو ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے، اب ظاہر ہو گیا کہ جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے مطابق ہوگا، البتہ وہ مشرک ہے ان عبارات سے حجت لانا کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے۔"

(براہین قاطعہ، ص: ۵۵)

مسلمان بنگاہِ انصاف دیکھیں ہر اردو خواں بھی سمجھ سکتا ہے کہ براہین والے نے جس علم محیط زمین کو شیطان کے لئے نصوص قطعیہ سے ثابت مانا۔ اور پھر اسی علم کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ماننا شرک کہا۔ اور شرک بھی وہ جس میں کوئی حصہ ایمان کا نہیں۔ اور یہ شرک اسی وقت ہو گا جبکہ اسے باری عزّ وجل کی صفت خاصہ مانیں۔ اور جب اسے باری عز وجل کی صفت خاصہ مانیں گے تو شیطان کے لئے اسے ثابت ماننے اور وہ بھی نص سے ثابت ماننے کا مطلب یہ ہو گا کہ شیطان خدا کا شریک ہے۔ اور گنگوہی صاحب نے اسے شیطان کے لئے ثابت مانا۔ تو لازم کہ انہوں نے شیطان کو خدا کا شریک مانا۔ اِس عبارت سے تین کفر صریح طور پر لازم آئیں گے۔

اول: ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شیطان کے علم سے کم ہے۔

دوم: ـــــ شیطان لعین اللہ عز وجل کا شریک ہے۔

سوم: ـــــ قرآن وحدیث سے شرک کو ثابت مانا۔

اب تھانوی صاحب باطنی اس کو یوں مٹانا چاہتے ہیں، جس علم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرنا شرک خالص کہا گیا ہے، وہ علم ذاتی ہے۔ اور جس علم کو ابلیس کے لئے مانا گیا ہے وہ علم عطائی ہے۔ صاحب براہین اپنی مراد خاص براہین میں اسی مسئلہ میں بیان کرتا ہے۔ یہ بحث اس صورت میں ہے کہ

علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کرکے یہ عقیدہ کرے، جیسے جہلار کا یہ عقیدہ ہے۔

اَقُولُ ——— اول تا آخر منشار بحث و اعتقاد فریقین اور خود اس عبارت لایعنی کا فقرہ فقرہ اس کے بطلان و ہذیان پر شاہد عدل ہے۔

اولاً ——— للہ انصاف براہین قاطعہ جو مولانا عبدالسمیع کی انوارِ ساطعہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔ اور براہین کے ص: ۲۰۳ سے ص: ۲۰۷ تک انوار ساطعہ کا مطول کلام منقول ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ "اصل عالم الغیب اللہ تعالےٰ ہے کوئی ایسا نہیں جو بلا تعلیم حق جان لے ہاں! اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو خبریں غیب کی دیتا ہے"۔ پھر کہا آیات واحادیث واقوال مشائخ وعلمار سے بخوبی یہ ثابت ہوگیا کہ انعقاد محافل میلاد کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر بعض واسطوں سے ہو جاتی ہے ——— دیکھو! کیسی صریح تصریحیں ہیں، علم عطائی اور علم بالوسائط کی۔ یہاں بھی براہین والے نے وہی جواب دیا کہ پہلے اس کا جواب ہوچکا کہ حق تعالےٰ نے حضرت عزرائیل کو ایسی قوت وعلم دیا ہے۔ اگر فخر عالم کو صد ہا گونا زائد ہو تو کیا عجب ہے۔ مگر کلام فعلیت میں ہے کہ یہ ہوتا ہے یا نہیں، پھر کہا کلام فعلیت میں ہے اور قیاسِ مؤلف امکان میں، عقائد کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے۔ ملک الموت کا جواب مذکور ہوچکا۔

اس مکالمہ کو علم ذاتی بہ معنی بے عطائے الٰہی پر ڈھالنا کیسی شدید بے ایمانی ہے۔ براہین والا قطعاً جانتا ہے کہ وہ علم عطائی مانتے ہیں۔ اور اسی کو کہتا ہے کہ شرک نہیں تو کون سا حصہ ایمان کا ہے۔ اسی کو کہتا ہے کہ جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے مطابق ہوگا البتہ وہ مشرک ہے۔

نوٹ ——— راقم الحروف کی طرف سے پوری جماعت دیوبندیہ کو یہ چیلنج ہے کہ انوار ساطعہ کے اندر کوئی ایسا جملہ یا ایسا فقرہ نہیں دکھا سکتے کہ مؤلف مرحوم نے اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی مخلوق کے لئے

ایک ذرہ کا بھی علم بے عطائے الٰہی مانا ہو، بلکہ ان کی پوری کتاب اس بات پر شاہد ہے کہ وہ بعطائے الٰہی ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر مخلوقات کے لئے علم مانتے ہیں ——— اب اس پر جناب گنگوہی صاحب کا یہ فرمانا کہ "جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے مطابق ہوگا وہ مشرک ہے"۔

اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ بعطائے الٰہی مؤلف انوار ساطعہ نے جو علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت مانا اسی پر گنگوہی صاحب حکم شرک لگا رہے ہیں ——— لہذا یہاں یہ کہنا کہ گنگوہی صاحب نے جس علم کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرنے کو شرک خالص کہا ہے اس سے مراد علم ذاتی ہے۔ کھلی ہوئی فریب کاری اور ہٹ دھرمی ہے۔

ثانیاً ——— عبارت براہین کا یہی ٹکڑا جو تھانوی صاحب باطنی نے نقل کیا ہے کہ "یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلاء کا عقیدہ ہے"۔ علمائے اہل سنت کا تقریباً ایک صدی سے جماعتِ دیوبندیہ کے تمام اصاغر واکابر سے یہ پیہم مطالبہ ہو رہا ہے کہ وہ بتائیں کہ کون سے جہلاء کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کا علم بے عطائے خدا ہے۔

ثالثاً ——— براہین کا وہ لفظ دیکھو ——— "شیطان کو جو یہ وسعتِ علم دی"۔ دیکھو "دی" میں کلام ہے۔ اور اسی پر بوجہ افضلیت قیاس کو منع کرتا ہے کہ عقائد قیاسی نہیں۔ قیاس سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جو مقیس علیہ میں ہو یا اس کا مباین؟ ——— شیطان میں علم عطائی تھا۔ معاذ اللہ اگر حسبِ زعم مردود گنگوہی اس پر قیاس ہوتا تو اس سے بھی عطائی ہی تو ثابت ہوتا جسے یوں رد کر رہا ہے کہ عقائد قیاسی نہیں۔

رابعاً ——— وہ تقریر دیکھو کہ فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونا اس سے زیادہ عطا فرما دے ممکن ہے۔ مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے، دیکھو صاف علم عطائی میں کلام کر رہا ہے۔

خامسًا ـــــــ امکان کا تو خود جا بجا قائل ہے صرف ثبوتِ فعلی کا منکر ہے۔ کیا آپ کے نزدیک گنگوہی صاحب بے عطائے الٰہی علم ملنا ممکن جانتے تھے۔ ایسا ہے تو اقرار کر دیجئے دام کھل جائیں گے۔

سادسًا ـــــــ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس علم کے ثابت کرنے پر کہتا ہے۔

(۱) مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب ہوتا ہے۔

(۲) قیاس سے اس کا اثبات جہل ہے۔

(۳) تحقیق مؤلف کی جہل ہے۔

(۴) سوءِ فہم مؤلف کا ہے۔

(۵) کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے۔

اگر براہین والے کی یہ بحث علم بے عطائے الٰہی میں ہوتی، اور مؤلف کو اس کا مثبت سمجھتا تو کیا فقط جہل و کوتاہ فہمی کا حکم لگاتا، یہ چیخ نہ پڑتا کہ مؤلف کافر، مرتد، مشرک ہے کہ بے خدا کے دیے علم مانتا ہے۔

سابعًا ـــــــ اس نے تصریح کی کہ مؤلف شاید شرک میں مبتلا نہ ہو، بے عطائے الٰہی علم ماننے پر شرک میں یوں ہی شک شبہہ کرتا یا اپنے امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کی طرح بکار اٹھتا کہ ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔ کیوں تھانوی صاحب باطنی ابوجہل یا اس کے برابر مشرک کو کہنا شاید شرک میں مبتلا نہ ہو کفر ہے یا نہیں؟

ـــــــ بالجملہ اصل مبحث و منشاء بحث و اعتقاد فریقین اور عبارت کا فقرہ فقرہ سب تھانوی صاحب باطنی کی جھوٹی گڑھت پر لعنت کر رہے ہیں، کیا یوں ہی کفر اٹھا کرتا ہے۔

بحمد اللہ! کیسے دلائل قاہرہ سے ثابت ہو گیا کہ گنگوہی صاحب نے جس علم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ماننا شرک خالص کہا ہے وہی علم ابلیس لعین کے لئے خود ثابت مانا ہے اور آپ اقرار کر چکے ہیں کہ شرک میں تفریق نہیں

ہے، جو بات مخلوق میں ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو جس کسی کے لئے ثابت کی جائے شرک ہی ہوگی۔ کیونکہ خدا کا کوئی کبھی شریک نہیں ہو سکتا۔

اب تو آپ اپنے اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھئے کہ بے شک گنگوہی صاحب صریح مشرک تھے۔ گنگوہی صاحب شیطان کو خدا کا شریک مانتے تھے۔ اور اگر آپ نہ مانیں تو اہل انصاف تو دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی نہ دیکھے تو واحد قہار تو دیکھتا ہے جس کا شریک ابلیس لعین کو مانا، اور جس کے حبیب کی یہ شدید توہین کی ـــــ فللہ الحجۃ البالغۃ

شبہہ سوم

الکوکبۃ الشہابیہ کے مطالعہ نے نہایت خلجان اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، جس مضمون نے طبیعت کو متوحش بنا دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی تحریر میں فرمایا کہ جو شخص خدا کو جھوٹا کہے اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم دے وہ شخص باجماع امت کافر، مرتد اور بد دین ہے۔ اور جمیع فقہائے کرام کا یہی مذہب ہے۔ اور جو اس کے کافر کہنے سے زبان روکے یا شک کرے وہ بھی کافر ہے ـــــ اور یہ بھی آپ کو یقیناً معلوم ہے کہ اس شخص نے ضرور رسول کریم علیہ التحیۃ والثناء کو گالیاں دیں۔ چنانچہ آپ مکرر قسمیں کھا کھا کر اپنے کلام کو مؤکد فرما رہے ہیں۔ حضور پھر کف لسان فرما رہے ہیں۔ اور اس کے کافر کہنے سے زبان روکتے ہیں۔ اب فرمائیے آپ کیا ہوئے۔ نعوذ باللہ من ھٰذہ الفواحش۔

شبہہ چہارم

آپ نے تمہید ایمان میں تحریر فرمایا ـــــ نہ کہ ایک ملعون کلام تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیاء علیہ وعلیہم الصلاۃ والتسلیم میں صاف صریح ناقابل تاویل و توجیہ ہو اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو۔ اب تو اس کو کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔ جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے ـــــ ابھی شفاء، بزازیہ، دُرر، بحر، نہر، فتاوی خیریہ، مجمع الانہر، و در مختار وغیرہا کتب معتمدہ سے سُن چکے کہ جو شخص حضور اقدس صلے اللہ

علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی
کافر ہے۔

پھر کتاب مذکور کا ص ۳۰۷ ملاحظہ ہو ـــــ ضروری تنبیہ احتمال وہ
معتبر ہے جس کی گنجائش ہو۔ صریح بات میں تاویل نہیں سُنی جاتی ہے۔ ورنہ
کوئی بات کفر نہ رہے ـــــ مثلاً زید نے کہا خدا دو ہیں۔ اس میں یہ
تاویل ہو جائے کہ لفظ خدا سے بحذف مضاف حکم خدا مراد ہے۔ یعنی قضا دو ہیں
مُبرم اور معلّق ـــــ پھر اس کے دو سطر بعد تحریر فرماتے ہیں۔ ایسی تاویلیں
زنہار مسموع نہیں۔ شفاء شریف میں ہے۔ ادعاء التاویل فی لفظ صراح
لا یقبل ـــــ صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سُنا جاتا ـــــ شرح
شفائے قاری میں ہے۔ وھو مردودٌ عند القواعد الشرعیۃ ـــــ ایسا
دعویٰ شریعت میں مردود ہے ـــــ نسیم الریاض میں ہے۔ لا یلتفت
لمثلہ ویُعدُّ ھذیاناً ـــــ ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا۔ اور
وہ ہذیان سمجھی جائے گی۔

اب آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ نے جو فتویٰ میرے پاس بھیجا ہے۔ اس
میں آپ فرماتے ہیں کہ صریح مقابل کنایہ ہے۔ اسے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی،
ہدایہ میں ارشاد ہوا۔

انتِ طالق لا یفتقر الی النیۃ لانہ صریح فیہ لغلبۃ الاستعمال ولو
نویٰ الطلاق عن وثاق لم یدین فی القضاء لانہ خلاف الظاہر
ویدین فیما بینہ وبین اللہ لانہ نویٰ ما یحتملہ۔

یہ تو ایک ایسا صریح تعارض اور تناقض ہے کہ جس کا دفع کرنا آپ ہی کے
قبضہ میں ہے۔ اگر صریح میں احتمال بھی ہو مگر جب وہ مسموع ہی نہیں شریعت
میں مردود ہے۔ قابلِ التفات ہی نہیں ہذیان ہے اور بیہودہ بکواس ـــــ
تو اس احتمال کا شریعت میں اعتبار ہی کیا ہے۔ اول تو اس تعارض کو دفع کیا

جائے۔اور ثانیًا صاحب ہدایہ کی عبارت سے بھی یہ صاف ثابت ہوتا ہے
کہ لفظ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں۔ اور قاضی لفظ صریح ہی کے موافق
فیصلہ کرے گا۔ اگر قائل نے خلاف صریح کسی معنی محتمل کا ارادہ کیا ہے تو اس کا
معاملہ فیما بینہٗ وَبَینَ اللہ ہوگا۔اور قاضی اسے ہرگز نہیں سُنے گا۔
چہ جائیکہ قائل ایسے معنی مراد لے جو محتمل ہی نہ ہو۔ اور چہ جائیکہ متکلم کے مراد
لینے کی خبر بھی ہو۔ پھر حکم صریح کے خلاف کیسے مفتی فتویٰ یا حکم دے سکتا ہے۔
اب اس کے بعد آپ کی عبارت جو الکوکبۃ الشہابیہ ص: ۲۱ پر مولانا
اسماعیل صاحب دہلوی کی نسبت —— یہ صریح سب و دشنام کے
لفظ لکھ دیئے۔ پھر ایک سطر بعد —— مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انہیں ایذا نہ پہونچی۔ ہاں ہاں
واللہ واللہ! انہیں اطلاع ہوئی۔ واللہ واللہ! انہیں ایذا پہونچی۔
پھر ص، ۲۳ پر فرماتے ہیں۔ اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی
تاویل کی بھی جگہ نہیں۔
اب فرمایئے اول تو صریح گالی اس میں تاویل مسموع مقبول ہی کب تھی
عندالشرع مردود اور ہذیان —— پھر یہاں تو آپ کے نزدیک اس کھلی
گستاخی میں تاویل کی جگہ بھی نہیں۔ اب اگر قائل نیت بھی کرتا تو قاضی اور مفتی
کے یہاں پہلے ہی مردود تھی۔ اور نویٰ ما یحتمل خارج، اور آپ کو تو قائل
کی نیت کا علم بھی ہو گیا۔ اور اس کا بھی علم ہو گیا کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کو بھی اس گالی کا علم ہوا —— اور پھر بھی آپ صاحب صراط مستقیم
کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ اسی کو اپنا مختار اور مُفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔ اب آپ اپنی
ہی عبارت تمہید ایمان ص، ۲۵ ملاحظہ فرمایئے۔ اسے کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام
ماننا ہوگا۔ اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے۔
لہٰذا آپ خود، اور جو آپ کو کافر نہ کہے خود کافر ہوا جاتا ہے۔

غرض اب آپ یہ تحریر فرمائیں کہ ان ایمان مؤکد کے بعد آپ سے کفر کیوں کر اٹھے گا۔ صاحب براہین اور صاحب تحذیر الناس اور صاحب حفظ الایمان اپنی عبارت کا مطلب خود ہی بیان فرمائیں، مگر ان کا کفر ایسا قطعی اور یقینی کہ ان کی تکفیر میں شک کرنے والا بھی قطعی کافر ہو —— اور صاحب صراط مستقیم میں نہ احتمال کی گنجائش اور نہ وہ احتمال ان کی مُراد معانی کفریہ کا مُراد ہونا آپ کے نزدیک محقق اور ثابت —— مگر پھر بھی ان کی تکفیر نا جائز، خدا کے لئے اس کا مطلب کھول کر بیان فرمائیے۔

بحث سوم صرف تکفیر فقہی اسماعیل دہلوی صاحب

شہزادہ اعلیحضرت

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالے علیہ فرماتے ہیں۔

یہ مسئلہ چنداں دقیق بھی نہ تھا۔ موضوع کتاب جاننے والے پر مخفی نہ رہتا۔ جیسے آپ واقعی طالب تحقیق ہوتے تو لعونہ تعالے ادنیٰ تنبیہ میں سمجھ لیتے۔ مگر تمام دیوبندیہ ایک تو بے علم، دوسرے کج فہم، تیسرے متعصب، چوتھے مکابر یہ ظلمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ہے۔

احمق بلید کلام حق پر ایسا اعتراض جانتا ہے جسے اعتقاد کر لیتا ہے کہ لاحل ہے۔ جواب ناممکن ہے۔ اور جب حق کا آفتاب جلوہ فرماتا ہے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔

اے تھانوی صاحب باطنی تسہیل فہم کے لئے چند مقدمے ملاحظہ فرمائیں۔ ادنیٰ عقل والا بھی انہیں سے فوراً سمجھ لے گا کہ دیوبندیہ جسے لاحل اشکال سمجھ کر غل مچا رہے تھے وہ انہیں کے گلے کا طوق تھا۔

مقدمہ (۱) تاویل کی تین قسمیں ہیں۔ ۱: قریب ۲: بعید ۳: متعذر، کما فی منتھی السؤل وفصول البدائع وغیرھا۔

تاویل کے لغوی معنی ہیں پھیرنے کے، اہل علم کے محاورے میں کسی پہلو دار کلام کو

اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر خفی معنی پر ڈھالنے کو تاویل کہتے ہیں۔

ان تین قسموں میں تاویل حقیقت میں صرف قریب و بعید ہے۔ متعذر حقیقت میں تاویل نہیں، تحویل ہے۔ یعنی کسی کلام کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا کہ کلام کی نہ دلالت اس معنی پر ہو اور نہ اس معنی کا کلام محتمل ہی ہو۔ صرف بات کی پچ اڑانا، اور منہ زوری سے کسی کلام کے کوئی معنی زبردستی بتانا ہے۔

مقدمہ (۲) ——— جمہور فقہاء کے نزدیک تکفیر کے لئے متبیّن ہونا کافی، عامہ حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور بہت سے شافعیہ کا یہی مسلک ہے۔

اکثر متکلمین و فقہائے محققین حنفیہ وغیرہم کے نزدیک تکفیر کے لئے متعین ہونا مشروط ——— منح الرّوض میں ہے۔

عدم التکفیر مذھب المتکلمین والتکفیر مذھب الفقھاء فلا یتحد القائل بالنقیضین فلا محذور۔

تاویل صحیح اگرچہ کتنی ہی بعید ہو متکلمین قبول کریں گے۔ یہ ہے وہ کہ محققین محتاطین نے فرمایا کہ ایک بات میں ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو پہلوئے اسلام کو ترجیح دیں گے۔

دُرَر و غُرَر میں ہے۔

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر (ای احتمالات) وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ ثم لو نیتہ ذلک فمسلمٌ والا لم ینفعہ حمل المفتی علٰی خلافہ۔

لیکن عامہ فقہاء کے یہاں تکفیر کے لئے معنی ظاہر پر عمل اور احتمالِ بعید نامتقبل اور باطن مُفوّض بعلیم عزّ وجل، امام ابن حجر اعلام میں فرماتے ہیں۔

عملنا بما دل علیہ لفظہ صریحا وقلنا لہ انت حیث اطلقت ھذا اللفظ ولم تؤول کنت کافراً وان کنت لم تقصد ذلک لانا انما نحکم بالکفر باعتبار الظاھر وقصدک وعدمہ انما ترتبط بہ

الاحکام باعتبار الباطن فاللفظ اذا کان محتملا لمعان فان کان
فی بعضها اظهر حمل علیہ وکذا ان استوت ووجد لاحدها
مُرجح والارادۃ وعدمہا لا شغل لنا بہا۔

"ہم لفظ کے مدلول صریح پر عمل کریں گے اور کہیں گے کہ جب تو نے یہ لفظ کہا اور
تاویل نہیں کی تو، تو کافر ہو گیا۔ اگرچہ تو نے اس کا قصد نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہم ظاہری
معنی کے لحاظ سے کفر کا حکم کرتے ہیں۔ اور تیرے قصد اور عدم قصد پر احکام باطنی
کا تعلق ہے۔ اس لئے لفظ اگر چند معانی کا احتمال رکھے تو اگر بعض میں زیادہ ظاہر
ہے تو اسی پر حمل کیا جائے گا۔ یوں ہی اگر برابر ہو اور کسی ایک کے لئے مرجح
ہو تو بھی۔ ارادہ اور عدم ارادہ سے ہمیں مطلب نہیں"

اس سے ثابت ہو گیا کہ تکفیر کے سلسلے میں علماء کی دو روش ہے۔ ایک یہ کہ
اگر وہ قول کفری معنی میں ظاہر ہے اور قائل سے کوئی تاویل منقول نہیں تو اس
کی تکفیر کرتے ہیں —— یہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے —— دوسرے یہ
کہ اگر اس میں کوئی ضعیف سے ضعیف احتمال ہو تو تکفیر سے کف لسان کرتے ہیں۔ یہ
عام متکلمین و محققین فقہاء کا مسلک ہے۔

مقدمہ (۳) —— یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ لفظ صریح میں تاویل نامقبول
ہونا متفق علیہ ہے۔ مگر متکلمین کے طور پر صریح سے مراد متعین ہے کہ جس میں
مراد متعین ہے۔ اور تاویل سے مراد متعذر ہے کہ تاویل غیر متعذر ہے۔

اور فقہاء کے طور پر صریح متعین و متبین دونوں کو شامل، اور تاویل
متعذر و بعید کو، یوں ہی کسی قول کفری پر حکم کہ اس میں کوئی تاویل کی جگہ بھی
نہیں۔ اگر بحث کلامی میں ہے تو مفاد تعین اور جگہ نہ ہونا نفس احتمال کی نفی،
کہ کوئی دوسرا پہلو ہے ہی نہیں اگرچہ بعید —— اور اگر بحث فقہی میں ہے
تو مفاد تبین اور جگہ نہ ہونا نفی تحمل یعنی قابل قبول نہیں، خواہ سرے سے احتمال
ہی نہ ہو یا ہو مگر بعید، ——

حاصلِ کلام ـــــ یہ نکلا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک تاویل قریب صرف معتبر ہوتی ہے۔ تاویل بعید ان کے نزدیک معتبر نہیں ـــــ لہذا جب فقہاء کرام یہ بولتے ہیں کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ تاویل قریب کی۔ یہ ہرگز نہیں ان کی مراد ہوتی ہے کہ تاویل بعید کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک تاویل بعید جب غیر معتبر، تو گویا وہ کالعدم ہے۔ اور متکلمین جب کسی کلام کے بارے میں بولیں کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں تو ان کی مراد تاویل قریب و بعید دونوں ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے یہاں دونوں معتبر ہے ـــــ رہ گیا سوال متعذر کا تو وہ نہ فقہاء کے نزدیک معتبر، نہ متکلمین کے یہاں، اور اس کے معتبر ہونے کا سوال ہی کیا ہے۔ جب وہ حقیقۃً تاویل ہے ہی نہیں ـــــ تحویل اور تحریف معنوی ہے۔ تو اس کا اعتبار کیونکر درست ہوگا؟۔

مقدمہ (۴) ـــــ کفریتِ قول مطلقاً مذہب کلامی میں کفر قائل نہیں کہ اُسے تبین کافی، اور اِسے تعین درکار، فتح، بحر، نہر و منح الروض میں ہے۔

ذلك المعتقد فی نفسه کفر	وہ اعتقاد فی نفسہ کفر ہے تو اس کا
فالقائل به قائل بما هو کفر	قائل اس چیز کا قائل ہے جو کفر ہے
وان لم یکفر۔	اگرچہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

یہ بات گنگوہی صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ فتاوی رشیدیہ اول میں ص ۵، پر لکھتے ہیں اِن افعال کو کفر ہی کہنا چاہئے مگر مسلم کے فعل کی تاویل لازم ہے۔ سل السیوف وحواشی کوکبۂ شہابیہ میں فرمایا، کہ ان اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات"،

مقدمہ (۵) ـــــ دیوبندیوں کی تکفیر مذہب کلامی پر ہے ـــــ ولہذا علمائے حرمین طیبین نے فرمایا کہ ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے لیکن کتاب "الکوکبۃ الشہابیۃ" اس کا موضوع بحث فقہی ہے۔ ص: ۱۰ اسے

شروع ان لفظوں سے ہے۔

"بلاشبہہ وہابیہ اور ان کے پیشوا پر حسب تصریحات جماہیر فقہا ر حکم کفر ثابت۔"

ص ۶۲ پر، ختم جواب میں یہ لفظ ہیں "فرقہ وہابیہ اور اس کے امام بلاشبہہ جماہیر فقہار کی تصریحات پر کافر" ـــــ تو ساری کتاب خالص بحث فقہی پر ہے بالکل اخیر میں صرف اتنے لفظ مذہب کلامی پر ہیں۔ کہ "اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کفِ لسان ماخوذ ومختار ومرضی ومناسب"۔ اور تمہید ایمان اور حسام الحرمین میں بحث کلامی ہے۔

فائدہ جلیلہ شبہے کی تین قسم ہے ـــــ (۱) شبہہ فی الکلام (۲) شبہہ فی التکلم، (۳) شبہہ فی المتکلم،

شبہہ فی الکلام یہ ہے کہ اس میں متعدد احتمالات ہیں۔ پہلو دار کلام ہے۔ ان میں بعض پہلو کفر ہیں، اور بعض درست، اور متکلم کی مراد معلوم نہیں۔

شبہہ فی التکلم یہ ہے کہ جس کی طرف وہ کلام منسوب کیا گیا ہے، اس سے اس کے ثبوت میں تامل اور شبہہ ہو کہ آیا یہ کلام اسی کا ہے یا کسی غیر کا، تو کلام اگرچہ قطعی اعتبار سے کفر ہو لیکن اس شخص کو کافر نہ کہیں گے۔ اس لئے کہ اس کا تکلم قطعی طور پر اس سے ثابت نہیں۔

شبہہ فی المتکلم یہ ہے کہ کفری کلام بولنے والے نے توبہ کرلی ہے، مگر توبہ کا ثبوت شرعی نہ ہو۔ اگر یہ ثبوت قطعی ثابت ہو جائے، تب اس کی تکفیر ہرگز نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا ثبوت ہو جو متردد کر دے جب بھی قائل کے بارے میں کفِ لسان واجب ہوگا۔ اگرچہ قول کفر صریح ناقابلِ تاویل ہو ـــــ اور اگر محض افواہ ہو کہ اس کے بعض ہواخواہوں نے اڑادی ہے تو اس پر التفات نہ ہوگا

جواب شبہہ سوم وچہارم اگر کوئی طالب حق ان مقدمات مذکورہ کو بغور پڑھے تو اس پر حق روز روشن کی

طرح عیاں ہو جائے گا۔ لیکن مزید توضیح کئے دیتے ہیں تاکہ یہ بات اچھی طرح ہمارے قارئین کو دل نشیں ہو جائے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کیوں اسماعیل دہلوی کی صرف تکفیر فقہی فرمائی۔ اور تکفیر کلامی سے کفِ لسان فرمایا اور یہی اپنا مسلک و مختار بتایا ——— اور تھانوی صاحب باطنی نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فتوی مبارکہ اور تمہید ایمان کی عبارات میں جو تضاد سمجھا ہے، وہ محض ان کی عقل کا فساد ہے۔

اولاً ——— جناب تھانوی صاحب باطنی نے اپنے شبہہ سوم میں الکوکبۃ الشہابیہ کے حوالے سے یہ عبارت جو نقل کی ہے ـ ـ ـ "اور جو اس کے کافر کہنے سے زبان روکے یا شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔ تھانوی صاحب تو مر کر مٹی میں مل گئے۔ لیکن ان کے جملہ کفش برداروں اور نیاز مندوں کو یہ چیلنج ہے الکوکبۃ الشہابیہ کے اندر کہیں بھی یہ عبارت دکھا دیں۔ دیوبندیوں پر اپنے معبود کے لئے کذب روا مان کر جھوٹ بکنا فرض ہو گیا ہے کہ اگر ان سے بھی صرف ممکن ہی رہے تو عابد و معبود دونوں برابر ہو جائیں گے۔ لہٰذا بے وجہ بھی جھوٹ بکتے رہتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ آئیں اصل بحث کیطرف آپ مقدمہ میں پڑھ چکے کہ "الکوکبۃ الشہابیہ" بحث فقہی میں ہے۔ اس میں اسماعیل دہلوی کی نسبت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جو یہ تحریر فرمایا ——— یہ صریح سب و دشنام کے لفظ لکھ دیئے۔ پھر ص: ۳۲ پر یہ جو فرمایا ——— ذرا انصاف کیجئے تو اس کی کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

جب مذکورہ بالا کتاب بحث فقہی میں ہے تو لازم ہے کہ اس کتاب کی جملہ عبارتیں فقہار کی اصطلاح پر ہوں۔

لہٰذا اس میں صریح سے مراد متعیّن ہوگا ——— اور تاویل کی جگہ نہ ہونے سے مراد کوئی تاویل قریب جو متکلم کو کفر سے بچالے اگرچہ اس میں کوئی تاویل بعید

ہو، جس کی وجہ سے وہ کلمہ کفر نہ ہو۔ لیکن جمہور فقہائے کرام کے نزدیک وہ معتبر نہیں۔ لہذا اعلیٰ حضرت نے اسماعیل دہلوی کی تکفیر فقہی تو فرمائی۔ لیکن زیادہ احتیاط متکلمین کے مسلک میں تھی۔ اس لئے اپنا مسلک ومختار، مسلک متکلمین ہی کو رکھا

ثانیًا ـــــــــ فتویٰ مبارکہ جس میں یہ عبارت ـــــ صریح مقابلِ کنایہ ہے۔ اسے ظہور کافی، نہ کہ احتمال کا نافی۔

اور تمہید ایمان کی عبارت ـــــــ نہ کہ ایک ملعون کلام تکذیب خدا یا تنقیصِ شانِ سید انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم میں صاف صریح ناقابل تاویل و توجیہ ہو، اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو اب تو اس کو کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔ اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے ـــــ اس پر تھانوی صاحب بہت گرجے اور برسے ہیں کہ تمہید میں صریح کو ناقابلِ تاویل کہہ رہے ہیں۔ اور مختلف کتابوں کے حوالہ سے صریح میں تاویل کو ہذیان اور ہکواس اور ناقابلِ التفات قرار دے رہے ہیں اور فتویٰ میں اسی صریح کے لئے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسا کھلا ہوا تناقض اور تعارض ہے ـــــ جناب تھانوی صاحب باطنی کا اس میں تعارض سمجھنا انتہائی درجہ کی غباوت اور حماقت ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فتویٰ میں جو صریح استعمال کیا ہے وہ فقہاء کی اصطلاح کی بنیاد پر فرما رہے ہیں ـــــــ چونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک صریح کا اطلاق متعین اور متبیّن دونوں پر ہوتا ہے۔ اور صریح ہونے کے لئے فقہاء کے نزدیک اس کا اپنے معنیٰ پر ظاہر الدلالۃ ہونا کافی ہے۔ اور اس میں احتمال بعید ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر نہیں ہوتا لیکن متکلمین اس کا اعتبار کرتے ہیں ـــــ اس لئے اعلیٰ حضرت نے اسے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی فرمایا۔

اور تمہید ایمان بحث کلامی میں ہے ـــــ اور متکلمین کے نزدیک صریح بمعنیٰ متعین ہوتا ہے۔ اس کے لئے دوسرا محمل ناممکن، لہذا اس صریح میں بیشک

دعویٰ احتمال و تاویل مردود جس پر شفا روشرح شفا، سے تصریحات موجود

خلاصۂ بحث ــــــ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اسماعیل دہلوی کی صرف تکفیر لزومی فقہی فرمائی، اور تکفیر التزامی کلامی سے کیوں احتراز اور کف لسان فرمایا۔ اس کی راقم الحروف کے نزدیک علمائے اہل سنت کی کتابوں کے مطالعہ سے صرف دو وجہ سمجھ میں آتی ہے، جس کو ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔

پہلی وجہ اسماعیل دہلوی کی عبارتیں معانی کفریہ میں تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان کی طرح متعین نہیں ہیں ــــ اگرچہ معانی کفریہ میں متبیّن اور لزوم کفر میں ظاہر ہیں ــــــ اور تاویل بعید ان میں ممکن ہے۔

دوسری وجہ اسماعیل دہلوی کی توبہ کی شہرت ہے۔ اگرچہ یہ شہرت ثبوت شرعی کو نہیں پہونچی۔ لیکن پھر بھی شبہہ فی المتکلم کی وجہ سے تکفیر سے اجتناب کیا۔ اور کف لسان ہی کو اپنا مسلک ومختار ٹھہرایا ــــ لیکن اس کا یہ بھی مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کو مسلمان بتایا، بلکہ مثل یزید کے اس کے کفر واسلام سے سکوت ہی کو احوط قرار دیا ــــــ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مُطالعہ

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

کسی شخصیت کے علمی فضل وکمال سے آشنائی کے لئے دو ہی طریقے زیادہ کارگر اور معتبر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خود اس کی علمی گفتگو سنی جائے اور مختلف موضوعات پر اس سے کلام کر کے اس کی وسعت نظر، استحضار، اور علمی گہرائی کا اندازہ کیا جائے دوسرے یہ کہ اگر اس کے رشحات قلم ہوں اور متعدد موضوعات پر اس کے مضامین و کتب دستیاب ہوں تو انہیں پڑھ کر اس کے علمی منصب ومقام کا تعین کیا جائے۔ ماضی کی شخصیات کے بارے میں یہی دوسرا طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے، اور بادثوق سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسروں کی زبانی فضل وکمال کا جو اجمالی تعارف و تذکرہ ہوتا ہے اس سے کسی محقق کی پوری تسکین نہیں ہوتی۔ خصوصًا اگر بیان کرنے والے افراد کا علم وکمال اور ثقاہت وتقویٰ اس کے نزدیک زیادہ قوی نہ ہو تو اس کے لئے اعتماد اور مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم نے مفتیٔ اعظم کی علمی مجلسیں تو بالکل نہ پائیں یا بہت ہی کم پائیں۔ اس لئے ہمارے لئے ان کی تصانیف اور ان کے رشحات قلم ہی مشعل راہ کا کام کر سکتے ہیں، اور بحمدہٖ تعالےٰ جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف فقہ وفتویٰ بلکہ تفسیر و حدیث عقائد و کلام، عربیت و بلاغت، حسنِ اختصار و کمالِ تفہیم، حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت و تدبیر جیسے بہت سے محاسن مفتیٔ اعظم کی ذات میں یکجا نظر آتے ہیں۔ —

اس اجمال کی تفصیل یا اس دعوے کی تصدیق کے لئے میں کچھ شواہد پیش کر رہا ہوں، تاکہ عام قارئین بھی مفتیٔ اعظم کی جلالت شان سے کسی قدر روشناس ہو سکیں۔

فتوے کا کام کوئی نئی چیز نہیں، مفتیٔ اعظم کے زمانے میں، اور اس عصر سے پہلے

اور بعد میں بھی یہ کام برابر ہوتا رہا ہے۔ اور آج بھی جاری ہے مگر جب فتاوی کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ہر مفتی کے خاص کمال کو گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہر ایک کا جوہر نمایاں ہوتا ہے۔ اور جو ان میں ممتاز ہے اس کی امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔

حسنِ اتفاق سے مجھے ایک سوال ایسا ملا جس کا جواب مفتی اعظم کے ساتھ ان کے معاصر متعدد ارباب فتوی نے رقم کیا ہے۔ ان جوابات میں جو فرق میں نے محسوس کیا وہ بیان کرنے میں اگر میں کامیاب ہوگیا تو کسی حد تک مفتی اعظم کے افتا کا کمال واضح ہو سکے گا۔

قصہ یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران مسٹر ظفر بی اے کی ایک نظم بعنوان "نالۂ خلافت" کئی بار شائع ہوئی۔ پھر ۷ / جون ۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار میں وہی نظم "فیصلۂ کفر و اسلام" کے عنوان سے دوبارہ چھپی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ و شاگرد مولانا سید احمد ابوالبرکات قادری رضوی قدس سرہ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۸ھ) نے اس نظم کے تین اشعار سے متعلق مفتیانِ کرام سے استفسار کیا۔ اور ان کے جوابات شائع کئے۔ (بعض حضرات سے سوالات میں اس سے قبل کے بھی دو شعر ارسال کئے گئے تھے) اشعار یہ ہیں ؎

یہ سچ ہے کہ اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو ۔۔۔ مگر ہم اس بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں ۔۔۔ وہیں پہونچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی ۔۔۔ خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

ذوق ایمانی رکھنے والا ہر شخص ان اشعار کو سنکر ہی متنفر و بیزار ہو جائے گا۔ اور پکار اٹھے گا کہ یہ کسی ایمانی فکر و ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ اور شاعر حریم اسلام سے قدم باہر نکال چکا ہے۔ مگر جب ایک مفتی سے اس کے متعلق سوال ہوگا تو وہ محض اپنے ذوق کے حوالہ سے جواب نہیں دے سکتا، بلکہ عقل و استدلال کی کسوٹی پر پرکھ کر اور شرعی اصول پر ہر شعر کو جانچ کر واشگاف انداز میں دلائل و وجوہ کے ساتھ

واضح کرکے اسے جواب دینا پڑیگا۔ اب آیئے دیکھیں کہ مفتیان کرام نے کیا جوابات تحریر فرمائے۔

① مفتی مدرسہ ارشاد العلوم رام پور، مولانا ارشاد حسین مجددی نے ان تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار دیکھ کر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے "صورتِ مسئولہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصرع، اور چوتھا شعر، اور پانچویں شعر کا آخری مصرع لزوم کفر میں صریح ہے۔ اس وجہ سے کہ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں قائل خدائے تعالیٰ کے عاجز ہونے کی تصریح کرتا ہے۔ وَهَلْ هٰذَا اِلَّا كُفْرٌ صَرِيْحٌ اور چوتھے شعر کو بالفرض اگر تعریض پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی تعریضیں کہ جن سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی شان کی تنقیص مترشح ہو، اور اس کی تنزیہ وتقدیس کے خلاف ہوں قطعاً کفر ہیں۔ خدا خدا نہ ہوا بلکہ ان یاوہ گو ـــــ اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ کے تعریضات اور تمسخر کا آلہ ہو گیا کہ کبھی کسی اکفر سے خدا کو تعبیر کر دیا، اور کبھی مشرک سے، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ـــــ کجا حق سبحانہٗ وتعالیٰ، وحدہٗ لاشریک لہٗ، معبود برحق اور کجا رام و لچھمن کہ جو دو شخص اہل ہنود کے معبود باطل، جن کو وہ نعوذ باللہ خدا مانتے اور جانتے ہیں۔

مؤخر الذکر تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ اور شرعاً حکم کفر اس پہ ہوتا ہے جس پر صراحۃً قائل کا لفظ دلالت کرے اگرچہ قائل نے قصد کفر نہ کیا ہو۔"

مذکورہ اشعار کے حکم میں کل اتنی ہی بات ہے جو اس فتوے میں لکھی گئی۔ اور قائل پر حکم کی صراحت قید تحریر میں نہ آئی۔ ہاں ابتدائی تمہید اور بعد کی عبارتیں ایک ساتھ ملانے کے بعد یہی متعین ہوتا ہے کہ صاحب فتویٰ کے نزدیک ان اشعار کے قائل کی تکفیر ہی ہوگی۔ وجہ کفر میں صرف ایک بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ پہلے مصرع میں قائل نے خدا کے عاجز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ "لزوم کفر" میں صریح ہے۔ اور بطور ابہام یہ لکھا ہے کہ تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ جبکہ ان الفاظ کی صراحت اور وجہ کفر کی وضاحت کے لئے قاری کی جستجو اور دریافت کو سخت

تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا فتویٰ پاکستان کے مشہور عالم مولانا عبدالکریم درس مفتی کراچی کا ملاحظہ ہو، ان کے پاس مذکورہ تین اشعار اور ان سے قبل کے دو شعر ارسال ہوئے تھے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"نیچے کے تینوں شعر متوازی بکفر ومحتوی ارتداد ہیں۔ ان تینوں شعروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا حقیقی معنی مہجور یا متعذر یعنی ایسا متروک الاستعمال ہو جس میں تاویل کی گنجائش ہو ——— تیسرے شعر کے جملہ "یہ سچ ہے" سے شائبہ شک بھی دور ہو گیا۔ اور نعوذ باللہ من سوء ذالک الاعتقاد، خالق کا اپنی مخلوق پر قابو نہ چلنے کی تحقیق اور تاکید ہو گئی اور آیۂ کریمہ "وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" سے صاف صاف انکار ہو چکا۔ وَهٰذَا كُفْرٌ صَرِيْحٌ

اور دوسرے مصرع میں ذاتِ خداوندی پر اپنی ندّیت ثابت کی ہے۔ خاک بدہنِ قائلش،

چوتھے شعر کے پہلے مصرع سے اس موجودِ حقیقی کا کعبہ سے خلو، اور لندن کو اس لا مکان ذات کا مکان اور مقام قرار دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اور دوسرا مصرع پہلے مصرع کا مؤید، یعنی "وہیں پہونچ کر ہم اس سے کلام کریں گے" "اور کلام کریں گے" سے کلیم اللہ بننا سب سفسطہ اور الحاد ہے۔

پانچویں شعر میں آیۂ کریمہ "لَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ" کا انکار ہے۔ مولوی اور مالوی۔ یعنی مؤمن اور کافر، عارف اور اجنبی یعنی غیر عارف، دونوں مسٹر ظفر کے سامنے برابر ہیں۔ مالوی ——— مولوی تو مولوی ایک فاسق مسلم کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ ان شعروں کا قائل کافر اور مرتد ہے۔ اِلَّا اَنْ يَّرْجِعَ وَيَتُوْبَ"

اس فتوے میں وجوہ کفر کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ مخلوق پر خالق کا قابو نہ چلا (۲) اپنے کو ذات الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا

(۳) ذات لامکان کے لئے مکان قرار دینا (۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ اور خیال

(۵) مؤمن وغیر مؤمن کو یکساں قرار دینا اور دونوں میں فرق نہ جاننا۔

ساتھ ہی قائل کا حکم آخر میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے زیادہ وقیع اور تشفی بخش ہے۔ بیان میں اجمال اور عربی الفاظ کے کثرت سے استعمال کی شکایت کی جا سکتی ہے۔ وہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ مستفتی خود ہی زبردست عالم ہیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی پہلے فتوے سے یہ بدرجہا واضح و جامع ہے۔

(۳) تیسرا فتویٰ مولانا محمد ابراہیم قادری مدرس اول دارالعلوم شمس العلوم بدایوں کا ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں۔

"فقہائے کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالےٰ کو معاذ اللہ ایسے وصفوں سے متصف کرے کہ اس کے لائق نہ ہوں، یا خدائے تعالےٰ کو جاہل، عاجز ٹھہرائے، یا اس کے نام کے ساتھ تمسخر کرے، اور اختیاراً ایسے قول کہے (وہ تعریضاً اور نقلاً نہ ہوں) اگرچہ کہنے والا اسے کفر نہ جانے، اور اس کا اعتقاد نہ رکھے۔ وہ شرعاً ایسے قول کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے"۔

اس بیان کی مؤید عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جو شخص نثراً، نظماً یہ کہے کہ خدا کا اس بت کا فر پر قابو نہ چلا مگر میں اس کو مطیع کر لوں گا، یا خدا، خدا کی جگہ رام رام با تباع فلاں کافر کر لوں گا تو یہ کلمات صریحاً کفر کے ہیں۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ کہنے والا اعتقاد نہ رکھے"۔

اس فتوے کی تمہید میں چند وجوہ کفر ذکر کرنے کے بعد ان کے قائل کا حکم بیان کیا اور اس کی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کر دیں۔ آخر میں شعر سے متعلق کفر کی دو وجہیں تحریر کیں۔ ایک خدا کو عاجز اور اپنے کو قادر بتانا۔ دوسری خدا کی جگہ با تباع کافر رام رام کرنا، ان سب کو کفریہ کلمات بتایا۔ اور قائلِ خاص کا حال غالباً تمہید فتوے کی روشنی میں فہم ناظرین پر چھوڑا۔

بہر حال اس میں دو وجہیں بہت صراحت کے ساتھ بیان کیں۔ اور قائل کا حکم بھی کسی قدر ظاہر کر دیا۔ اگرچہ بالفاظ خویش صراحت نہ کی۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے بہتر اور دوسرے فتوے سے کم تر ہے۔

(۴) چوتھا فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سچے اور جاں نثار حامی، ہمارے مخدوم گرامی حضرت مولانا سیّد اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشین سرکارِ مارہرہ شریف رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمنا بہ کا ہے۔ ان کی ابتدار واشگاف اور واضح وغیر مبہم ہے۔ اور جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں کسی شہرت گیر اخبار کے ایڈیٹر کے ادنیٰ سے ادنیٰ پاس ولحاظ سے بہت دور ہو کر دین وایمان اور حقیقت وحقانیت کی پاسداری کا جذبہ بہت عیاں ہے۔ جو اس خاندان والاشان کی ہر دور میں نمایاں روایت رہی ہے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی جاری ہے۔ رقمطراز ہیں۔

"شعر ۳ یقیناً قطعاً کفر خالص ہے۔ اس میں نہایت صاف واضح الفاظ میں خدا کو عاجز کہا —— اور عاجز بھی کیسا کہ جس "بت کافر" پر بقول اس شاعر کافر کے خود یہ قادر ہے۔ خدا کا اس پر کچھ بس نہیں چلا۔ اور یہ خدا کی طرف عجز کی نسبت، اور وہ بھی ایسی' یقیناً قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے۔

اس کے بعد تائیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

"یہ شعر اپنے اس معنی کفری میں نہایت واضح وصاف، متعین، ناقابل تاویل وتوجیہ ہے۔ جس میں کسی ایسی تاویل کی جو اسے کفر سے نکال سکے اصلاً گنجائش نہیں۔ نہ ایسے کفر صریح میں اِدّعائے تاویل مقبول وصحیح"

پھر شفار و نسیم الریاض کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس شاعر کے خسارہ و بوار کے لئے اس کا یہی ایک ملعون شعر کیا کم تھا کہ اس نے آگے اور کفر بکا۔ اور شعر ۱۲ کے پہلے مصرع میں مشرک کو اپنا رہبر ورہنما، ہادی وپیشوا بنانے کی اپنی مشرک پرستی کو ایک تعلیق موہوم کی بے معنیٰ آڑ کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد دوسرے مصرع میں صاف صاف کہہ دیا کہ ع خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے۔

اس مشرک پرستی پر تورد" کامل علمائے اہل سنت کے رسائل میں ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ اس دوسرے مصرع میں کلمۂ اسلام خدا خدا کو ایک کلمۂ کفر رام رام سے مساوی ماننا، اور اس کلمۂ اسلام کو چھوڑ کر اس کلمۂ ملعونہ، یعنی رام رام کو اختیار کرنا ہے۔ اور

یہ دونوں یقیناً کفر ہیں۔

کفر و اسلام کے مساوی جاننے کا کفر ہونا تو بدیہی ہے ——— اور رام کے معنیٰ ہیں "رما ہوا، سمایا ہوا" مشرک خدا کو اسی لئے رام کہتے ہیں کہ وہ ان کے زعم فاسد میں ہر شئے، ہر خلا میں رما ہوا، سمایا ہوا ہے۔ اور خدا کو کسی چیز میں رما ہوا جاننا یقیناً کفر ہے ——— (پھر عبارت اعلام ابن حجر و حوالہ شفار)

اور کفر اس وقت کرے یا آئندہ، اس کے کرنے کا ارادہ کرے بہر حال اسی وقت، کافر ہو جائے گا۔ (لعدہ عبارت ہندیہ عن الخلاصہ)

اس فتوے میں شاعر کا حکم بھی واضح ہے۔ اور وجوہ کفر بھی تحقیقی طور پر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ الفاظ بھی سلیس، اکثر عام فہم زور دار اور واضح وغیر مبہم استعمال کئے گئے ہیں۔

غور فرمائیں درج ذیل وجوہ کفر کو کس عمدہ طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

(۱) خدا کی طرف عجز کی نسبت، بلکہ صراحتہً عاجز کہنا، وہ بھی اس حد تک کہ جس پر خود یہ شاعر قادر ہے وہ اس سے عاجز ہے۔

(۲) مشرک کو اپنا ہادی و پیشوا بنانا۔ جس کی تفصیل سائل علمائے اہلسنت کے حوالہ کی

(۳) کلمۂ اسلام کو کلمۂ کفر کے مساوی ماننا۔

(۴) کلمۂ اسلام چھوڑ کر کلمۂ کفر اختیار کرنا۔

(۵) خدا کو کسی چیز میں رما ہوا کہنا۔

یہ پانچ وجہیں اس فتوے سے عیاں ہیں ——— اور جیسا کہ راقم نے اخذ کیا۔ مولانا عبدالکریم درس علیہ الرحمہ کے فتوے سے بھی پانچ وجہیں دریافت ہوتی ہیں پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہر فتوے میں بیان کی گئی ہے۔ باقی چار وجہیں الگ ہیں۔

(۲) اپنے کو ذات الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔

(۳) ذات لامکاں کے لئے مکان قرار دینا۔

(۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ۔

⑤ مؤمن وغیر مؤمن کو یکساں قرار دینا۔

اگرچہ یہ وجہیں مولانا سید اولادرسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے طرز تحقیق اور انداز بیان کے ساتھ بہت واضح طور پر نہیں لکھی گئیں۔ مگر ان کے کلام سے یہ وجہیں آسانی سے اخذ کی جاسکتی ہیں۔ تاہم تعداد وجوہ برابر ہے۔ اور فتوائے مارہرہ کی زبان بیان کا کمال، اظہار حق میں صراحت وجسارت کا جلال، شعر کے فہم وتفہیم کے ساتھ بعض الفاظ کی تحقیق اور وجوہ کفر پر کتب علماء کی تائید کا حسن وجمال اپنی جگہ عیاں ہے۔

⑤ اب آئیے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فرزند جلیل مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفےٰ رضا قدس سرہٗ کے فتوے پر نظر ڈالیں جنہوں نے فتوے کے گھر میں آنکھیں کھولیں۔ فقہ و کلام کی باریکیوں کے حل میں طالب علمی کا زمانہ بسر کیا۔ اور یہ عہد ابھی سر بھی نہ ہوا تھا کہ افتا کا آغاز کردیا۔ اور والد گرامی کی اجازت افتا اور عطا کردہ مہر سے سرفراز ہوئے۔ دراصل اسی فتوے کے لئے سابقہ چار فتوے بھی مکمل پاس ادب کے ساتھ نقل کئے گئے ــــــ تقابلی مطالعہ کا کام ہی کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ بہت سے قابل قدر اور اپنی اپنی جگہ عظیم وجلیل رشحات قلم پر نگاہ نقد گزارتے ہوئے ہر ایک کے درجہ ومقام کو متعین کرنا فرائض میں داخل ہوجاتا ہے۔ مگر انشاء اللہ المولیٰ الرؤف الکریم ہم کسی حال میں اکابر کے ادب واحترام کا دامن ایک لمحہ کے لئے بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں گے

ــــــ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَخَيْرُ مُعِيْن

اس فتوے پر بیس جلیل القدر علماء کی تصدیقات بھی ہیں، جن میں درج ذیل ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

① صدر الشریعہ ابو العلاء مولانا محمد امجد علی اعظمی ② صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی ③ شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں قادری لکھنوی ④ مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری سہیل ہند ⑤ مولانا مفتی محمد غلام جان قادری ہزاروی، ⑥ مولانا معوان حسین احمدی مجددی ⑦ مولانا محمد اسمٰعیل محمود آبادی ⑧ مولانا حسنین رضا قادری بریلوی ⑨ مولانا محمد مختار صدیقی میرٹھی

(۱۰) مولانا تقدس علی رضوی بریلوی، علیہم الرحمہ

مستفتی کی حیثیت سے نائب ناظم حزب الاحناف لاہور، جناب محمد الدین کلاتھ مرچنٹ کا نام ہے۔ اور صرف تین اشعار مذکورۃ الصدر سے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ کفریات کا تعلق ان ہی تین سے ہے۔ صورتِ سوال یہ ہے:

"آیا یہ اشعار شرعاً درست ہیں یا خلاف شرع ہیں۔ درصورت ثانی شاعر کا کیا حکم ہے؟ ہمارے دیار کے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا مفہوم کفر و الحاد ہے۔ اور قائل پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم، اور جس طرح ان اشعار کی اشاعت عام ہوئی اسی طرح توبہ نامہ کی اشاعت بھی واجب ہے۔

بعض شعراء کا خیال ہے کہ ان اشعار کا مفہوم کفر نہیں، پس جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اشعار ذیل کے مفاہیم پر غور فرما کر جو حکم شرع شریف ہوا سے دلائل فقہیہ سے مزین بمواہیر فرما کر پتہ ذیل پر حتی الوسع جلد واپس فرمائیں۔"

خاص ان اشعار سے متعلق جواب سات صفحات پر مشتمل ہے۔ اور درمیان میں علمائے دین کے خلاف عوامی غوغا آرائیوں اور نئی روشنی، نئی تہذیب کے بے جا تجدد پسند اور فرقہ نیچریہ کے اضلال و اغوا اور کید و افترا کا رد ہے۔

چونکہ فتویٰ بہت تفصیلی ہے اس لئے یہاں اس کی تلخیص اور تقابلی مطالعہ کے طور پر ضروری تحلیل سے کام لیا جا رہا ہے۔

ابتداءً چند مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہوئے یہ رقم فرمایا ہے کہ:

"اے عزیز یہ کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع؟........ اے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث و اشنع کفریات ہیں، جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں، اور جو ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل و قابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ ——— بلکہ درحقیقت تو بات پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں، یقیناً کفر ہیں ——— وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی

بے شک ان اشعار کا قائل و قابل کافر، اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں

ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی ہے۔

اِن الفاظ سے قول اور قائل اور ان کے حامی وموافق سبھی کا حکم پہلی نظر میں ہی واضح ہو جاتا ہے۔ تفصیل اور دلائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ یہ وہ طرز افتا ہے جو امام احمد رضا کے فتاوٰی میں عام طور سے ملتا ہے۔ وَالْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ۔

ساتھ ہی ان سطور کے تیور سے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ منزّہ ومقدس میں جسارت وبے لگامی اور گستاخی وبدکلامی کس قدر شنیع وقبیح ہے۔ جس کے بعد انسان کی ذاتی شان وشوکت اور وجاہت وشہرت شریعت مقدسہ کی عدالت عالیہ اور علمائے ربانیین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس ولحاظ کے قابل نہیں رہ جاتی جیسے دنیاوی کچہریوں میں قتلِ ناحق کا یقینی مجرم، یا کسی شاہی حکومت میں پاک وصاف بادشاہ پر غلط بہتان وافترا کرنے والا باغی یا خلاف تہذیب گالیاں دینے والا بے باک، یا ایسے کسی سلطان کا قاتل پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قابل رحم ولائق حمایت نہیں قرار پاتا۔ اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دینا سراسر عدل وانصاف تصور کرتا ہے یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تنزیہ وتقدیس اور اس کی اطاعت ووفاداری کا قلادہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک وبے عیب ذات بلند کی شانِ اقدس میں یاوہ گوئی یا اس کے باجبروت قانونِ عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی وبغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے وفائی پر اتر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں۔

نئی روشنی کے بے جا تجدد پسندوں کو شاتمانِ خدا ورسول کی یہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی، یا دماغوں کی صاف روشنی سے عاری ہو چکے ہیں۔ اس لئے مذکورۂ بالا قسم کے دنیاوی فیصلوں کو توحق وانصاف سمجھتے ہیں مگر اس سے زیادہ بڑے جرم پر شرعی فیصلوں کو طعن وتشنیع سے یاد کرنا، اپنے ذہن ودماغ کا کمال اور اپنی زبان وقلم کا ہنر سمجھتے ہیں۔ جبکہ یہ سراسر ناانصافی، بددماغی اور بدزبانی ہے، خدا عقل سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔

اب آیے یہ دیکھا جائے کہ فتوے کی ابتدائی سطور کی تفصیل اور ان کی دلیل میں کیا لکھا گیا ہے۔

ابتدائی سطور چند باتوں پر مشتمل ہیں (۱) قول کا حکم (۲) قائل کا حکم (۳) اس قول کو ماننے والے اور قبول کرنے والے کا حکم (۴) قائل و قابل کے کفر میں شک لانے والے کا حکم ——— اس لئے تفصیل اور دلیل میں بھی ان سب سے بحث ناگزیر ہے۔ دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ صرف قول و قائل ہی نہیں بلکہ ذکر شدہ چاروں امور کا احاطہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

"شعر اول کے دونوں مصرعے کفر خالص ہیں ——— (۱) پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔

(ا) یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ، کاملہ، کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کا رد و انکار ہے کہ ایک شئے ایسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔

(ب) یہ سیرے سے اُلُوہِیَّت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ تو مصرعہ خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقۃً انکار و ابطال کیا۔ تو بے شک وہ، اور جو اسے قبول کرے وہ، ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا ——— اور جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہو گا ——— ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضرور ہے یوں ہی کفر کو کفر جاننا، جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا کہ تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) اندھا روشنی کی قدر کیا بتائے گا ——— اور دوسرے نے شک کیا۔ اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور وہ بحالت شک ناممکن۔

(۲) اور دوسرے مصرعہ میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا۔ تو اس کا مرتبہ

گھٹایا اور اپنا رتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث تر کفر ملعون ہوا۔

اس دوسرے مصرعہ میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرع میں خدا کی الوہیت سے اسی لئے انکار کیا تھا ـــــ ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عظیم مانتے ہیں اور اسے ہر شئے پر قادر جانتے ہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا۔ وہ اسے اپنی قدرت سے دباتا رہا۔ مگر اس کا اس پر قابو نہ چلا تو وہ خدا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔

اور ہم اس چیز کو بھی رام کرلیں گے، جس پر لوگوں کے خدا کا قابو نہ چل سکا، اور جس سے وہ عاجز رہا۔ کسی طرح اسے رام نہ کر سکا ـــــ تو ہم ہر شئے پر قادر ہوئے، تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز جسے لوگوں نے خدا بنالیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہٗ وتعالٰے

کیا کوئی مسلمان اس کے کفر وملعون ہونے میں ادنیٰ شک لائے گا۔ بیشک ہر مسلمان کہے گا کہ لاریب یہ کفر ہے اور اس کا قائل وقابل کافر

(۲) یوں ہی اس کا وہ دوسرا شعر

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں وہیں پہونچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے

کفر خالص ہے ـــــ (۱) مسلمانوں کا دین مقدس اسلام، اللہ کو جسم وجسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔

(ا) مکان جسم ہی کے لئے مخصوص ہے تو اللہ تعالےٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسّم نہیں۔

(ب) مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے۔ (ج) مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔

(د) مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شئے اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم وقدرت سے ہر شئے کو محیط ہے۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْئٍ مُّحِیْط

اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبے میں نہیں، لندن میں ہے ـــــ بیشک وہ اہلِ اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ ورسول کے نزدیک کافر ہے۔

باوجودیکہ مسلمان کعبۂ معظمہ کو، بلکہ ہر مسجد کو، اس لئے کہ وہ خالصًا اللہ ہی کی ملک

ہیں ۔بیت اللہ کہتے ہیں ، مگر جو کعبہ معظمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک و تعالےٰ کو اس کا مکین مانے ان کے نزدیک کافر ہے یوں ہی اللہ عز وجل زمان سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث و مخلوق ہے۔

(۲) اور یوں بھی کہ اس نے کعبۂ معظمہ سے لندن کو بڑھایا۔ کعبۂ مقدس کی توہین کی۔ مگر جو ربِّ کعبہ کی ایسی شدید توہین و تنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت ——— مَا عَلیٰ مِثلِہٖ یُعَدُّ الخطا۔

(۴) یوں ہی اس کا تیسرا شعر کھلا الحاد و زندقہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ

(ا) مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں ۔ (ب) خدا و رام ایک ہیں (ج) کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں ۔ (د) اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا ، رام رام کر لیا بات ایک ہی ہے ۔ حاصل وہی ہے ۔ حالانکہ ہرگز خدا رام نہیں ۔ اور ہرگز رام خدا نہیں ۔

(ہ) مشرکین کا مذہب نا مہذب ہے کہ خدا ہر چیز میں رما ہوا ، سرایت و حلول کئے ہوئے ہے ——— خدا کو اپنے اسی عقیدۂ خبیثہ کی بنا پر رام کہتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ "رمنے" اور حلول کرنے سے پاک ہے تو خدا کو رام کہنا کفر ہوا ۔ اور خدا خدا کرنا عبادت ——— اور کفر کو عبادت جاننا کفر ——— ورنہ سہی فرض کیجئے کہ وہ رام کے یہ معنیٰ بھی نہ سمجھتا ہو جب بھی ہمارا خدا وہ نہیں ، جو ہنود بے بہبود کا مذموم خدا ہے جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے ۔

(و) اور مشرکین میں اتنا جذب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے کہ مسلمان اور ان کے پیشواؤں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے معبود برحق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے لئے ان کے معبود باطل کا اختیار ہے ۔ اور یہ ترک اور اختیار دونوں کفر ہے ۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ کیسا اخبث کلمہ ہے ۔

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی ‌‌‌‌ ‌ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے ؎

کہ مولوی نہ ملے گا تو وہ بدنصیب مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا ۔ اور مشرکین کے طاغوت مالوی کو اختیار کرے گا ۔ اور مالوی کے خدا کو پوجنے لگے گا ۔

اس قائل اور ان شعراء پر جنہوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کے مفاہیم کفر نہیں، توبہ و تجدید ایمان فرض، اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی اپنی بیویوں سے جبکہ وہ راضی ہوں، از سر نو نکاح کریں ــــــ اور اگر کہیں بیعت ہوں تو تجدید بیعت بھی لازم ــــــ یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو پھر حج کرنا بھی ضروری ہے کہ کفر سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ تو پہلا حج مثل اور اعمال کے حبط ہو گیا۔ اب دوسرا حج یوں فرض کہ حج کی فرضیت کا وقت عمر ہے۔ لہٰذا اب پھر حج ضروری و واجب، توبہ کریں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد ــــــ واللہ الموفق" ــــــ (ملخصاً)

اس فتوے میں وجوہ کفر کا جس ژرف نگاہی اور دقتِ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے وہ ناظرین پر عیاں ہے ساتھ ہی ہر وجہ کی دلیل بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اور قائل کا حال بھی منکشف کر دیا گیا ہے۔ وجوہ کفر پر نظر ڈالیں تو درج ذیل امور سامنے آئیں گے۔

(۱) خدا کی قدرت کاملہ کا انکار اور اس کی عاجزی کا اقرار (۲) اس سے دراصل خدا کی الوہیت اور اس کے خدا ہونے ہی کا انکار ہوا (۳) اپنی قدرت کو خدا کی قدرت سے زائد بتانا (۴) یہ دراصل اپنی الوہیت کا اثبات ہوا، اسی لئے پہلے خدا کی الوہیت سے انکار کیا (۵) خدا کے لئے مکان ماننا (۶) مکان جسم کے لئے ہوتا ہے تو خدا کو جسمانی جاننا (۷) یہ ماننا کہ لندن اسے محیط ہے (۸) لندن کو کعبۂ معظمہ سے بڑھانا اور کعبہ کی توہین کرنا (۹) مولوی و مالوی، مومن و غیر مومن میں فرق نہ ماننا (۱۰) خدا اور رام کو ایک سمجھنا (۱۱) کفر و اسلام میں فرق نہ جاننا (۱۲) کلمۂ اسلام خدا خدا اور کلمۂ کفر رام رام کو یکساں قرار دینا (۱۳) خدا کے لئے کسی چیز میں سرایت و حلول کے اعتقاد پر مشتمل لفظ اختیار کرنا (۱۴) اہل اسلام اور ان کے معبود برحق کا ترک (۱۵) اہل باطل اور ان کے معبود باطل کو اختیار کرنا

ان اشعار میں جو قوی، صاف، صریح اور ناقابل تاویل وجہیں التزاماً اور لزوماً موجود تھیں ان ہی کو فتوے میں واضح طور پر پیش کر کے ان کے احکام بیان کر دیئے گئے ہیں، اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی صداقت و قوت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں

کہ خود فتوے کے الفاظ پیش کر دینے اور ان کی خصوصیات کی جانب اجمالی اشارہ، اور مختصر وضاحت کر دینے کے بعد دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا امتیاز اور مفتی اعظم کی دقتِ نظر، جودتِ قلم، حسن تفہیم، کمال تنقیح، زور بیان، شوکت کلام اور سطوتِ فتویٰ عیاں کرنے کے لئے مزید تبصرے اور بسط وتفصیل کی حاجت باقی نہ رہی۔

اس فتوے کے آخر میں حسبِ طلبِ سائل نصوص فقہیہ بھی پیش کر دیئے گئے ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ یہ حکم بھی مرقوم ہے کہ اعلان جرم کی طرح اعلان توبہ بھی ضروری ہے۔ یہ گمان نہ کریں، اور اب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ کلمۂ کفر ایک بار زبان یا قلم سے نکل گیا اس کے بعد ہزار بار کلمہ پڑھا ہے اب تک کیا وہ کفر باقی رہ گیا، اس پر مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

"ان اتی بکلمۃ الشھادۃ علی وجہ العادۃ لم ینفعہ ما لم یرجع عما قال لانہ بالاتیان بکلمۃ الشھادۃ لا یرتفع الکفر"۔

اگر بطور عادت اس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک کہ توبہ نہ کرے، کیونکہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوتا۔

یہ مبارک فتویٰ انجمن حزب الاحناف لاہور سے پہلی بار ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوا دوسری بار رضا دار الاشاعت رچھا ضلع بریلی شریف سے ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوا۔ سرورق پر ایک عرفی نام ہے "سیف الجبار علی کفر زمیندار" دوسرا ہجری تاریخ پر مشتمل "القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ" (۱۳۴۳ھ) تیسرا عیسوی تاریخ پر مشتمل "ظفر علی رمۃ من کفر" (۱۹۲۵ء)

درمیان رسالہ ان لوگوں کی خبر گیری بھی ہے جو ایسے شخص کو دائرہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، جو کلمۂ اسلام کا مدعی ہے خواہ اس کے ساتھ وہ نبوت کا دعویٰ کرے، مدعی نبوت کی حمایت کرے۔ اسے نبی یا امام وپیشوا مانے۔ خدا کے لئے کذب ممکن بلکہ واقع مانے۔ علم رسول کو حیوانات وبہائم کے علم سے ناپاک تشبیہ دے۔ کلمہ میں نام رسول کی جگہ اپنے پیر اشرف علی کا نام لے۔ جنت ونار، جن وملائکہ کے وجود اور نماز وروزہ وغیرہ

فرائض کا منکر ہو۔ ختم نبوت کے قطعی اجماعی معنی کو نہ مانے۔ دوسرا نبی آنا جائز یا واقع مانے۔ اور ایسے ہی بڑے سے بڑے ایک یا چند کفر کا مرتکب ہو مگر ان کے نزدیک کلمہ پڑھ لینے کے بعد جس قدر کفریات کرتا اور بکتا رہے ایمان و اسلام رخصت نہیں ہوتا۔ آدمی سچا پکا مسلمان برقرار رہتا ہے۔

ہاں جو ایسے سخت شنیع کفریات کے مرتکب کو کافر کہے وہ ان کے نزدیک مجرم ہے اس کی ہر طرح تذلیل و تحقیر ان کے یہاں داخل تہذیب و شرافت ہے۔ اس کے خلاف صفحات کے صفحات رنگین کرنا عظیم خدمت ہے۔ ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا، کفر لکھنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے۔

اِن خیالاتِ فاسدہ کے رد میں رقمطراز ہیں:-

"قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ زمانۂ اقدس میں ایسے لوگ تھے جو کلمۂ اسلام پڑھتے تھے اور نہ صرف کلمۂ اسلام ہی پڑھتے تھے بلکہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شہادتیں ادا کرتے تھے کہ ضرور ضرور بے شک و شبہہ یقینی حضور اللہ کے رسول ہیں۔ حضور کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضور کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔ حضور کے ساتھ جہاد کرتے تھے، مگر اس کے باوجود انہیں اللہ و رسول نے جھوٹا، فریبی، کذّاب، منافق فرمایا۔ اور ان کے اس کلمۂ طیبہ پڑھنے اور بڑی بڑی تاکیدات کے ساتھ شہادتِ رسالت دینے اور نمازیں ادا کرنے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی جانیں دینے اور کفار کی جانیں لینے پر نظر نہ فرمائی۔ سب کو ہباءً منثوراً فرمادیا۔" (انتہی بتلخیص یسیر)

اس کے بعد آیات و احادیث پیش کر کے اسے واضح فرمایا۔ حاشیہ کے چند صفحات پر قتل مرتد کا حکم، اور اس کے خلاف غوغا آرائیوں کا دلکش و دلنشیں اور مستحکم و قوی جواب بھی رقم فرمایا ہے۔ اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ علماء جو کچھ بیان کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں، قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں بلکہ قرآن نے ان باغیانِ بارگاہ صمدیت اور گستاخانِ دربار رسالت کو جس تذلیل و تحقیر کے ساتھ اور جیسے القابِ حقارت کے ساتھ یاد کیا ہے علماء ان کے لئے وہ سب استعمال بھی نہ کر

سکے۔ اگر اسی طرح وہ بھی انہیں یاد کرتے تو نہ معلوم کیسا کچھ جامہ سے نکلتے۔ آپے سے باہر آتے۔ اس پر قرآنی آیات لکھ کر وہ القاب مذمت عیاں کر دیئے ہیں جو ان منکرین کے لئے وارد ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"بحمد اللہ تعالے کلام اپنے منتہیٰ کو پہونچا اور ظاہر و باہر ہوا کہ یہ علما کو بے تہذیب و بے ادب بتانے والے خود سخت بے تہذیب اور نہایت بے ادب ہیں"۔

آخر میں چند آیات و حدیث پیش کر کے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان باغیوں اور گستاخوں کے ساتھ اہل ایمان کو کیسا سلوک کرنے کی ہدایت و تعلیم دی گئی ہے۔ اور بنظر اختصار چند ہی پر اکتفا کی ہے۔

الغرض عہد و ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام متعلقات بھی بیان کر دیئے ہیں۔ اور متعدد فتنوں اور غوغا آرائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اہل عقل و خرد اگر عدل و انصاف کے ساتھ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تو ان کے دلوں میں ایمان و اسلام کی اہمیت، بارگاہ خدا و رسول کی عظمت، کفر و ارتداد کی شناعت و قباحت اللہ و رسول کے قطعی احکام کی خلاف ورزی و بغاوت کرنے والوں کی خرابی و حقارت اور شانِ خدا و رسول میں بے ادبی و جسارت کی رذالت اچھی طرح جاگزیں ہو سکتی ہے اور جاہلانہ و ظالمانہ مکر و فریب اور فتنہ و فساد سے نجات بہت آسان ہو سکتی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے مفتی اعظم کے علم و افتاء کے کچھ اور گوشے بھی ملے، جو ان کے کچھ اور فتاویٰ میں بھی دیکھے۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالےٰ ان سب پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل مضمون میں ہو گی۔ فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ جو موضوع میں نے اختیار کیا اور جو عنوان منتخب کیا، اس سے مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک سبکدوش ہو چکا ہوں۔

—— وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

مفتئ اعظم ہند
اپنے فضل و کمال کے آئینے میں

فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق امجدی، اشرفیہ، مبارکپور

مفتئ اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ مصطفےٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا، بلکہ بہ تسلسل لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن میں یقین محکم کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا وہ سب حضرت مفتی اعظم ہند کے حقیقی تعارف کے لئے ناکافی ہے اور ناکافی رہے گا۔

مجھے بحمدہٖ تبارک و تعالیٰ یہ شرف حاصل ہے کہ میں مسلسل گیارہ سال بلکہ کچھ ماہ زائد حضرت مفتی اعظم ہند کے دولت کدے پر قیام پذیر رہا —— وہ بھی ان دنوں میں جو ایک انسان کی زندگی کے سب سے کامل ایام مانے جاتے ہیں یعنی اپنی عمر کے پینتیسویں سال سے لے کر چھیالیسویں سال تک، اور اس طرح رہا کہ حضر میں بھی ساتھ رہا۔ اور ہندوستان کے طول و عرض کے سفر میں بھی ساتھ رہا۔ پوربندر سے لے کر بنگلہ دیش کی مغربی سرحد دیناج پور تک، کٹک اڑیسہ سے لے کر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں ہمراہ رہا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی حیات طیبہ کے پانچ دور ہیں۔ ایک عہد طفلی، جو سنِ شعور کو پہونچنے تک ہے۔ دوسرا تحصیل علم اور فراغت، تیسرا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ تک، چوتھا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد سے لے کر سجادہ نشین ہونے تک، پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک،

یہ پانچواں دور اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو حضرت مفتی اعظم ہند کی

اپنے اقران میں ایک امتیازی شان پر دلیل ہیں۔ ان سب پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ میں انتہائی عدیم الفرصت انسان، جامعہ اشرفیہ کے عظیم دارالافتاء کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اپنی بچی کھچی توانائی نزہۃ القاری شرح بخاری میں صرف کر رہا ہوں —— مجھے اتنا موقع کہاں کہ اس بحر ناپیداکنار کو سر کرنے کی کوشش کروں۔

لیکن رضا اکیڈمی بمبئی کے باحوصلہ ارکان نے اس صد سالہ جشن مفتی اعظم میں مجھے شرکت کی دعوت دی تو مجھے شرم آئی کہ میں اپنے مربی اعظم کے جشن صد سالہ میں خالی ہاتھ حاضر ہوں۔ اس لئے یہ چند سطریں بطور سوغات لے کر حاضر ہوں۔

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن،

یہ ایک رسم ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی مشہور آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اس کے نیاز مند، عقیدت کیش یہی لکھتے ہیں کہ وہ تمام کمالات انسانی کا جامع تھا۔ اس لئے اگر میں بھی حضرت مفتی اعظم ہند کے بارے میں یہی لکھوں تو یہ رسمی بات کہی جا سکتی ہے۔ اس لئے اس ادعا کے بغیر میں حضرت مفتی اعظم کی شخصیت سے متعلق چند حقائق قلمبند کر دیتا ہوں، جس سے ہر ذی فہم، دیانت دار منصف مزاج یہ فیصلہ کر لیگا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی اپنے عہد مبارک میں بے مثال تھی۔

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ

اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

جلالتِ علم

مفتی ہونا آجکل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔ مشہور ہے بہار شریعت اور فتاوی رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتوی لکھ سکتا ہے۔ لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتاء کی خدمت پر مامور رہیں۔

مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے۔ اور فقیہ ہونا آخیر منزل ہے۔ اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ

ہے ——— ارشاد ہے۔

فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ

منہ۔ (مشکوٰۃ)

"بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے، اور بہت سے حامل فِقہ ایسے پہونچاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے"۔

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے کہ ایک بار یہ مشہور مسلّم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کئے گئے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم سے فرمایا ——— آپ اِن مسائل میں کیا کہتے ہیں۔ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات دیئے ——— انہوں نے پوچھا، یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا ——— انہیں احادیث سے جو میں نے آپ ہی سے سُنی ہیں ——— اور ان سب احادیث کو مع سندوں کے پڑھ کر سنا دیا ——— اس پر حضرت اعمش نے فرمایا ——— تمہیں یہ کافی ہے۔ جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں۔ ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو۔ اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار، اور تم نے تو دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

غور فرمایئے حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں۔ مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ یہ جلوہ ہے فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔ کا،

یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری نے حضرت امام اعظم سے فرمایا۔ ہر چیز کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں۔ ان کی نظیر وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ عبداً خیّرہ اللہ بین ان یُؤتیہ مِن زھرۃ الدّنیا ماشاء

وَبَيْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهٗ۔ (مشکوٰۃ ص : ۵۴۶)

"اللہ نے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کی تر و تازگی پسند کرے، چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار کرے اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے"۔

یہ سنکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رونے لگے ـــــ حاضرین صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ مگر جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ تو صحابۂ کرام کو معلوم ہوگیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور "فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهٗ" سے مراد وصال تھا۔ اب صحابۂ کرام کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔

آج کے مفتیانِ کرام اگرچہ مجتہد نہیں، مگر آج بھی افتا نویسی کے لئے کتنے تیقظ بیدار مغزی، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے۔ ان سب کی تفصیل کا موقع نہیں، اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجئے ـــــ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ ایک بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفتا پیش کیا گیا۔ انہوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔ وہیں سے یہ استفتا میرے پاس آیا۔ میں نے جواب میں لکھا، یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے۔ اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی، ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزیہ بھی نقل کر دیا تھا۔

میرا یہ فتویٰ ان شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے۔ اتفاق سے وہ بریلی تشریف لائے تو مجھ سے مواخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے ـــــ میں نے عرض کیا بہار شریعت، رحیق الاحقاق عالمگیری میں لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ تو صحیح ہے۔ مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے۔ جبکہ فسخ نکاح اور طلاق لازم و ملزوم ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ

نکاح لازم وملزوم نہیں ـــــ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہوجاتا ہے جیسے ردّت اور مصاہرت سے،

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے۔ اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں۔ فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرما دی پھر بھی حوادث محدود نہیں ـــــ آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائیدایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے۔ مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا جس کے سر پر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔

جب آپ تفقہ کی حیثیت پر ایک نظر ڈال چکے تو آیئے میں آپ کو حضرت مفتی اعظم ہند کی اس فن میں عبقریت کے جلوے دکھاؤں، حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا فتویٰ سنہ ۱۹۱۰ء میں لکھا جبکہ عمر مبارک صرف ۱۸ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس میں بغیر کسی ترمیم وتبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی "صحّ الجواب بعون الملک الوہاب" خوش ہوکر انعام عطا فرمایا۔ اور مہر بنواکر عنایت فرمائی۔

بظاہر اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آتی مگر مفتیوں سے پوچھئے تو معلوم ہوجائیگا کہ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے۔ فتویٰ نویسی میں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے وہ کہاں الجھا ہوا ہے۔ اس نے اپنے مافی الضمیر کو کما حقہٗ ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ ـــــ پھر ہمارے جواب پر اسے کیا شبہہ ہوسکتا ہے وغیرہ وغیرہ،

ان سب پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مفتی جواب لکھتا ہے تو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے جچے تلے الفاظ، سلجھے ہوئے انداز، جامع مانع کلمات میں

جواب لکھتا ہے۔ زندگی میں پہلا فتویٰ لکھنے والا ان باتوں کی رعایت کر سکے گا، یا کر سکتا ہے، بہت مشکل ہے ـــــ ذہین سے ذہین علماء برسہا برس تک مشاقی کرنے اور ماہر فن مفتی سے اصلاح لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں۔ مگر جو بات دیگر ذہین فطین ذکی علماء کو برسہا برس میں تنقید، اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ وہ حضرت مفتی اعظم کو پہلے ہی دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند جیسے والدہ ماجدہ کے شکم پاک سے ولی بنکر آئے تھے۔ اسی طرح مفتی اعظم بھی بنکر آئے تھے۔ اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعِدَ فِی بَطْنِ اُمِّہٖ ۔ تفقہ فی الدین آپ کی فطرت جبلت سرشت تھی۔

غور کریں کہ ایک ۱۸ سال کا نوعمر عالم پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لئے پیش کرتا ہے اس دقیق بیں نکتہ رس کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی کلمے میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اول نظر میں احاطے میں آجاتے۔ اور جس کے بارے میں علمائے حرمین نے یہ فرمایا ہو کہ اگر انہیں ابو حنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور انہیں اپنے تلامذہ میں داخل فرمالیتے۔ مگر اس نوعمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی ـــــ بات یہ ہے کہ شیر کے بچوں کو کس نے شکار کرنا سکھایا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی عمر مبارک کے یہی ایام تھے کہ علمائے رام پور سے مسئلہ اذان ثانی پر بحث چھڑ گئی۔ علمائے رام پور معمولی علماء نہیں تھے۔ یہ وہ اکابر ملت تھے کہ جن کے علم و فضل کا رعب پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔

یہ شمس العلماء مولانا عبد الحق ابن علامہ فضل حق خیرآبادی جیسے اس لعل بے بہا کے وارث تھے کہ بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی صاحب رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کر سکے۔ سرائے میں قیام کیا، اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع

کر دی ۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ان کے اِفہام و تفہیم کے لیے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا ۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند نے ان حضرات کے ابحاث علمیہ کے ایسے مدلل مسکت فصیح جواب دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے ۔ ان پر وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ گئے ۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل دقایۃ اہل السنۃ نفی العار وغیرہ کا مطالعہ کرے ۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھا دیا ، دنیا سے منوالیا کہ "بزرگی بعقل ست نہ بہ سال"

حضرت مفتی اعظم ہند کے سیکڑوں ایرادات آج بھی قرض ہیں ۔ انہیں ایام میں دیوبند کے بقیۃ السلف حکیم الامت جناب تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت کی رفوگری کے لیے بسط البنان لکھی جس کے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کے رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان تالیف فرمائی ، جسے رجسٹری کر کے تھانہ بھون بھیجا ۔ مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بلکہ ان کی پوری برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی وقعات السنان اور ادخال السنان کے زخموں کی تاب نہ لاکر بہ لباسِ باطنی تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیازمند سے کچھ سوالات کرائے ۔ ان کے جوابات کے لیے بھی حضرت مفتی اعظم ہند میدان میں آئے ۔ اور "الموت الاحمر" لکھ کر اکابر دیوبند کی تاویلات کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ۔ اور حجب الہیہ ان پر تام فرمادی ۔ اور مَنْ ھَلَكَ ھَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَمَنْ حَيَّ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ کا جلوہ دنیا کو دکھا دیا ۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے وہ کارنامے ہیں جنہیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تنہا پوری دنیا سے جو مکھا لڑ رہا ہے ۔ اور اپنے حملۂ جاں ستاں سے مخالفین کو نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مزہ چکھا رہا ہے ۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کے لئے ایک "دار القضاء" قائم کیا جائے، تو چونکہ قاضی کے لئے تربیت، تفقہ اور تبحر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اعتبار سے حاضرین دربار رضوی میں سب سے زیادہ فائق حضرت صدر الشریعہ تھے۔ اس لئے انہیں قاضی بنایا۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند، اور حضرت برہان ملت جبلپوری کو مفتیٔ دار القضاء کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دار القضاء میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے مگر غور کریں کہ دار القضاء کوئی معمولی دار القضاء نہ تھا۔ پورے متحدہ ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دار القضاء تھا، جسے سپریم کورٹ کہہ لیجئے اور اس دار القضاء میں مفتی کی حیثیت وہی تھی جو کسی بنچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کی بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے ——— اس نوعمری میں سب سے بڑے دار القضاء کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علماء میں وہ حیثیت حاصل کرے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کورٹ کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی۔ اور دنیا نے چشم سر سے دیکھا، کہ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے، بلکہ روحانی شہنشاہ تھے۔ ان کا جلوہ دنیا نے اس وقت دیکھا جبکہ حضرت مفتی اعظم ہند ۱۹۴۵ء م ۱۳۶۴ھ میں حج و زیارت کیلئے حرمین طیبین حاضر ہوئے

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج و زیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی، اس کو اپنی عیاشی کے لئے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ و گیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا۔ تو اس حریص ننگ اسلام دشمن نے مجبور و بے کس حجاج پر یہ ظلم کیا کہ ان

حاجیوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے ٹیکس لگا دیا۔ اور حیرت یہ تھی کہ کتاب و سنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علمار نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر و تشدد کا یہ عالم تھا کہ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لئے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمرانوں پر صحیح تنقید کرنے والوں کی سزا موت ہے —— علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم ہند حرمین طیبین حاضر ہوئے۔ تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلمرو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا جس کا نام "القنابل الذریۃ علی اوثان النجدیۃ" ہے جسے مطالعہ کر کے علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا۔ اِنَّ ھٰذَا اِلَّا اِلْہَام اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا۔ اور بطور تبرک قرآن واحادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل کرنے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے میں کہتا رہتا ہوں۔ اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والد مکرم مجدد اعظم نے نو عمری میں دار القضار کا رکن بنایا —— اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ وہ فرزند ارجمند اپنے عہد میں پوری دنیائے سنت کا امام بنا، سلطان بنا، سرتاج بنا۔

یہ باتیں تو وہ ہیں جو ثقہ رواۃ کے ذریعے میں نے سنی ہیں۔ اب آئیے خود میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

میں بریلی شریف حاضر ہوا، اور حضرت مفتی اعظم نے اپنے دار الافتار کی خدمت سپرد فرمائی۔ ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا اور بعد نماز عشار حضرت کو

سُناتا۔ یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نو وارد نہیں تھا۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں نے زمانہ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کردی تھی۔ محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے۔ اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی مقیم تھا تو یہ میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدرالشریعہ قدس سرہٗ ان دنوں (۱۳۶۶، ۶۷ھ / ۱۹۴۷، ۴۸ء میں) اپنے دولتکدہ ہی پر تشریف رکھتے تھے، میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا فرماتے۔ چونکہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی۔ اس لئے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہوگئی تھی۔

میں بغور سوال پڑھ کر سائل کا منشا سمجھ کر پوری توانائی صرف کرکے دماغ حاضر کرکے جواب لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت تک میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔

دوسری طرف حضرت مفتی اعظم ہند کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذ لکھنے میں مصروف رہتے۔ تعویذ لینے کے لئے آنے والے کوئی خوش کن، فرحت بخش خبر نہیں سناتے، بلکہ ہر تعویذ کا طلب گار اپنے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت کی داستان سناتا تھا ——— مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ دن بھر صبر آزما اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ہند ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام و سکون کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے، مگر ہوتا یہ کہ بلا ناغہ بالالتزام روزانہ بعد نماز عشاء رکھانا تناول فرمانے کے

بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے۔ اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تر و تازہ چاق و چوبند، حاضر دماغ، اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سُناتا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی حاضر دماغی، تیقّظِ قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اِصلاح فرماتے ـــــ عمدہ سے عمدہ ترکی طرف رہنمائی فرماتے ـــــ زورِ بیان کو مؤثر سے مؤثر تر بناتے ـــــ اِستدلال کو قوی سے قوی فرماتے ـــــ عبارت کو شستہ سے شستہ تر فرماتے ـــــ اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں عبارت کی رہنمائی فرماتے۔ اگر عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے ـــــ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا "تو فبہا" فرمایا ـــ "فبِہَا" کے ساتھ "تو" کا کیا جوڑ؟ اگر

ایک دفعہ میں نے حدیثِ رفاعہ لکھی تھی صحیح مگر میں نے پڑھ دیا۔ لَاحَتّٰی تَذُوْقِی عُسَیْلَتَكِ فرمایا کیا پڑھا؟

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مہر کو مؤنث اِستعمال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا۔ فوراً تنبیہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا ـــــــ ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی۔ بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔ اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے۔ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انہوں نے پڑھایا تھا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ، میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوں کی تفصیل لکھی تھی۔ اور خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے، دعائے خیر سے نوازیں گے۔ مگر جب سُنانا شروع کیا تو فرمایا۔

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا۔ یہ شق در شق، شق در شق طوفانی جواب کس کے

پلّے پڑے گا۔ جواب میں اپنا مَبلغِ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔عام طور پر نکاح کفو میں مہرِ مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں۔ اور باپ دادا نہیں تو سائل اس کو لکھا کرتے ہیں۔ اس لئے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اِذن سے ہوا تھا ——— اور کفو میں مہر میں غبنِ فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے الخ ——— اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا حاصل ہے کہ سائل حکمِ شرعی اس لئے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔ پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا۔ اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا نا ترس لوگ اِن سب شقوق میں اپنے پسند کی شق اختیار کر لیں گے، اگرچہ واقعہ کے مطابق نہ ہو اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے اور سہارا آپ کے فتویٰ کا لیں گے۔ اس لئے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو ظاہر ہو، اور قیود بڑھا کر دوسری شقوں کی نفی کر دی جائے اور پھر آخر میں ہدایت کر دی جائے۔ اس ہدایت سے حضرت نے رسمِ مفتی کے اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مفتی کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہیے۔

میں نے بریلی شریف کے ایامِ قیام میں ۲۵ ہزار مسائل لکھے، جن میں ۱۰ ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش! وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا ——— پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا تبحرِ علمی، دقّتِ نظر، اور نکتہ رسی کس حد تک پہونچی ہوئی تھی۔

یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی، کبھی چار گھنٹے کی بھی ہو جاتی۔ میں تھک جاتا اکتا جاتا۔ مگر مفتی اعظم ہند پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا اِنسان رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قویٰ کے بس کی بات نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند ان منتخبِ روزگار نفوسِ قدسیہ

ہیں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قوائے بشری بھی لدنی، اور دل و دماغ بھی لدنی، جن کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔ اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے حضرت کے لئے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی۔ حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی۔ اچانک فرمایا، اگر کوئلہ ہوتا تو انگیٹھی بھی گرم ہو جاتی۔ اور تمباکو ابھی پورا جلا نہیں ہے وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا ——— اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ مانگ لوں فرمایا دن بھر کی تھکی ہاری بیچاری سو گئی ہوگی جانے دیجئے۔

مظفر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آکر آستانہ عالیہ پر قیام کرتے دو دو مہینے تک رہتے بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے ایک دو بار پوچھا بھی تو یہ کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لئے آجاتا ہوں۔

جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے۔ اس کا دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ یہ کیسے آگئے۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضرت یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی میں انڈیل دیا ——— کچھ کوئلے چلم میں ڈال دیے انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا۔ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کر دی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا۔ مگر نہ پنکھا ملا نہ دفتی۔ مجھے آنے جانے میں بمشکل دو ڈھائی منٹ لگے ہونگے واپس آکر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے ہیں۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی، مگر میں اپنے کام میں لگ گیا۔ بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے۔ اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ شاہ صاحب نماز و جماعت کے پابند تھے۔ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے۔ مجھے ایک خیال تو ہوا، مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی

تلاش ہوئی تو غائب، اور کھانے میں بھی غائب، تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں ـــــــ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے رات کو جب پھر مسائل سُنانے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلہ لے کر آئے پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ فرمایا، چلے گئے ہوں گے آپ اپنا کام کریں۔ میرا ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بکثرت مریدین جن بھی تھے

اب آئیے چند واقعات سفر کے سنیئے ـــــــ حضرت مفتی اعظم کی عادتِ کریمہ تھی کہ ہر نماز مسجد میں حاضر ہو کر تازہ وضو سے باجماعت ادا فرماتے تھے سفر کتنا ہی لمبا، کتنا ہی دشوار ہو، گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو۔ کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اور کوئی فرض یا سنت بیٹھ کر ادا نہ فرمائی۔ اس سلسلے میں کبھی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ مگر کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک بار حضرت اُجّین سے جے پور جاتے ہوئے ناگدہ اسٹیشن پر بمبئی دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہوئے۔ سکنڈ کلاس کا ٹکٹ تھا۔ ڈبے میں پہونچے تو پورا ڈبہ فوجیوں سے بھرا پڑا تھا۔ فوجی کتنے بدتمیز اور عوام کے لئے ظالم ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ وہ وحشی سیٹوں پر ٹانگیں پھیلائے لیٹے تھے بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہو گیا پورا ڈبہ بھرا ہوا تھا، کہیں جگہ نہ تھی اور گاڑی اسٹیشنوں پر برائے نام رکتی۔ فرمایا ـــــ نماز پڑھوں گا۔ میں پریشان ہو گیا چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک فوجی سکھ کا بہت بڑا ٹرنک پڑا تھا جس پر بستر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حضرت نماز پڑھیں گے اگر آپ مان جائیں تو اس ٹرنک پر سے بستر اُتار دوں اور اس پر نماز پڑھ لیں ـــــــ وہ مان گیا اور خود اسی نے بستر اٹھایا اور کھڑا رہا گاڑی جب ایک اسٹیشن پر پہونچی تو حضرت کو اسی پر کھڑا کر دیا ـــــــ حضرت نے اس طرح نماز ادا فرمائی۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک اسٹیشن پر مجھے بغیر بتائے ہوئے

اتر پڑے۔ میں پیچھے پیچھے جانماز لے کر دوڑا۔ فرض کا سلام پھیرتے ہی گاڑی نے سیٹی دے دی۔ میں جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا۔ اور حضرت نے سنّت کی نیت باندھ لی۔ اور گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی۔ اس وقت میری پریشانیوں کا عالم کیا تھا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ سامان گاڑی پر اور حضرت پلیٹ فارم پر، اگر گاڑی چلی جائے تو کیا کروں گا۔ اسی کش مکش میں نظر انجن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ڈرائیور حضرت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اب کچھ اطمینان ہوا۔ بالآخر جب حضرت نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں تشریف لائے تو گاڑی چلی۔ اس قسم کے موقع پر قوی سے قوی اعضا والے انسان کے ہوش و حواس بے قابو ہو جاتے ہیں مگر مفتی اعظم ہند پر کوئی اثر نہ پڑا اور با اطمینان خاطر نماز میں مصروف رہے۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معاملہ خدائے عز وجل سے اتنا قوی تھا کہ کوئی چیز بھی اس میں مخل نہیں ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی بدولت عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے گاڑی چھوٹ چکی اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز حارج نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیّدہ مریم عذرا رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کر دی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، افترا ہے، وہ بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا میں نے محمد صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں، پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔ فرمایا ـــــــ ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب و احترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا، میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں۔ کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں۔ مگر ایک مرد

حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہما دیا اور مرعوب ہوکر خاموش ہو گئے، یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔

نماز کی پابندی کے سلسلے میں ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ حضرت دارالعلوم اسحاقیہ کے سالانہ جلسہ سے گھر واپس آرہے تھے۔ جودھپور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشاء پڑھ کر حضرت اس پر آرام سے سو گئے سردی شباب پر تھی۔ جب گاڑی دہلی کے قریب گوڑگاؤں پہونچی تو میں نے اٹھایا۔ اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی، وہ بھی عورتوں کی، حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہونچ گئی تب کہیں جاکر استنجا خانہ خالی ہوا۔ اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے، تو مرادآباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی میں رکھا جاچکا تو فرمایا۔ کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی کپڑے نکال کر حضرت کو دیئے اور بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کرکے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر بڑی تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جارہے ہیں ——— میں متحیر ہوگیا کہ یا اللہ! حضرت کہاں جارہے ہیں۔ مگر میں کرتا کیا گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے بھی نہیں جاسکتا تھا۔ بے چینی، اضطراب کے عالم میں کسی طرح وضو کیا نماز پڑھی۔ اور ریل کے ڈبے سے سر نکالے ہوئے باہر جھانکتا رہا، نہ وقت کٹتا نہ حضرت تشریف لاتے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت واپس ہوئے جاڑے سے کانپ رہے تھے، قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے، میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا، ڈبے میں چڑھانے کے لئے ہاتھ پکڑا تو برف کے مانند سرد، اب میرا حال زار اور بدتر ہوگیا۔ فرمایا ——— بستر کھولئے میں نے بستر کھولا تو فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ

لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے۔ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا:—— وہ خبیثات پائخانے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ مجھے استنجار کی شدید حاجت تھی کپڑے ناپاک ہوگئے۔ سوچا کہ کسی مسجد میں جاکر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کر کے ایک مسجد میں گیا۔ وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا —— تو پھر دوسری مسجد میں گیا۔ وہاں گرم پانی بھی تھا۔ اور نہانے کا بندوبست بھی، غسل کر کے کپڑے بدلے نماز پڑھی، اور واپس آیا۔ رکشے پر ہوا لگنے سے جاڑا معلوم ہونے لگا، دہلی میں سردی بھی بہت پڑتی ہے۔ یہ سنتے ہی قدموں پر گر گیا کہ انہیں اللہ والوں کے وجود با جود کے صدقے میں زمین و آسمان قائم ہیں۔ اب میں باہر نکلا کہ حضرت کو گرم چائے پلادوں دشواری یہ تھی کہ حضرت کسی غیر مسلم کی چائے تک نہ پیتے تھے۔ میں خود اس کا خیال رکھتا تھا۔ لیکن اس دن سوچا کہ اس وقت حضرت کو چائے کی اشد ضرورت ہے بغیر کسی تحقیق کے قریبی اسٹال سے دو نئے پیسے دے کر خوب گرم اور عمدہ چائے بنوا کر لایا، چائے نوش فرمائی۔ تو ارشاد فرمایا —— کہیں سے آگ مل جاتی تو چلم بھر لی جاتی —— میں ناشتہ دان کے ڈبے میں چند کوئلے لیکر اسی چائے والے کی دوکان پر گیا۔ اور اسی کے چولہے سے کوئلے دہکایا۔ اور چلم بھر کر تیار کردی۔ اب حکم ہوا کہ پانی گندہ ہوگیا ہے بدل دیں۔ میں نے یہ بھی کیا، اس کے بعد حضرت حقہ پینے میں مشغول ہوگئے۔ اب میں نے عرض کیا حضور پہلے ہی بتادیا ہوتا کہ غسل کرنا ہے۔ ویٹنگ روم میں نہانے کا انتظام ہے۔ گرم پانی بھی رہتا ہے۔ اگر حضور نے پہلے ہی بتایا ہوتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔

کیا اس دور میں عزیمت پر اس حد تک عمل کرنے کی اور کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

تعویذ نویسی

اخیر دور میں جن لوگوں نے حضرت مفتی اعظم ہند کی زیارت کی انہوں نے تعویذ لکھتے ہی دیکھا ہے۔ ابتدا میں ہم لوگوں کو

بھی اس پر تعجب ہوا اور حیرت بھی، اس شغل میں حضرت کو محنت بھی بہت کرنی پڑتی اور سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا۔ پھر خود بھی فرماتے تعویذ والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے کسی کام کا نہیں رکھا۔ آنے والوں جانے والوں سے بات چیت بھی نہیں کر سکتا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کبھی تعویذ والے دیر میں بارہ بجے ایک بجے دن میں آتے تو فرماتے یہ کوئی تعویذ لینے کا وقت ہے۔ حاجتمند عرض کرتے کہ فلاں کام میں پھنسا تھا۔ عورتیں عرض کرتیں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ کھانا پکا کر انہیں کھلا کر آئی ہوں اس پر ارشاد فرماتے ـــــــ اور جس کے پاس آئی ہو وہ بھوت ہے، یا فرشتہ کہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کبھی بھیڑ زیادہ ہو جاتی بچے شور مچاتے تو جلال میں فرماتے کہ پیر بہوڑا کا میلہ بنا رکھا ہے۔ دیکھو چلے آ رہے ہیں، چلے آ رہے ہیں۔ گرمیوں میں ۸ بجے بیٹھک میں تشریف لاتے اور کبھی کبھی ۲ بج جاتے۔ مگر جب تک تمام حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق پورا تعویذ عنایت نہ فرما لیتے دوپہر کا کھانا تناول نہ فرماتے۔ خادمہ آ کر بار بار عرض کرتی کھانا کھا لیں۔ مگر جب تک تمام حاجتمندوں کو تعویذ نہ دے لیتے کھانا تناول نہ فرماتے۔

پھر حال یہ تھا کہ تین تعویذ سے کم کسی کو عنایت نہ فرماتے۔ ایک عمر بھر پہنے رہنے کا، ایک بھوت پلید آسیب وغیرہ اتارنے کا، ایک خاص اس مرض کا، مقدمے والا آتا تو ایک ٹوپی کا، ایک گلے کا، ایک حاکم کے سامنے جائے تو چٹکی میں دبانے کا، کس میں ہمت تھی کہ اس میں دخل دیتا۔ لیکن ہوتا یہ کہ حضرت ہیں تو تعویذ والوں کا مجمع ہے، ورنہ میدان صاف ـــــــ رات میں حضرت کہیں باہر تشریف لے گئے تو صبح کو سناٹا۔ اور پھر رات میں واپس آ گئے تو پھر وہی مجمع۔ اس کو ہم حضار نے بار بار دیکھا۔ حیرت میں رہتے کہ کس نے حاجتمندوں سے کہہ دیا کہ حضرت باہر ہیں، اور رات میں آئے تو کس نے بتا دیا کہ آ گئے ـــــــ اب ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ اس نکتے پر آ کر ہم لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ خود

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ والے اپنی کراماتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سرکار سید حمزہ مارہروی قدس سرہٗ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دعا کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا، مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہوگیا۔ حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔
یہی حال حضرت مفتی اعظم ہند کا تھا کہ وہ اپنی کراماتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے، جس کی دلیل یہی ہے کہ وہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ہم سب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور والا پریس کے پیلے کاغذ پر اپنے دستِ مبارک سے تعویذ لکھ دیں اسے چھپوالیا جائے تو کچھ زحمت کم ہوجائیگی فرمایا۔ کون میرے لئے روشنائی لائے گا، کاغذ لائے گا پھر مجھے فرصت کہاں کہ سب تعویذ اس کاغذ پر لکھوں۔

کچھ دنوں کے بعد پیلی بھیت کے جناب حافظ عمران اپنی گیارہویں شریف کی مجلس کی دعوت کے لئے حاضر ہوئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا پروگرام یہ ہے کہ پیلے کاغذ پر تعویذات حضرت سے لکھواکر چھپوائے جائیں۔ یہاں بریلی شریف میں موقع ملنا مشکل ہے۔ آپ پیلی بھیت میں ایسا انتظام کریں کہ بھیڑ جمع نہ ہو۔ حضرت کو تنہائی نصیب ہوجائے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔

پیلی بھیت جانے سے پہلے جناب اشہر کاتب صاحب سے کاغذ بنوایا۔ اور روشنائی اور قلم لیا۔ اور ساتھ میں سب کچھ لے کر پیلی بھیت گئے۔ دوسرے دن ایک صاحب کے مکان میں حضرت کو ٹھہرایا گیا۔ میں نے کاغذ، روشنائی اور قلم پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں تنہائی رہے گی۔ کوئی نہیں آئے گا۔ سب تعویذ اس پر تحریر فرمادیں تاکہ چھپوالئے جائیں۔ فرمایا۔ رکھ دیجئے۔ صبح سے عصر کے وقت تک قیام رہا۔ مگر کوئی تعویذ اس پر نہیں لکھا۔ صاحب خانہ سے گزارش کردی تھی کہ آپ کسی تعویذ کا سوال نہ کریں۔ انہوں نے اس کی حامی بھی بھرلی۔

مگر حضرت ان سے باتیں کرنے لگے۔ اور ایسی دلچسپ اور طویل کہ دوپہر کے کھانے کا وقت آگیا۔ حضرت استنجا کے لئے تشریف لے گئے، تو صاحب خانہ نے مجھ سے کہا۔ مجھے چند تعویذوں کی شدید ضرورت تھی۔ مگر آپ کے منع کرنے سے میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضرت نے اس کاغذ پر بھی تعویذ نہیں لکھے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ کو جو ضرورت ہو عرض کریں، میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

پھر تعویذ کی طلب صرف جاننے والے پہچاننے والے ہی نہ کرتے۔ بسا اوقات اجنبی انسان بلا کسی تحریک کے تعویذ مانگ بیٹھتا۔ ایک دفعہ پورنیہ سے واپسی پر حاجی پور اسٹیشن پر ایک ہندو اسی ڈبے میں سوار ہوا۔ اس نے حضرت کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ بہت دیر تک دیکھتا رہا پھر قدم چوما اور عرض کیا۔ میرا بیٹا بیمار ہے ایک تعویذ لکھ دیجئے۔ فرمایا چلتی ٹرین میں کیسے لکھوں۔ چلو سون پور میں لکھ دوں گا۔ پھر سون پور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اسے تعویذ لکھ کر دیا۔

پھر تعویذ کے اثرات عجیب عجیب طرح مرتب ہوتے، جو سمجھ سے باہر تھے۔ ایک دن ایک بس کا کنڈیکٹر آیا۔ حضرت باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا۔ میں معطل ہو گیا ہوں۔ دوبارہ بحالی کے لئے حضرت سے تعویذ لے گیا تھا۔ اور آج فیصلے کی تاریخ ہے۔ اور رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر حضرت سے پوچھنے آیا تھا۔ اب حضرت نہیں تو آپ ہی تعبیر بتا دیجئے۔ بغیر کسی وقفے کے اس نے کہنا شروع کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک اجلاس ہے جس کے حاکم حضرت مفتی اعظم ہیں۔ پیش کار مقدمات کی مسلیں پیش کرتا جاتا ہے۔ حضرت سب پر حکم لکھتے جاتے ہیں، پیشکار نے جب میری مسل پیش کی تو حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حکم لکھے بغیر مسل رکھ دی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔ حضرت نہیں، آپ ہی بتائیے۔ میرا اپنا حال یہ ہے کہ تعبیر بتانا تو دور کی بات ہے۔ خواب سننے ہی سے وحشت ہوتی

ہے۔ میں نے معذرت کردی کہ میں تعبیر نہیں جانتا۔ اس پر اس نے کہا میرے ذہن میں ایک تعبیر یہ آئی ہے کہ آج اس کورٹ سے میری سزا ہوگی۔ مگر اپیل میں بے داغ بری ہو جاؤں گا۔

اس نے بعد مغرب آکر بتایا کہ ہوا یہی کہ حاکم نے سزا کر دی ہے۔ میں ضمانت پر ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اپیل میں باعزت بے داغ بری ہو جاؤں گا۔ یہ کنڈیکٹر برابر آتا جاتا تھا۔ دو سال کے بعد اپیل کا فیصلہ ہوا۔ وہ باعزت بے داغ بری بھی ہوا، ملازمت بھی بحال رہی۔ اور تعطل کے ایام کے مشاہرے کا بھی اس کا حق ملا۔

اسی طرح اندور میں گونڈل کے حضرات کی ایک دوکان تھی۔ جو تقسیم ہند سے پہلے خوب چلتی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد جب تعصب کا دور دورہ ہوا، تو دوکان بالکل بند ہوگئی۔ حتیٰ کہ مال خراب ہونے لگا۔ سامان پر پھپوند جم گئی گھبرا کر مالکِ دوکان نے بیچنے کا تہیہ کرلیا۔ اور گاہکوں سے بات چیت بھی شروع کردی تھی۔ اسی اثنار میں حضرت مفتی اعظم اندور تشریف لے گئے۔ وہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خیریت دریافت کی۔ تو انہوں نے سارا ماجرا عرض کردیا۔ ان کی سرگذشت سُنکر حضرت کچھ خاموش رہے۔ پھر فرمایا۔ دوکان، آپ ہرگز نہ بیچیں، میں کل آپ کی دوکان میں چلوں گا۔ حسب ارشاد ان کی دوکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں نماز پڑھی، کچھ وظیفہ پڑھا۔ پانی پر دم کر کے پوری دوکان میں چھڑکوایا۔ اور ایک بہت خوبصورت کئی تعویذوں کا مجموعہ تعویذ دوکان میں لگانے کے لئے دیا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی دوکان پہلے کی طرح چلنے لگی یہ سب تفصیلات مالک دوکان نے مجھ سے بلا واسطہ بیان کی ہیں۔ تعویذوں کے فوائد کے واقعات جمع کئے جائیں تو صرف ان سے دفتر تیار ہو جائے گا۔ میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور اپنے کانوں سے سُنا ہے،

اِن سب پر غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نتیجے پر پہونچا کہ حضور مفتی اعظم ہند من جانبِ اللہ اس کے مامور ہیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ اوّل اب عوام میں خود غرضی بڑھ گئی ہے۔ علم وفضل، زہد و ورع کی طرف رغبت معدوم ہے۔ ہاں! جس سے کام نکلتا ہے۔ اس کے لوگ گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ اور عوام کے دین وایمان کی صیانت اسی میں ہے کہ وہ کسی دینی پیشوا سے متعلق رہیں۔ اس لئے تعویذوں کا سلسلہ ضروری تھا —— ثانیاً، خدمتِ خلق بہت اہم عبادت ہے حدیث میں فرمایا۔

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ

"سب سے اچھا وہ ہے، جو لوگوں کو نفع پہونچائے"——

ایک اور حدیث یاد پڑتی ہے کہ فرمایا۔ اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حوائج کا اسے مرجع بنا دیتا ہے۔ جن جن کی مرادیں پوری ہونگی وہ سب زندگی بھر دعائے خیر کرتے رہیں گے۔ اور مسلمانوں کی دعائے خیر بہت عظیم نعمت ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنْتُمْ شُھَدَاءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ

"تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو"۔

مشہور ہے کہ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ ثالثاً، حضرت مفتی اعظم ہند کے تمام تعویذات اسمائے الٰہیہ، آیاتِ قرآنیہ، کلمات دعائیہ پر مشتمل ہوتے۔ اس طرح تعویذ لکھنے میں ذکر الٰہی بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اَلْقَلَمُ اِحْدَی اللِّسَانَیْنِ تعویذ نویسی حقیقت میں ذکر الٰہی ہوا کرتا تھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ

حضرت مفتی اعظم ہند تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین وغیرہ نفل نمازوں کے عادی نہ تھے نہ اپنے گھر ادا فرماتے، نہ مریدوں کے گھر، کبھی تسبیح نہیں رکھتے۔ اور تسبیح پر وظائف نہ پڑھتے صرف فرائض، واجبات، سُنن پر اکتفار فرماتے۔ اور ہر نماز کے بعد مختصر وظیفہ

انگلیوں پر پڑھتے ۔ جبکہ آج کل بزرگی کا معیار نوافل کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی اور ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لئے ہلاتے رہنا ہے، بلکہ گلے میں بھی ایک دو پہنے رہنا ہے

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مغربی دیناجپور، اسلام پور علاقے میں ایک شخص نے حضرت کو مدعو کیا۔ اور بہت اہتمام کیا۔ جب حضرت آرام کے لئے لیٹے تو وہ شخص رات بھر جاگتا رہا۔ حضرت نے وہاں بھی تہجد نہیں پڑھا۔ اذانِ فجر کے بعد جب میں نے حسبِ دستور حاضر ہوکر جگایا تو اٹھے۔ اور اپنی عادت کے مطابق اِسفار کے بعد باجماعت نماز فجر پڑھی۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ سننے میں آیا کہ اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ بہت مشہور تھا کہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے تو ان میں بزرگی کی کوئی بات نہ دیکھی، انہوں نے تہجد تک نہیں پڑھا۔ وہ عتاب کا شکار ہوا۔ اس کے گھر میں آگ لگ گئی۔ سارا گھر اور سامان مال و متاع جل گیا۔ ہزاروں کے نوٹ گھر میں تھے جل کر راکھ ہوگئے صرف بدن کے کپڑے بچے۔ اس تباہی سے وہ نیم پاگل ہوگیا۔ اطراف کے علماء نے اسے تنبیہ کی کہ تونے ایک عارف کامل کی شان میں گستاخی کی اسی کی سزا ہے اب اسے ہوش آیا۔ مگر کیا کرتا، دل ہی دل میں توبہ کی، عاجزی وزاری کی۔

اتفاق کہ سال بھر کے بعد پھر حضرت مفتی اعظم ہند اس اطراف میں تشریف لے گئے تو اس نے حاضر ہوکر معافی مانگی۔ اور حضرت کو پھر اپنے گھر لے گیا۔ اور مرید ہوا۔ اب وہ ایک خوشحال فرد ہے۔ اس قسم کے اور بھی واقعات ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ناظرین ذہن نشیں کرلیں۔ نوافل تہجد اشراق وغیرہ پڑھنے والوں اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لے کر وظیفہ کرنے والوں کو اکثر خود بھی یہ خبط سوار ہوجاتا ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں۔ اور دیکھنے والے بھی بہت جلد یقین کرلیتے ہیں کہ یہ تہجد گزار، اشراق کا پابند ہر وقت اللہ اللہ کرنے والا پہنچا ہوا ولی ہے۔

لیکن جو لوگ حضرت مفتی اعظم ہند کی طرح فرائض و واجبات، سنن و مستحبات کے ہر معاملے میں پابند اور نواہی سے بالکلیہ محترز رہتے ہیں اور غیر محسوس طریقے پر

یادالٰہی میں مصروف رہتے ہیں وہ خود بھی عُجب کے شکار ہو کر اس فریب میں گرفتار نہیں ہوتے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں۔ اور دوسروں کو بھی دھوکا نہیں ہوتا اور وصول الی اللہ میں سب سے بڑا حجاب عُجب، ریا، تکبر نفس ہے۔ عوام کا فریب سمِ قاتل ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ قادریہ نے اس دوسرے طریقے کو اپنایا۔ کیونکہ اسی میں سلامتی اور منزل رسائی یقینی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تہجد واشراق ذکر واذکار کو اہمیت نہیں دیتا۔ یا ان کے فضائل کا منکر ہوں۔ میں وصول الی اللہ کے دو طریقوں میں سے افضل اَحسن، اسلم طریقے کی بات کر رہا ہوں۔

اس کو یوں حل کیجئے میں تمام یارانِ نکتہ داں سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے جو طریقہ اپنایا کہ فرائض و واجبات، سُنن و مستحبات پر ہر معاملے میں پابندی محرمات بلکہ مکروہات سے بالکلیہ اجتناب، اور اپنا پورا وقت مخلوق کی حاجت روائی اور ذکرالٰہی اور فتویٰ نویسی اور مفتیوں کی اصلاح و تربیت اور امر بالمعروف نہی عن المنکر میں صرف کرتے ہوئے زندگی بسر فرمائی یہ افضل ہے یا فرائض و واجبات و سُنن میں تساہلی، محرمات و مکروہات کے ارتکاب میں لاابالی پن، مگر تہجد اشراق، ذکر اذکار میں مصروفیت، اور خود کو ولی سمجھنا اور دوسرے کو ولی سمجھانا یہ افضل ہے اس کا فیصلہ ناظرین پر ہے۔

رُوحانیت

اس سلسلے میں عوام و خواص میں بہت سے واقعات مشہور و معروف ہیں، جن کے اعادے کی ضرورت نہیں میں صرف دو واقعے تحریر کر رہا ہوں، جو اب تک سپردِ قلم نہیں ہوئے ہیں۔

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کب حج کے لئے گئے تھے۔ اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انہیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم ہند امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ انہوں نے عیدگاہ میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے ہم نے خود پڑھی۔

سب حاضرین نے متفق اللفظ ہوکر یہی بتایا۔ انہوں نے حیرت سے کہا آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سنکر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔ حضرت توامسال دولتکدہ ہی پر رہے۔ حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ مگر پھر انہوں نے بتاکید کہا کہ دھوکا کیسا میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے۔ ان کی دست بوسی کی ہبات چیت کی اور بلاکسی شبہہ کے مسجد نبوی اور مواجہہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا، سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا، اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے انہیں بہت پیار سے دیکھا۔ جاں نواز انداز میں مسکرائے۔ اور حسبِ عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیئے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے۔ اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے۔ اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں، فرمایا ـــــــــ حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھئے گا۔ اسی سے متأثر ہوکر یہ حاجی صاحب مرید ہوئے۔

پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں جس سے اترنے کے لئے صرف ایک زینہ تھا۔ قُل کے وقت بے پناہ اژدہام ہوتا تھا۔ قل ختم ہونے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے مگر ایک سال کے قُل کے پندرہ منٹ بعد ہم بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت

نیچے تشریف لے آئے، کاشانۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے؟ میں نے انہیں بتایا کہ جی ہاں! دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرما نہ تھے انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے۔ پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے گھور کے دیکھا۔ انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا وہ تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ہم لوگوں کا دماغ پھٹ جائیگا یہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے ان کو سمجھانے کے لئے کہا کہ یہ سرکار غوث اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جونا گڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا۔ جس پیر کی کاٹھیاواڑ میں آنے کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ مگر کسی سے دل نہ بھرتا ———— ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہانہ انداز میں بیدار ہوا۔ اور مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ روتے روتے میں نے عرض کیا۔ کہ الٰہی مجھے کوئی پیرِ کامل عطا فرما۔ اسی حالت میں سوگیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں۔ اچھی طرح دیکھ لے۔ حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا۔ اور ان کے حلیۂ جمال کا ہر نقش دل پر کالحجر کرلیا پھر آنکھ کھل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون

ہیں، کہاں کے باشندے ہیں، کیا نام ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں کہاں ڈھونڈوں۔ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہونچ گیا۔ اور پورے کاٹھیاواڑ سے مضبوط رابطہ قائم کرلیا کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرنا، پیر آتے رہے جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نہ نظر آیا۔ اجمیر مقدس حاضر ہوا۔ وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا۔ مگر میرا قبلۂ مقصود کوئی نہ تھا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ حضرت مفتی اعظم ہند دھوراجی فلاں تاریخ کو آرہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔ مفتی اور پیر اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لیکن چونکہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا معتقد تھا۔ اس لئے اس ناطے کہ جلوان کے وارث، ان کے فرزند کی زیارت کرلوں۔ میں دھوراجی گیا۔ جب حضرت کے روئے زیبا پر نظر پڑی تو سکتہ طاری ہوگیا۔ خواب میں جسے میرا پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھا۔ کچھ حیرت واستعجاب، فرحت وانبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا مرآۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا۔ جب قوی قابو میں آئے تو قریب پہونچ کر قدموں پر گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے۔ فرماتے رہے یہ کیا کر رہے ہو، یہ کیا کر رہے ہو۔

جب آنسوؤں کے ساتھ طوفان شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرمالیں، جو بلا تاخیر قبول ہوئی۔ اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔

قابل تنقید روایات

غلو وافراط میں بہہ کر حضرت مفتی اعظم ہند کے حالات میں بعض غلط بلکہ قابل اعتراض روایات بھی لوگوں نے لکھ دی ہیں، جو کسی وقت مخالفین کی نظر میں آسکتی ہیں اور ہمیں رسوائی

ہوسکتی ہے۔ اس لئے ان کی نشاندہی کرنی ضروری ہے۔

اوّل تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے ۲۵ر جمادی الاولی ۱۳۱۰ھ لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم ہند نے اپنی تاریخ ولادت ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ بتائی ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم ہند سے یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط بیان نہیں کہا جا سکتا۔ ایک شہرت ہے کہ مفتی اعظم کا تاریخی نام محمد ہے۔ اس طرح کہ سال ولادت ۱۸۹۲ء ہے۔ اور بحذف صدی ۹۲ کا عدد آتا ہے۔ مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔ سنہ ہجری و عیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ ہر قاعدے سے سال عیسوی ۱۸۹۳ء آتا ہے۔ نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہوگئی۔ بہر حال ۱۸۹۲ء درست نہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ الملفوظ میں اعلیحضرت کا یہ ارشاد تو مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخی نام محمد ہے۔ ان کی سال ولادت ۱۲۹۲ھ ہے ——— مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر واقعۃً حضرت مفتی اعظم کا نام نامی محمد بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے خصوصاً جبکہ وہی جامع ملفوظات ہیں

ثانی اسی طرح کسی نے یہ اڑادیا کہ حضرت کی ولادت کے موقع پر حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری مرحوم نے یہ مصرعہ تاریخ ولادت پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

طبیبِ دین احمد مجدد ابنِ مجددِ اعظم

اِس روایت کو ہمارے ذمہ دار و غیر ذمہ دار سبھی افراد نے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے یہ بھی تکلیف نہیں کی کہ اس کے اعداد ہی جوڑ لیتے۔ ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اس کے اعداد ۱۳۰۶ ہیں۔ [لہ]

یہ روایت کسی مخالف نے گڑھی ہے۔ اس میں ایک طرف حضرت مفتی اعظم کے استاذ مولانا رحم الٰہی صاحب پر زد پڑتی ہے تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ اسے کسی نے نہیں سوچا۔ بس اندھا دھند نقل کرنا شروع

لہ اب کچھ لوگوں نے اس مصرعے میں احمدؔ کو محمدؔ سے بدل دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اختیار اب کسی کو کیسے حاصل ہوگیا۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ مصرعہ وزن سے ساقط ہوگیا۔ ۱۲ منہ

کر دیا۔ ۱۳۱۰ھ تک کسی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو مجدد کہا بھی نہیں تھا۔ چہ جائیکہ مجدد اعظم،

ثالث اسی طرح عام طور پر یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا حج اعلیٰ حضرت قدس کے ساتھ ۱۳۲۴ھ میں کیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ہمراہ اس حج میں خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج ۱۹۴۵ء میں، دوسرا ۱۹۴۸ء میں، اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں فوٹو کی قید کے بعد بلا فوٹو کیا ہے۔

رابع صحیح یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مرکزی دارالقضاء کا قاضی صرف حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کو بنایا۔ حضرت مفتی اعظم اور برہان ملت کو ان کا معین اور مفتی بنایا تھا۔ جیسا استقامت کے مفتی اعظم نمبر میں خود حضرت برہان ملت کا تفصیلی بیان مذکور ہے۔ مگر کچھ لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کو قاضی لکھ دیا۔ اور تقریروں میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

خامس حضرت مفتی اعظم کی بعض تصانیف کے دو دو نام ہیں۔ مثلاً "الموت الاحمر" کا دوسرا نام "ہشتاد بید و بند بر مکاریٔ دیوبند" بھی ہے۔ کثرت تصانیف دکھانے کے شوق میں اسے دو کتابیں شمار کر دیا۔ اب ہم کس کا منہ پکڑیں جو یہ کہہ دے کہ حضرت مفتی اعظم کے سوانح نگار اتنے جاہل ہیں کہ انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں، یا دو کتابیں،

سادس کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کر دی۔ جبکہ یہ کام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کا ہے ——— حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا، جب میں اجمیر جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا۔ میں نے جلدی جلدی فتاویٰ جلد دوم کو مرتب کیا اور چھپوا دیا۔ عجلت میں نہ فہرست بنا سکا۔ اور نہ فوائد لکھ

سکا۔ ٹائیٹل رہ گیا جسے حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگا دیا۔

ان لوگوں پر حیرت ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب سے کہیں اہم و اعظم فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کی ترتیب اور اس کی فہرست اور اس کے فوائد ہیں۔ پھر کتابت و طباعت شاندار، دیدہ زیب، خوشنما اور عمدہ کہ آج کی فوٹو آفسیٹ کی طباعت بھی ہیچ ہے۔ کاغذ اعلیٰ چکنا ولایتی، میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کوئی تصنیف اتنی عمدہ اس وقت تک نہیں چھپی تھی۔ تصحیح ایسی کہ اب تک مجھے اس میں کوئی غلطی نہیں ملی۔ اسے کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔ یہ کتنی قابلِ افسوس بات ہے کہ جو مفتی اعظم کا قابلِ ذکر کارنامہ ہے، اس کا کہیں تذکرہ ہی نہیں، اور جو ان کا کام نہیں وہ ان کی طرف منسوب ہو رہا ہے۔

فتنۂ اِرتداد

۱۹۲۰ء سے بلکہ ایک دو سال پہلے سے ہندوستان سخت سیاسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس ناقابلِ تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان اپنے انجام سے بے خبر کانگریس کے دیوانہ وار شریک تھے۔ اور مسلم لیڈران تو لیڈران علمار نے آنکھ بند کر کے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جامد کر لی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے بارے میں یہ تک فرما دیا۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بُت پرستے کردی

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے۔ حتیٰ کہ دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی آخری بھینٹ چڑھا دی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے رہا نہ گیا۔ اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں

کیں — جن کی دلیل میں اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ کانگریس کا مقصد تمہیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے۔ اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھیے آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب خطروں کی نشاندہی ملے گی، جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں، جو مسلسل چالیس سال سے پولیس ایکشن کے ذریعے مسلمانوں کے قتلِ عام، اموال کی لوٹ کھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگل پور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولیس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے ——— مسلم لیگ نے تو مطالبۂ پاکستان بہت بعد میں کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کر دیا اور اس کے اثرات بیان فرما دیئے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم ہند والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔ اس سلسلے کی مفتی اعظم کی تصنیفات طُرق الہدیٰ والارشادؒ وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائیگا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بد باطن کانگریسی لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔ انگریز کانگریس کے اس زور سے گھبرا اٹھا تھا۔ ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا۔ اور جیل میں لے جا کر شیشے میں آتارا۔ اور پھر رہا کر دیا۔ اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگٹھن کی تحریک چلائی۔ ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منھ کھول دیئے۔ وہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے نکلا۔ عمدہ سے عمدہ باجے اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت بڑی بڑی لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

اس وقت مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔ تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا۔ سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے بیٹھے تھے، مگر مجدد اعظم

کے وارثِ علم وفضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔ تن بتقدیر یکہ وتنہا چند اپنے رفقاء کو لے کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ چونکہ اس فتنے کا زور نواح آگرہ میں بہت تھا۔ اس لئے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ پا دورہ شروع کردیا۔ جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے وہیں پہونچ جاتے۔ جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے۔ اور ساتھ ہی بطور حفظ ما تقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے، جہاں ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے —— گرمی ہو یا جاڑا برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ناز و نعمت میں پلا ہوا، ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند فرلانگ پیدل نہ چلا ہو، میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں گرمیوں کے لو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ، نہ آرام کا خیال، دُھن ہے تو یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچا جائے —— کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفاصیل آج مل نہیں سکتیں۔ ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔ چند واقعات ہیں جو زبانی طور پر محفوظ رہ گئے ہیں۔

صرف ایک واقعہ سن لیں (جو مجھ سے خود مفتی اعظم نے بیان فرمایا) اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا باؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے

لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے۔ جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے۔ اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا، اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہونچے۔ جاکر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے۔ آگ جل رہی ہے۔ گانا دھوم سے ہو رہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں۔ اور کئی نائی استرہ قینچی لئے بیٹھے ہیں ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں۔ اور انہیں ہندو بنانے کے لئے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرہ کی پرواہ کئے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہونچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کر لو۔ اس نے صاف انکار کر دیا، اور کہا یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرتِ ملی جوش میں آگئی۔ شیر بیشۂ سنت سے فرمایا۔ کہ مجمع والوں سے کہئے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے۔ تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اس اپنی جلائی ہوئی آگ میں کود دو۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کر لو۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہونچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و مستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے، اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ چل ہم دونوں اس آگ میں کود دیں۔ ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اور مبہوت دم بخود رہ گیا۔ حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آکر گھسیٹنا شروع کیا۔ مگر وہ بہت موٹا تھا ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک

یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں۔ سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے تخت کے قریب آئے اور کہا، مولوی جی! اسے چھوڑ دو، اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل، ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکّے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی، اب مجھے کہنے دیجئے۔

اُولٰئِکَ سَادَاتِی فَجِئْنِی بِمِثْلِھِمْ

اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی،

اہلِ چیں چین میں ایران میں ایرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے

بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

قبول فی الخلق

قبول فی الخلق اللہ عزوجل کا ایک عظیم عطیہ ہے، جو وہ اپنے محبوبانِ بارگاہ کو عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔

(مریم، آیت ۹۶)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے رحمٰن ان کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہے۔

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ

ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت میں بُشریٰ ہے۔"

حضرت امام رازی نے فرمایا —— "بُشریٰ" سے مراد قبول فی الخلق ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبول فی الخلق اولیائے کرام ہی کے ساتھ خاص نہیں، بہت سے عوام بلکہ فساق بلکہ کفار ومشرکین تک کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ محبوبانِ بارگاہ کو جو قبول عام عطا ہوتا ہے اس میں اور فساق وفجار کے قبول عام میں کوئی مَا بہ الامتیاز خط فاصل ہو۔

اہلِ معرفت نے فرمایا کہ قبول فی الخلق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عوام سے شروع ہو، اور عوام ہی تک محدود رہے، یا عوام کے بعد کچھ خواص میں بھی پیدا ہوجائے یہ مقبولیت عنداللہ مقبول ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔ یہی وہ مقبولیت ہے جو عوام کالانعام، فساق، فجار کفار کو حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وہ کہ خواص سے شروع ہوا اور پھر ان کے ذریعہ عوام تک پہونچے۔ یہ یقیناً حتماً اللہ عزّ وجلّ کی بارگاہ قدس میں مقبول ہونے کی دلیل ہے —— اس کی تائید حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے۔

"اللہ عز وجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبرئیل کو آگاہ فرماتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے زمین والوں میں ندا کردو یہ میرا محبوب بندہ ہے۔ سب اس سے محبت کریں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔"

ظاہر ہے باشندگانِ ملاء اعلیٰ اور حضرت جبرئیل خواص ہی ہیں —— علاوہ ازیں حضرت جبرئیل ملک مقرب ہیں۔ اور اُن کی اِس ندا سے مراد اِلقار فی القلب ہے تو حضرت جبرئیل امین کا یہ اِلقار خواص ہی کے قلوب میں ہوگا۔

مفتی اعظم کے قبول فی الخلق کے دو منظر میں نے دیکھے۔

ایک ۱۳۸۱ھ سے پہلے کا، دوسرا اس کے بعد کا۔ یہ خادم شوال ۱۳۷۶ھ میں خدمتِ اقدس میں حضرت کے ارشاد پر آستانہ عالیہ پر دار العلوم منظرِ اسلام کی تدریسی خدمت کے لئے حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کی مقبولیت صرف خواص تک محدود تھی۔ عوام میں وہ ہر دل عزیزی نہ تھی جو اس کے چند سالوں کے بعد پیدا ہوئی۔ اور دن بدن بڑھتی چلی گئی ——— رہ گئے خواص تو بلا استثناء تمام خواص مفتی اعظم ہند کے مقتدائے امام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک ایک فرد حضرت مفتی اعظم ہند کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ، سب سے بڑا وارثِ نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مگر اس کے باوجود عوام کا رابطہ بہت کم تھا۔ اسی لئے سفر برائے نام تھا۔ اور سفر میں بھی عوام کا رجوع برائے نام تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اُس سال صرف ایک سفر فرمایا۔

بھروچ گجرات میں جماعت رضائے مصطفٰے کی ایک اہم تاریخی کانفرنس تھی جس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور پھر وہاں جبل پور عرسِ سلامی میں شرکت کے لئے گئے ——— اس وقت کے مریدین کی گنتی کی جائے تو افسوسناک حد تک کم ہوگی۔

لیکن ۱۳۸۱ھ کے بعد خواص کے ساتھ ساتھ عوام کا رجوع عام ایسا بڑھا کہ عقل دنگ رہ گئی ——— معلوم یہ ہوتا کہ حضرت مفتی اعظم ہند شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لئے پوری دنیائے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند محبوبیتِ عظمیٰ کے اس عظیم منصب پر مسند نشیں ہیں کہ ان کی محبت و عقیدت ہر سُنّی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

كلمة جليلة

من فضيلة الاستاذ جمال سليمان المنّاع حفظه الله تعالى

القاها فى مهرجان يوم ولادة المفتى الاعظم بتمام مأة سنة عليه المنعقد فى ١١/١٢/١٣/ رجب سنة ١٤١٢ھ المصادف، ١٧/١٨/١٩/ يناير سنة ١٩٩٢ء ببلدة بومبائ الهند، وقام بترتيب المهرجان داعماله رضا اكاديمى بومبائ:

تعريف بصاحب الكلمة من الاستاذ قمر الزمان الاعظمى حفظهما الله تعالى

لقد حان الوقت ان يمثل بين ايديكم شخصية قد استفاد وانتفع بها القارات المتعددة معًا اعنى بها فضيلة الاستاذ جمال سليمان المنّاع استاذ الازهر الشريف سابقًا. وُلد فضيلته فى ١٩٣٢م بالقاهرة بمصر وحصل على درجة بكلريوس الفنون فى ١٩٦١م ثم على درجة الماجستير فى ١٩٦٢م من الازهر. وفى عام ١٩٩١م قام باعداد رسالة علمية حول حياة الامام الاوزاعى واعماله الذهبية وخدماته العلمية فى انجلترا ونال شهادة الدكتوراة فى الفلسفة عند استكمال هذه الرسالة

انتم تعرفون، ايها الاخوة الاعزاء، ان الامام الاوزاعى الذى هو من معاصرى الامام ابي حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه كان فقيها بارزًا تعتز به العلوم الفقهية وغيرها من العلوم ومرجعًا ومصدرًا لاصحاب العلم والفضل من القرون الماضية الى عصرنا هذا:

ان الشيخ جمال سليمان المنّاع متخرج من الازهر ذلك المعهد العلمى الكبير الذى تحتل شهاداته واجازاته العلمية منزلة الاستشهاد والاعتبار۔ قام بالوظائف التعليمية فى هذه المؤسسة الاسلامية العظيمة من ١٩٦٣م الى ١٩٦٥م ثم تولى نفس الخدمات فى الجامعة الاسلامية بعلى كره من ١٩٦٥م الى ١٩٧٠م بطريقة منتظمة ثم مازال يعمل بصفته استاذاً فى مجمع البحوث الاسلامية بالقاهرة الى سنتين — والآن يؤم المسلمين فى مسجد المركز الاسلامى الثقافى بلندن وهو اكبر مسجد فى القارة الاوربية ومع ذلك يعمل بصفته استاذاً فى الكلية الاسلامية بلندن ۔ وهو يتقدم ويتفضل ليوجه اليكم خطابه الهادف،

نصّ خطاب فضيلة الاستاذ الشيخ جمال سليمان المنّاع ۔ استاذ الازهر الاسبق

بسم الله الرّحمٰن الرّحيم

الحمد لله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله وحبيبه محمد صلى الله عليه وسلم وعلىٰ اٰله وصحبه وعلىٰ عباد الله الصّٰلحين :

اخوتى فى الاسلام اولاً اشكر القائمين على ترتيب هٰذا اللقاء العزيز فقد اتاحوا لى فرصة عظيمة اشارككم فيها الشعور بالحب والسرور والاغتباط :

انى قدمت من بلد وربيت وعلمت فى بلد اهلها لايختلفون عنكم فى حبهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم فحب رسول الله اصل الايمان ونحن ايضاً فى مصر نشترك معكم فى توقير وحب اولياء الله لاننا نؤمن بمعنى الحديث الوارد من عادى لى وليًّا فقد اٰذنته بالحرب والحديث الاٰخر الذى فيه ان رب العزة يقول ما تقرب الىّ عبدى

بافضل مما افترضته ولا يزال العبد يتقرب الیّ حتی احبه فاذا احببته کنت یده التی یبطش بها وعینه التی یبصر بها واذنه التی یسمع بها الی اخر الحدیث الوارد :

ومولانا الشیخ احمد رضا رحمه اللّٰه تعالیٰ مثل لتوفیق اللّٰه لعبده فحیاته منذ مهده الی لحده کان جهاداً فی سبیل اللّٰه وخدمة دینه واصلاح شئون المسلمین وقد خلفه من بعده ابناه الجلیلان مولانا حامد رضا ، ومولانا مصطفیٰ رضا فقد غرس فیهما حب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ۔ وهٰذه المؤسسات التعلیمیة والمراکز التی تحمل اسم ابنه الاصغر حضرة مولانا مصطفیٰ رضا المفتی الاعظم للهند رضی اللّٰه عنه ، دلیل حی علیٰ توفیق اللّٰه سبحانه لمن یهب حیاته وجهوده فی سبیله ونصرة دینه فهی لسان صدق فی الأخرین تتحدث عن اسرة مولانا احمد رضا رضی اللّٰه عنه وعن جده مولانا علی رضا الذی کان مثلاً للعالم التقی الوفی لدین اللّٰه وحب رسوله ۔ وعن والده محمد نقی علی خان الذی کان مثلاً فی العطف علی الفقراء والبائسین بعیداً عن اغواء الثروة والسلطان ۔ حریصاً علیٰ مواصلة رسالة والده فی الحفاظ علی السنة و نشر روح الحب والعطف والتسامح :

ایها الاخوة کان من فضل اللّٰه علیّ ان قدمت الیٰ هٰذا البلد العظیم الهند واقمت فیه قرابة خمس سنوات مابین تدریس فی المدرسة العالیة الفتح پوری ، والتدریس فی جامعة علی گراه ، وقد زرت کثیراً من المؤسسات والجامعات ، ولکن لم تتح لی الفرصة للوقوف علی حیاة مولانا احمد رضا رضی اللّٰه عنه ولا علیٰ أثاره العمیقة التی ترکها فی حیاة المسلمین فی هٰذه البلاد وغیرها من البقاع ولا اذیع سراً اذا قلت لکم انی بعد ما قرأت بعض المقالات والکتیبات عن حیاة مولانا وجهوده

وآثاره ادركت انه من العيب على العالم ان يرى الناس من خلال عيون الآخرين وانما عليه ان يبحث بنفسه ويتاكد ويقرأ، وهذا درس لنا جميعًا، فعلى كل منا ان لا يحكم على احد من خلال الآخرين:

ولهذا اذكركم ونفسى بالآية الكريمة التى تقول:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا:

ورسولنا صلى الله عليه وسلم يبين لنا وينصحنا انما قبل ان نحكم على احد، علينا من التحرى والتثبت والتاكد فاذا ظهر لنا ان غيرنا يخالفنا فعلينا ان ندعوله بالهداية وان يعينه الله ان يرى الحق الذى رأيناه:

ايها الاخوة! من القدر القليل الذى قرأته عن حياة مولانا رضى الله عنه وما بذله من جهود فى اصلاح شئون الامة خرجت ببعض الاستنتاجات التى اعرضها امامكم:

ولد مولانا ونشأ فى بيت قائم على صلاح والعلم والعمل. فقد ورث عن والده وجده علمًا وصلاحًا واقتفى آثار والده رحمه الله فعندما اسس والده المدرسة التى عرفت "بمصباح العلوم" فمولانا اقتفاء لاثار والده رضى الله عنه اسس مدرسة ايضًا وسماها "منظر الاسلام"، وقد ورث عن والده التاليف والافتاء وبعدان برز فيها وفوق، اقتفى ابناه الكريمان نفس الطريق فى الفتيا والتاليف وفى هٰذا درس لنا جميعًا اعنى صلاح الاباء ينفع الابناء، وفى سورة الكهف يبين الله سبحانه وتعالى السبب الذى اوضحه الخضر العالم اللدنى لسيدنا موسى عليه وعلى نبينا افضل الصلوٰة والسلام عندما مرّ بالقرية وهدما الجدار المائل وبنياه. يقول القرآن فى بيان السبب:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ

ايها الاخوة! فليكن فى اسرة مولانا رضى الله تعالىٰ عنه مثل لاسرنا جميعًا فالقرآن الكريم يعتبر المسلم مسئولًا عن اهل بيته واسرته يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ؛

ثانيًا: كان مولانا رضى الله عنه غزير المعرفة فى جوانبها المتعددة سواء فى ذلك علوم الشريعة من تفسير وحديث وفقه، وعلوم الفلسفة من كلام ومنطق، والتوجهات الروحية من تربية وتصوف وعلوم الحياة العامة من رياضة وفلك واقتصاد وغير ذلك وهذا درس لنا جميعًا؛

فقبل ان يتصدى احدنا للفتوىٰ اولقيادة الناس يجب عليه ان يلم الماما واسعًا وعميقًا بعلوم الشريعة وان ياخذ بقدر معقول من العلوم الاخرىٰ. فمن المشاكل التى نواجهها اليوم ان كثيرين ممن يتصدرون للقيادة والافتاء لم يتوفر لديهم الالمام الشافى والقدر الكافى من المعرفة،

ثالثًا: عايش مولانا كل احداث العصر الذى كان فيه، وانه لمندهش من الطاقة التى منحه الله اياها فقد كان له موقف ايجابى ازاء كثير من الحركات الدينية والسياسية التى حدثت فى عصره فقد اختلف مع الوهابيين ومن تأثر بهم سواء فى ذلك علماء ديوبند او علماء لكنو او اهل الحديث او غيرهم. وكتب كتبًا كثيرةً توضح وجهة نظره وتدلل على سلامة النقد الذى وجهه لهم؛

وقد شهد ايضاً عصر مولانا حركة السيد احمد خان والسيد جمال الدين الافغانى وكان له موقفه الواضح بان القرآن هو الاصل الذى ينبغى ان يقيّم كل العلوم الحديثة على ضوءه لان القرآن ثابت والعلم متغيّر،

رابعًا: من القضايا التى جاهد مولانا فى سبيلها حبُّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ودعوة العامة الى التعلق بذلك الحب ولاجدال ان حب الرسول اساس الايمان. فقد قال النبى صلى الله عليه وسلم لاَ يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتىّٰ اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ الَّتِىْ بَيْنَ جَنْبَيْهِ:

والحقيقة ان الحبّ مقدمة ضرورية للاتباع فانى اتبع من احب وهنا اسمحوالى. ايها الاخوة العلماء والاخوة الكرماء ان اذكر بالحديث الوارد الذى تضمّن ان النبى صلى الله عليه وسلم عندما توضأ ذات يوم اخذ اصحابه بقايا الماء الذى توضأ به ودلكوا به اجسادهم وعندما سألهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما حملكم على ذلك؟ قالوا حب الله ورسوله فقال النبى صلى الله عليه وسلم من اراد ان يحب الله ورسوله وفى رواية، من اراد ان يحبه الله ورسوله فليصدق فى حديثه اذا تحدث وليؤد الامانة اذا اؤتمن وليكرم جاره. ومعنى هٰذا ان النبى صلى الله عليه وسلم وجّهنا الى الطريق العملى الذى نعمّق به حبنا برسول الله اعنى التمسك والتمثل باخلاقه والسير على طريقه واستحضاره دائمًا فى كل تصرفاتنا،

خامسًا: من القضايا الهامة التى تستوقف الدارس لحياة مولانا و اعماله دفاعه عن السنة النبوية المطهرة وذلك من خلال دعوته الى الاحاطة بها والتمسك بها ونشرها وتلك قضية هامة فى عصره واكثر اهمية فى عصرنا هٰذا فلا زالت هناك بعض الاصوات ترتفع وبعض

البذور الجهود تبذل للتشكيك فى السنة النبوية وللتقليل من اهميتها واذا نجح هؤلاء - لا قدر الله فسيصبح اسلامنا فى خطر عظيم

سادسًا، قضية التقليد فقد انفق مولانا رضى الله عنه جهداً كبيراً ازاء هذه القضية وقد دافع عن نوع من التقليد وحارب نوعًا اخر من التقليد. اما التقليد الذى دافع عنه فهو تقليد الائمة الاربعة فى الاحكام الفقهيه وليس معنى دعوة مولانا للدفاع عن الائمة الاربعة ووجوب اتباع واحد منهم ليس معنى هذا دعوة الى الجمود والا اذا جدّت قضية للمسلمين فعليهم ان يواجهوها على ضوء ما بحث الائمة السلف وقد ضرب مولانا رضى الله عنه مثلاً على ذلك بمؤلفه "كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمْ فِيْ أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمْ" وقبل فصل العصور السابقة لم تكن هناك عملة ورقية وعند ما وجدت العملة الورقية وجهت الاسئلة الى مولانا رضى الله عنه هل النقود الورقية مال تدفع عنه زكوة وتدفع مهراً ويدخل فيها احكام الصرف وغيره فانفق وقتاً طويلاً فى الاجابة على حلّ هذه المشكلة فمولانا لم يكن جامداً وهناك فرق بين الدعوة الى الحرص على تراثنا الفقهى وبين الجمود وعدم التفسير.

أما الجانب الذى حارب فيه التقليد فهو ان يقلد المسلمون غيرهم فى العادات والتقاليد وغير ذلك ممّا يؤثر على شخصية المسلم ويمحو خصائصها.

ايها الاخوة ان حياة الامام واسعة وكثيرة والوقت ضيق ولهذا اكتفى بهذه النقاط وقبل ان اختم - لى عندكم رجاء - فانى قد لمست بعض الغضب من خلال الاحاديث والمقالات التى القيت فى هذا الاجتماع وانى ادرك اسباب هذا الغضب فهى صرخة المظلوم والانسان عند ما يحس انه اسيئ اليه بدون وجه حق يغضب وقد قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم ان لصاحب الحق مقالاً؛

وانی کاخ لکم اقول مرة اخریٰ ان اسلم السبل لتصحیح الفهم الخاطئ ان نعرض فکر مولانا باسلوب جدید ومن غیر انفعال وان ننقله الی اللغات الاخریٰ وخاصة اللغة العربیة التی کتب بها مولانا واجاد فیها وقد قرأنا فی سیرة حیاة مولانا رضی اللہ انه عند ما ذهب الی الاراضی المقدسة المبارکة التقی بکثیر من علماءها وحادثهم وحادثوه واستمع الیهم واستمعوا الیه واعجبوا به وقدروه؛

وانی علیٰ ثقة ان هٰذا یمکن ان یتکرر وما علینا الاٰن تخلص نیاتنا ویحسن عرضنا للامور واللہ اسئل ان یجمع شمل المسلمین علیٰ ما هو حق وخیر۔ وفی الختام اذکرکم ونفسی بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم. اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَا نَویٰ فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلیَ اللہِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلیَ اللہِ وَرَسُوْلِهٖ وَ مَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ الیٰ دُنیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِلیٰ امْرَأَةٍ یَنْکِحُهَا اَوْ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلیٰ مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ ۔ ادعوا اللہ لی ولکم بالتوفیق والقبول وان یفیدنا بعلم مولانا ویعیننا علیٰ ان نحقق او ان نسیر فی تحقیق ما تمّ له. والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته ؛

"رضا اکیڈمی" بمبئی کی جانب سے عروس البلاد بمبئی میں ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۷، ۱۸، ۹ جنوری ۱۹۹۲ء کو منعقد ہونے والے جشنِ صد سالہ ولادت مفتی اعظم ہند کے موقع پر فضیلۃ الاستاذ شیخ جمال سلیمان مناّع مصری نے عربی زبان میں امام احمد رضا کی شخصیت اور کارناموں پر جو پُر مغز اور فکر انگیز تقریر فرمائی تھی، ذیل میں علامہ قمر الزماں کے اردو تعارف کے ساتھ اس تقریر کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اصل عربی تقریر ٹیپ کی مدد سے لکھی گئی جو گزشتہ صفحات میں درج ہوئی۔

تعارف کی تعریب اور تقریر کا اردو ترجمہ مولینا محمد عارف اللہ مصباحی استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد نے کیا ہے۔

تعارف

فضیلۃ الاستاذ شیخ جمال سلیمان مناّع مصری

از: علامہ قمر الزمان اعظمی

اب آپ کے سامنے ایک ایسی ذات جلوہ گر ہو رہی ہے جس کی خدمات سے کئی براعظموں نے ایک ساتھ استفادہ کیا ہے۔ یعنی فضیلۃ الاستاذ شیخ جمال سلیمان مناّع سابق استاذ جامعہ ازہر، آپ قاہرہ مصر میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ جامع ازہر شریف سے ۱۹۶۱ء میں آپ نے بی اے کیا۔ پھر ۱۹۶۲ء میں ایم اے کیا۔ پھر انگلینڈ سے آپ نے ۱۹۸۹ء میں پی ایچ ڈی کے لئے امام اوزاعی پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام اوزاعی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی کے وہ ہمعصر ہیں جن پر فقہ اور علم کو ناز ہے۔ اور جو آج بھی اہل علم و فضل کے مرجع و ماخذ ہیں۔

جامعہ ازہر جس کی سند پوری دنیا کے لئے باضابطہ طور پر استشہاد کی منزل رکھتی ہے۔ وہاں آپ نے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۴ء تک پڑھایا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں

۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک آپ نے باضابطہ تعلیم دی۔ پھر دو سال تک اکاڈمی آف اسلامک ریسرچ قاہرہ میں بحیثیت استاذ کام کرتے رہے۔ اِس وقت پورے یورپ کی سب سے بڑی مسجد اسلامک کلچر سینٹر لندن میں بحیثیت امام بھی ہیں اور "الکلیۃ الاسلامیۃ" (اسلامک کالج) لندن میں بحیثیت پروفیسر خدمت کر رہے ہیں وہ تشریف لا رہے ہیں آپ کو ایک مفید خطاب عطا فرما رہے ہیں۔

شیخ جمال سلیمان منّاع کی عربی تقریر کا اردو ترجمہ

برادرانِ اسلام! میں اجتماع کے منتظمین کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرے لئے یہ زریں موقع فراہم کیا کہ محبت ومسرت اور بہجت وشادمانی کے جذبات میں کچھ دیر میں آپ کے ساتھ شرکت کر سکوں۔

میں جس ملک سے آیا ہوں اور جہاں میری تعلیم وتربیت ہوئی ہے وہاں کے لوگ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح محبت رکھتے ہیں جیسے آپ حضرات رکھتے ہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اصل ایمان ہے اسی طرح اولیاء اللہ سے رشتۂ محبت اور تعظیم وتوقیر کے معاملے میں بھی ہم اہلِ مصر آپ کے ساتھ ہیں۔ حدیثِ رسول کے اس مضمون پر ہمارا ایمان ہے کہ

مَنْ عَادَیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ ـــ

جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اس کے خلاف میری جانب سے اعلان جنگ ہے،

اور اس دوسری حدیث پر بھی ہمارا ایمان ہے جس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔

مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِاَفْضَلَ مِمَّا افْتَرَضْتُہٗ وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَعَیْنَہُ الَّتِیْ یُبْصِرُ بِھَا وَاُذُنَہُ الَّتِیْ یَسْمَعُ بِھَا:

میرا بندہ میرے فرض کردہ طریقۂ عبادت سے افضل کوئی ایسا طریقہ رکھتا ہی نہیں،

جس سے وہ میرا قرب حاصل کر سکے، اور وہ عبادتوں کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پھر جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کی آنکھیں ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔

حضرت مولانا الشیخ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ توفیقِ خداوندی کا ایک نمونہ تھے کیونکہ مہد سے لحد تک ان کی پوری زندگی راہِ خدا میں جہاد، دینِ متین کی خدمت اور مسلمانوں کے حالات کی اصلاح میں گزری۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جلیل القدر فرزند حضرت مولانا حامد رضا، اور حضرت مولانا مصطفےٰ رضا، ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے دلوں میں بھی والد بزرگوار نے عشقِ مصطفوی کی جڑیں مضبوط فرمادیں۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفےٰ رضا رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام پر قائم ہونے والے یہ تعلیمی ادارے اور علمی مراکز اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ جو اپنی زندگی راہِ خدا میں وقف کر دیتا ہے اور جس کی سرگرمیاں دینِ حق کی نصرت و حمایت کے لئے خاص ہو جاتی ہیں اسے ربِّ جلیل قبول عام اور توفیقِ خاص سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ یہ ادارے ان مقبول بندوں کے حق میں "لسانِ صدق" اور سچی ناموری کے نشان ہیں، جو رہتی دنیا تک ان کا چرچا کرتے رہیں گے۔ اِن اداروں سے مولانا احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان، ان کے جدامجد مولانا رضا علی، اور ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خان کی عظمت کی ترجمانی ہوتی رہے گی۔ مولانا رضا علی علم و آگہی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا نمونہ تھے۔ خدا کے دین اور اس کے رسول کریم کے ساتھ اخلاص و وفا اور عشق و محبت میں انہیں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور مولانا نقی علی خان محتاجوں اور شکستہ حالوں کے ساتھ مہر و مروت، دولت و اقتدار کی حرص و ہوس سے دوری میں ضرب المثل تھے۔ سنت کی حفاظت، مہر و محبت اور نرمی و رواداری کے جذبات کو عام کرنے سے انہیں والہانہ عشق تھا ——— انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے والد گرامی مولانا

رضا علی کے مشن کو مسلسل جاری رکھا.

برادران گرامی! ـــــــ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل واحسان ہے کہ میں ہندوستان جیسے عظیم ملک میں آیا۔ اور یہاں تقریباً ۵ سال رہ کر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی فرائض انجام دیتا رہا. اس دوران میں نے بہت سے تعلیمی اداروں اور دانش گاہوں کے دورے کئے لیکن مجھے مولانا احمد رضا رضی اللہ عنہ کی زندگی اور ملک و بیرونِ ملک کے مسلمانوں کی زندگیوں میں ان کے چھوڑے ہوئے گہرے اثرات سے واقفیت کا موقع فراہم نہ ہوسکا۔ اور یہ کسی رازِ سربستہ کی پردہ دری نہ ہوگی اگر میں آپ سے کہوں کہ مولانا کی زندگی اور ان کی مساعی واثرات کے بارے میں جب میں نے بعض مقالات اور مختصر رسائل کا مطالعہ کیا تو اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ایک عالم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کو دوسروں کی آنکھوں سے دیکھے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ بذاتِ خود کتابوں کا مطالعہ کرکے حقائق کا سراغ لگائے اور اطمینان ویقین حاصل کرے۔ یہ ہم سب کے لئے ایک درس ہے۔ اس لئے ہم پر ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم دوسروں کی عینک لگاکر کسی کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرنے سے گریز کریں۔ اس کے لئے میں آپ کو اور خود کو بھی اس آیت کریمہ کی یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں جس میں ارشاد خداوندی ہے .

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (پ ۱۵، آیت: ۳۶، سورہ بنی اسرائیل)

"اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہونا ہے۔"

ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ یہ نصیحت فرمادی ہے کہ ہمیں کسی کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے غور وفکر کرلینا، حقائق کا پتہ لگالینا اور وثوق ویقین حاصل کرلینا ضروری ولابدی ہے

لہذا جب ہم کو معلوم ہو کہ کوئی ہماری مخالفت کرتا ہے تو ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اس کے حق میں راست روی کی دعا کریں اور اللہ تعالےٰ سے التجا کریں کہ جس طرح اس نے ہمیں حق کو دیکھنے سمجھنے کی توفیق دی اسے بھی حق کو دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق بخشے۔

برادرانِ گرامی! ـــــ مولانا احمد رضا رضی اللہ عنہ کی زندگی اور امتِ مسلمہ کے حالات کو سدھارنے کی کوششوں سے متعلق میں نے جو قدرے مطالعہ کیا ہے۔ اس کی روشنی میں مَیں نے بعض نتائج و تاثرات اخذ کئے ہیں۔ وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

اوّل: ـــــ مولانا کی ولادت اور نشو ونما ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو نیکی اور علم وعمل کی بنیاد پر استوار تھا۔ صلاح وعلم کی دولت مولانا کو اپنے والد اور جدامجد سے ورثہ میں ملی ـــــ انہوں نے اپنے والد مولانا نقی علی کے نقشِ قدم کو اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے والد نے مصباح العلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی تو انہوں نے بھی اپنے والد رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منظر اسلام کے نام سے ایک مذہبی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا کو تصنیف وتالیف اور فتوی نویسی کا فن اپنے پدر بزرگوار سے ورثہ میں ملا تھا وہ اس میدان میں گوئے سبقت لے گئے، اور نمایاں وممتاز مقام حاصل کیا۔

ان کے بعد ان کے دونوں صاحبزادگان بھی تصنیف وتالیف اور فتوی نویسی میں انہی کے نقش قدم پر جادہ پیمارہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آباء واجداد کی نیکیاں اور اچھائیاں اولاد کے لئے سود مند اور نفع بخش ہوتی ہیں۔ سورۂ کہف میں اللہ تعالےٰ نے اس سبب کو بیان فرمایا ہے جس کی وضاحت عالمِ لدّنی حضرت خضر نے سیّدنا موسیٰ علیہما وعلیٰ نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام کے سامنے فرمائی تھی جب ایک بستی سے گزرتے ہوئے دونوں نے ایک خمیدہ دیوار کو منہدم کرکے اسے از سر نو تعمیر کیا تھا۔ قرآن کریم اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے،

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ۔

"دیوار شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ مدفون تھا، ان کا باپ نیک اور صالح شخص تھا۔ اس لئے تیرے رب نے چاہا کہ یہ دونوں تیرے رب کی مہربانی سے پٹھے جوان ہو جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ اور دیوار گرانے کا یہ کام میں نے اپنی مرضی و اختیار سے نہیں کیا ہے"۔

برادرانِ گرامی! ——— اس طرح مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو ہمیں اپنے لئے نمونہ عمل بنانا چاہئے کیونکہ مسلمان اپنے کنبہ اور خاندان کا ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

"اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل وعیال کو اس نار جہنم سے بچاؤ جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"۔

دوم: ——— مولانا احمد رضا رضی اللہ عنہ علم و معرفت کی مختلف شاخوں میں بے پایاں علم کے مالک تھے۔ وہ جہاں علوم اسلامیہ تفسیر و حدیث اور فقہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے وہیں علوم فلسفہ، کلام و منطق میں بھی انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ جس طرح روحانی تعلیمات یعنی تصوف و تربیت میں انہیں مہارت حاصل تھی اسی طرح عام زندگی سے تعلق رکھنے والے علوم ریاضی فلکیات اور اقتصادیات میں بھی کمال حاصل تھا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کو بھی فتاویٰ کے اجراء اور عام لوگوں کی قیادت و سربراہی کا منصب سنبھالنے سے پہلے ضروری ہے کہ وہ علوم شرعیہ میں وسیع و عمیق آگہی حاصل کرے

اور دوسرے علوم میں بھی معقول استعداد وصلاحیت کا مالک ہو، کیونکہ آج ہم جن مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو آج زمام قیادت اور منصب افتار کے حامل ہیں ان کے پاس علم وآگہی کی وہ مقدار موجود نہیں جو اس ذمہ داری کے لئے کافی وشافی ہو۔

سوم: —— مولانا احمد رضا کے زمانے میں نت نئے واقعات وجود میں آئے اور مولانا نے ہر ایک کا مقابلہ کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ میں توان کی خداداد طاقت و قوت سے حیرت زدہ ہوں۔ ان کے دور میں بہت سی دینی و سیاسی تحریکیں رونما ہوئیں۔ جن کے مقابلہ میں انہوں نے ایک مثبت اور تعمیری موقف اختیار کیا۔ انہوں نے وہابیوں اور ان کا اثر قبول کرنے والوں سے اختلاف کیا، خواہ وہ علمائے دیوبند ہوں یا علمائے لکھنؤ، اہل حدیث ہوں یا دوسرے مذہبی فرقے —— اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، جن سے ان کے نقطۂ نظر کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ اور تنقید میں ان کی سلامت روی ثابت ہوتی ہے۔

مولانا احمد رضا کے زمانے میں ہی سرسیّد احمد خان اور سیّد جمال الدین افغانی کی تحریکیں اٹھیں، اس ضمن میں ان کا واضح اور غیر مبہم موقف یہ تھا کہ قرآن ہی اصل اور اساس ہے جس کی روشنی میں جدید علوم وفنون کی قدر وقیمت کا تعین ہونا چاہیئے کیونکہ قرآن اٹل اور غیر متبدل ہے۔ جب کہ دوسرے علوم تغیر پذیر اور غیر مستقل ہیں۔

چہارم: —— جن مسائل کی راہ میں مولانا مسلسل جہاد کرتے رہے ان میں ایک مسئلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی الفت ومحبت اور عام مسلمانوں کو اس عشق ومحبت سے سرشار ہونے کی دعوت کا بھی ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ محبتِ رسول اصل ایمان ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ الَّتِيْ بَيْنَ

جَنْبَیْہِ۔

"تم میں کوئی بھی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان موجود "جان" سے بھی زیادہ محبت نہ کرنے لگے"

یہ حقیقت ہے کہ "محبت" اتباع و فرماں برداری کے لئے ایک لازمی دیباچہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیوں کہ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کی پیروی بھی کرتے ہیں ——— اس مقام پر میں علماء اور معزز برادرانِ اسلام سے اس حدیث کو پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ ایک دن جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وضو فرما چکے تو صحابۂ کرام نے وضو کے باقیماندہ پانی کو لے کر اپنے جسموں پر ملنا شروع کر دیا۔ اور جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ کس بات نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا تو انہوں نے عرض کی۔ حُبُّ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ ہمیں اللہ و رسول کی محبت نے ایسا کرنے پر اکسایا۔ یہ سُنکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّحِبَّ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ۔

"جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے"

اور بروایتِ دیگر،

مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّحِبَّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ فِیْ حَدِیْثِہٖ اِذَا تَحَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ الْاَمَانَۃَ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُکْرِمْ جَارَہٗ۔

"جو اس بات کو پسند کرے کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھیں تو اسے چاہیے کہ جب بولے تو سچ بولے، جب اسے امانت سپرد کی جائے تو امانت دیدے اور ہمسایہ کی عزت کرے"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرز عمل کی ہدایت فرمائی ہے جس سے ہمارے اندر ان کی محبت راسخ ہو۔ وہ یہ ہے کہ ان کے کریمانہ اخلاق کو اپنائیں، ان پر مضبوطی سے قائم رہیں، ان ہی کی روش پر چلیں، اور

طرح کے سوالات پیش ہوئے کہ کیا نوٹ بھی مال ہے جس کی زکاۃ دی جائے، اور جس کی ادائیگی مہر میں درست ہو، اور کیا اس میں بیع صرف وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟۔

مولانا نے اس کے جواب میں عجلت سے کام نہ لیا بلکہ ایک طویل وقت صرف کرکے اس نئے مسئلہ کا حل تلاش کیا۔ جس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتا ہے کہ مولانا جمود پسند ہرگز نہ تھے۔

دراصل معاملہ یہ ہے کہ بیان و تحقیق سے انحراف اور جمود و تعطل پر اصرار اور ہے اور اپنے فقہی ورثہ کا تحفظ اور ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اب رہی وہ قسم تقلید جس سے مولانا نبرد آزما رہے وہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام عادات و رسوم اور اخلاق و کردار کے معاملہ میں غیروں کی تقلید کریں جس سے نہ ان کا تشخص برقرار رہے نہ ان کی خصوصیات باقی رہیں۔

برادرانِ گرامی! ـــــــــ امام کی زندگی وسیع اور کثیر الجہات ہے جس پر اس تھوڑے سے وقت میں روشنی ڈالنا ممکن نہیں، اس لئے میں ان ہی نکات پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور ختم کلام سے پہلے آپ سے اپنی ایک توقع کا اظہار کردینا چاہتا ہوں۔

اس کانفرنس میں جو خطبات و تقاریر پیش کی گئیں ان میں مجھے فرط جذبات اور غیظ و غضب کے آثار بھی محسوس ہوئے۔ میں اس غضب کے اسباب کو سمجھتا ہوں۔ دراصل اس کی حیثیت ایک فریاد مظلوم کی ہے۔ آدمی کو جب یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ ناحق اس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے تو فطرۃً وہ غضب ناک ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً۔ صاحب حق کو کلام کا حق ہوتا ہے۔

میں ایک بھائی کی طرح آپ کو یہ مخلصانہ نصیحت کرتا ہوں کہ غلط فہمی دور کرنے کا سب سے بہتر اور اسلم طریقہ یہ ہے کہ ہم مولانا کے افکار و خیالات کو جدید انداز

اپنے تمام کاموں میں ان کی سنتِ کریمہ کو پیش نظر رکھیں ۔

پنجم : ——— مولانا کی شخصیت اور کارناموں کا مطالعہ کرنے والے کے لئے جو اہم امور باعثِ کشش ہوتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے سنتِ مطہرہ کی حفاظت و پاسبانی کا فریضہ انجام دیا ۔ سنت کے تحفظ، اسے مضبوطی سے تھامنے اور اسے عام کرنے کی انہوں نے دعوت دی ۔

یہ ان کے دور کا ایک اہم معاملہ ہے اور ہمارے دور میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے ۔ اس لئے کہ اس وقت سے آج تک سنت کے خلاف کچھ آوازیں اٹھتی رہتی ہیں ۔ اور کچھ فرومایہ افراد سنت میں شک آفرینی اور اس کی اہمیت کو گھٹانے کے لئے مسلسل مصروف کار ہیں ۔ خدانخواستہ اگر انہیں کامیابی مل گئی تو ہمارا اسلام ایک عظیم خطرہ کی زد میں آجائے گا ۔

ششم : ——— مسئلہ تقلید بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس سے متعلق مولانا کا ایک عظیم کردار ہے ۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے زبردست جد وجہد کی ہے انہوں نے ایک قسم تقلید کی حمایت کی ہے اور دوسری قسم تقلید سے جنگ فرمائی ہے وہ تقلید جس کی مولانا نے حمایت فرمائی ہے وہ یہ ہے فقہی احکام میں چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی جائے ۔ مولانا نے اسی کی دعوت دی ہے ۔ اسی کا دفاع کیا ہے اور اسی کے واجب ہونے پر زور دیا ہے ۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جمود و تعطل کے داعی و حامی تھے نہیں بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ رونما ہو تو ان پر لازم ہے کہ وہ ان کا حل ان ہی تحقیقات کی روشنی میں تلاش کریں جو ائمہ اربعہ نے سرانجام دی ہیں اور ان ہی اصول وضوابط کے تحت جو انہوں نے طے کر دیے ہیں ۔

مولانا نے اپنی کتاب "كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ" سے اس طریقۂ حل کی مثال بھی قائم فرما دی ہے ۔ کیونکہ گزشتہ زمانوں میں کاغذ کا سکّہ نہ تھا ۔ جب یہ کاغذی سکہ یعنی نوٹ وجود میں آیا تو مولانا کے پاس اس

میں عام کریں جس میں جذباتیت اور انفعالیت نہ ہو۔ (بلکہ سنجیدگی ومتانت کا عنصر نمایاں ہو)

ساتھ ہی ان افکار وتحقیقات کو ہم دوسری زبانوں میں منتقل کریں، خاص طور سے عربی زبان میں بھی پیش کریں۔ یہ وہ زبان ہے جس میں خود مولانا نے لکھا ہے۔ اور جودت وعمدگی کے جوہر دکھائے ہیں۔ ہم نے مولانا کی سیرت میں پڑھا ہے کہ جب وہ حرمین کی مقدس سرزمین پر پہونچے تو وہاں کے بہت سے علمار کرام سے ملاقات کی۔ ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کیا۔ اور ان میں باہمی گفتگو ہوتی رہی۔ مولانا نے ان کی باتیں سنیں اور ان حضرات نے مولانا کی باتیں سنیں اور ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر ان کی تعظیم وتوقیر کی۔

مجھے وثوق واعتماد ہے کہ قدرشناسی وپذیرائی کا یہ ماحول پھر برپا ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہماری نیتوں میں اخلاص ہو اور معاملات کو ہم اچھی طرح پیش کریں۔

میں آخر میں ایک حدیث پاک پیش کر رہا ہوں جس میں ہمارے اور آپ کے لئے نصیحت وموعظت کا سامان ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا اَوْ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔

"اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اس لئے جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہو تو اس کی یہ ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہی ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے یا اس سے شادی رچانے کے ارادے سے ہو تو اس کی یہ ہجرت انہیں چیزوں کے لئے ہوگی"۔

میں آپ کے لئے اور اپنے لئے بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالے ہمیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور ہمارے اعمال کو قبول فرمائے، اور ہمیں مولانا کے علم سے فائدہ پہونچائے۔ اور ان کے کام کو پایہ تکمیل تک پہونچانے میں ہماری دستگیری فرمائے ——— وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔